اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول من یطع الرسول فقد اطاع اللہ

اطاعتِ رسول قرآن و حدیث کی روشنی میں، اتباعِ رسول کی فرضیت

اطاعتِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم

فرمانِ الٰہی و اقوالِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

فیضانِ نظر
علامہ مولانا بشیر احمد نقشبندی

ترجمہ
علامہ مفتی محمد وسیم اکرم القادری

اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول من یطع الرسول فقد اطاع اللہ

اطاعتِ رسول قرآن و حدیث کی روشنی میں (اتباعِ رسول کی فرضیت)

اطاعتِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم

فرمانِ الٰہی و اقوالِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی فرضیت، فضائل، مطیع کے انعامات اطاعت اور اتباع میں فرق اسوہ حسنہ کی اہمیت صحابہ کرام کی اطاعت و اتباع کی مثالیں قرآن و حدیث اور اتباع و اطاعت رسول کی اہمیت، عاصی کی سزا اور انجام جیسے موضوعات پر مشتمل ایک علمی منفرد اور اپنے موضوع کے لحاظ سے نایاب کتاب

فیضانِ نظر

علامہ مولانا بشیر احمد نقشبندی

مترجم: مفتی محمد وسیم اکرم القادری (ایم اے۔ ایم فل)

مشتاق بک کارنر

الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور

ھماری کتابیں · معیاری کتابیں
خوبصورت اور کم قیمت کتابیں

ناشر: مشتاق احمد
اہتمام: سلمان منیر

نام کتاب — اطاعتِ رسول ﷺ
فرمانِ الٰہی واقوالِ نبی ﷺ کی روشنی میں
فیضان نظر — علامہ مولانا بشیر احمد نقشبندی
ترجمہ — مفتی محمد وسیم اکرم القادری
اشاعت — 2014ء
مطبع — ناصر شہزاد پرنٹرز، لاہور
کمپوزنگ — گُل گرافکس
قیمت — روپے

استدعا

انسانی طاقت اور بساط میں جو کچھ ہے اس کے مطابق اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ادارہ نے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ نسخہ ہذا میں کسی قسم کی کوئی غلطی نہ رہ جائے پھر بھی انسان خطا کا پتلا ہے اگر دوران طباعت کوئی زیر۔ زبر۔ نقطہ۔ شد یا مد ٹوٹ جائے تو اسے غلطی نہیں کہتے۔ کثیر تعداد میں چھپنے والی مطبوعات میں باوجود ہر امکانی کوشش کے ایسی خفیف نادانستہ لغزش قابل گرفت نہیں ہوتی بلکہ قابل معافی ہوتی ہے۔ کوئی مسلمان جان بوجھ کر دیدہ دانستہ تو طباعت میں ذرا سی غفلت بھی نہیں کرسکتا۔ پھر بھی آپ سے استدعا ہے کہ اگر اس کتاب کو پڑھنے کے دوران اس قسم کی کسی غلطی کا شبہ ہو تو ہمیں مطلع فرما کر مشکور فرمائیے۔ ان شاء اللہ آئندہ طباعت میں درست کردی جائے گی۔ ادارہ

انتساب

رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں

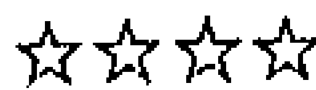
جس نے اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت کا حکم فرمایا

اور اسے دارین میں کامیابی کا ذریعہ بنایا۔

از

محمد وسیم اکرم القادری

فہرست عنوانات



ابتدائیہ

((بسم الله و لااله الا الله و الله اكبر و الصلوة عليٰ من لا نبی بعده و عليٰ اله و صحبه و بارك وسلم))

قرآن مجید میں جہاں اطاعت الٰہی کا ذکر ہے وہیں اطاعت رسول کا ذکر بھی ہے۔ان دونوں میں فرق کرنے والا مسلمان نہیں۔

بعض لوگ اطاعت الٰہی کا دم بھرتے ہیں (قرآن مجید کو مانتے ہیں) اور اطاعت رسول (احادیث) کا انکار کرتے ہیں۔اس کتاب میں اطاعت رسول کی اہمیت وثبوت قرآن مجید و احادیث کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

((قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله و يغفر لكم ذنو بكم والله غفور رحيم))(سورة آل عمران:آيت 31)

''کہہ دیجئے !اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو،خود اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرمادے گا اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔''

اسی سورت میں ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

((لقد من الله على المؤمنين اذبعث فيهم رسولا من انفسهم يتلوا عليهم ايته ويزكيهم ويعلمهم الكتب والحكمة وان كانوا من قبل لفي ضلل مبين))

(سورۃ آل عمران،آیت نمبر 164)

''بے شک مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ ان ہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا، جو انہیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے، یقیناً یہ سب اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔''

اس آیت مبارکہ کا مفہوم یہ ہے کہ جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے اس کیلئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور پیروی ضروری قرار دی گئی ہے۔اطاعت نبی سے ہی اللہ کی اطاعت نصیب ہوگی۔پھر اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اللہ تعالیٰ ایسے انسان سے نہ صرف محبت کرے گا، بلکہ اس کے گناہوں کی بخشش بھی فرمادے گا۔

اگلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ پر احسان عظیم فرمایا ہے کہ ان میں ان ہی میں سے رسول مبعوث فرمادیا اور یہ واقعی احسان عظیم ہے کہ وہ اپنی قوم کی زبان میں اللہ تعالیٰ کا پیغام سنائے گا۔جسے سمجھنا ہر انسان کیلئے آسان ہوگا۔اس آیت کریمہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تین فرائض بیان کیے گئے ہیں۔

1: آیات قرآنی کی تلاوت۔ 2: تزکیہ نفس۔ 3: کتاب وحکمت کی تعلیم۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام بنی نوع انسان کیلئے معلم تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف قرآن مجید کولوگوں تک پہنچایا بلکہ اس کی مکمل طور پر تشریح اور توضیح کو بھی بیان فرمادیا اور لوگوں کوعبادات اور معاملات کے عملی نمونے پیش فرمائے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی آیات مبارکہ کو پڑھ کر سنایا، انسانوں کا تزکیہ نفس کیا اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دی۔

تعلیم وتربیت کے تین طریقے ہوتے ہیں:

1: بذریعہ اقوال۔ 2: بذریعہ افعال۔ 3: بذریعہ تقاریر۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت معلم انسانوں کی جو تعلیم وتربیت فرمائی اور راہ ہدایت سے روشناس کرایا اسی کا نام حدیث اور سنت ہے۔

سورۃ الاحزاب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((وما کان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضی الله و رسوله امرا ان یکون لھم الخیرة من امرھم ومن یعص الله ورسوله فقد ضل ضللا مبینا))

(سورۃ الاحزاب: آیت 36)

''اور کسی مومن مرد وعورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔(یادرکھو) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی جو بھی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں پڑے گا۔''

اس آیت مبارکہ کے مطابق ہر کسی کے لئے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ تسلیم کرنا لازمی اور ضروری ہے۔معلوم ہوا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو بھی حکم فرمائیں اسے من وعن قبول کرنا لازمی ہے۔لہٰذا حدیث اور سنت کے تمام اقوال وافعال کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔

سورۃ النساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

((ان انزلنا الیك الكتب بالحق لتحکم بین الناس بما ارك الله ولا تكن للخآئنین خصیما))(سورۃ النساء : آیت 105)

''یقیناً ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ اپنی کتاب نازل فرمائی ہے تاکہ آپ لوگوں میں اس چیز کے مطابق فیصلہ کریں جس سے اللہ نے آپ کو شناسا کیا ہے اور خیانت کرنے والوں کے حمایتی نہ بنیں۔''

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

((یاایھا الذین امنوا اطیعوا الله واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیء فردوه الی الله والرسول ان کنتم تومنون بالله والیوم

الاخر ذلك خير و احسن تاويلا))(سورة النساء :آیت 59)

''اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور فرمانبرداری کرو رسول کی اور اولی الامر کی۔ پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے اللہ تعالیٰ اور رسول کی طرف لوٹاؤ۔ اگر تمہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے۔ یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام بہت ہی اچھا ہے۔''

تمام انسانوں کیلئے اصلی دین یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور رسول نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور پیروی کریں۔ اس کے علاوہ جو لوگ ان کے درمیان اولی الامر اور اختیار والے ہیں ان کی پیروی کریں، اسی طرح فقہاء کرام کی پیروی کریں۔ اولی الامر اور فقہاء کی پیروی اسی صورت میں ہو گی جب وہ اللہ اور اس کے رسول کے احکامات بیان کرتے ہیں اور اس کے دین کی طرف ہدایت اور راہنمائی کا کام کرتے ہوں اور اگر مسلمانوں کے درمیان کسی قسم کا جھگڑا پیدا ہو جائے تو انہیں چاہیئے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب رجوع کریں۔ پھر اللہ و رسول جو فیصلہ بھی فرما دیں اسے من وعن تسلیم کیا جائے۔ زندگی کے تمام معاملات اور مسائل کا حل قرآن اور حدیث کی روشنی میں تلاش کیا جائے۔

حدیث کا انکار سراسر قرآن کا انکار ہے، کیونکہ یہ قرآن ہی کا فیصلہ ہے کہ نزاع کے موقع پر قرآن کے بعد احادیث نبوی کی طرف رجوع کیا جائے۔

سورۃ نور میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((واقيموا الصلوٰة واتوا الزكوٰة واطيعوا الرسول لعلكم ترحمون))

(سورۃ النور: آیت 56)

''نماز کی پابندی کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ تعالیٰ کے رسول اللہ کی فرمانبرداری میں لگے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم فرمایا ہے مگر نماز کس طرح ادا کرنی ہے؟ اس کی کتنی رکعات ہیں؟ نماز کی شرائط کیا ہیں؟ اور مصارف زکوٰۃ کیا ہیں؟ یہ سب چیزیں قرآن مجید میں بیان نہیں کی گئیں۔

قرآن مجید نے نماز و زکوٰۃ اور دوسری عبادات کے تفصیلی احکامات کیلئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی جانب اشارہ فرما دیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عبادات و معاملات کیلئے عملاً نمونہ پیش فرمایا۔ لہٰذا ہر قسم کی عبادات اور معاملات کی ادائیگی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی راہنمائی لازمی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ کی روایت حضرت امام بخاری نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں نقل فرمائی ہے:

((ان رسول الله ﷺ قال من اطاعني فقد اطاع الله ومن عصى فقد عصا الله))

(صحیح بخاری، کتاب الاحکام۔ جلد 9: صفحہ 77)

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس

نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔"

اس حدیث میں واضح طور پر ارشاد فرمادیا گیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہی دراصل اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ جوانسان یہ چاہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرے اسے چاہیے کہ وہ دامن رسول کو مضبوطی سے تھام لے۔ اللہ تعالیٰ ایسے انسان کو خود بخود اپنا محبوب بنائے گا۔ اس کے برعکس اگر اطاعت رسول میں ذراسی لغزش آئی تو اللہ تعالیٰ کی محبت کے درمیان دراڑ پڑ جائے گی۔ جوانسان بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرے گا گویا کہ اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔

((عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال مامن الانبياء نبی الا اعطی من الايات مامثله اومن او آمن عليه البشر وانما كان الذی اوتيت و حيا او حاه الله الی فارجوا انی اكثر هم تابعا يوم القيامة))

(صحیح بخاری، جلد 9، باب کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، صفحہ 113)

"ہر نبی کو جس قدر آیات دی گئی ہیں اتنی قدر اس پر ایمان لایا گیا (اسی قدر) لوگ ایمان لائے اور مجھے تو وحی دی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ نے میری طرف بھیجی ہے۔ اسی لئے مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میری پیروی کرنے والے لوگ بہت زیادہ ہوں گے۔"

اس حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امتیازی حیثیت بیان کی گئی ہے۔ اسی امتیازی حیثیت کی بدولت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی متلو کے ساتھ ساتھ وحی غیر متلو بھی عطا فرمائی گئی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے ہی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن انبیاء کے ماننے والوں کی نسبت میری اتباع کرنے والے اور میرے ماننے والے زیادہ ہوں گے۔

((عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال كل امتی يدخلون الجنة الا من ابی، قالوايا رسول الله ﷺ ومن يابی ؟ قال من اطاعنی دخل الجنة، ومن عصانی فقدابی))

(صحیح بخاری، جلد 9، باب کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، صفحہ 114)

"حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا ہر امتی جنت میں داخل ہوگا، سوائے اس کے کہ جس نے (جنت میں جانے سے) انکار کیا۔ صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! (جنت میں جانے سے) کون انکار کرے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوا اور جس نے میری نافرمانی کی اسی نے (تو جنت میں جانے سے) انکار کیا۔"

((قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: من رغب عن سنتی فليس منی))
(صحیح بخاری ومسلم)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری سنت سے روگردانی کی وہ مجھ سے نہیں۔''

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: صلوا كما رأيتموني اصلي))

(صحیح بخاری)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز اس طرح پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔''

حدیث میں ہے

((قال رسول الله صلى الله عليه وسلم تركت فيكم امرين من تضلوا ما تمسكتم بهما، كتاب الله وسنة رسوله)) (موطا امام مالك)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہارے درمیان وہ چیزیں چھوڑ رہا ہوں جب تک انہیں تھامے رکھو گے گمراہ نہ ہوگے: کتاب اللہ اور میری سنت۔''

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق منصب خلافت پر فائز ہوئے تو منکرین زکوٰۃ کا فتنہ اٹھا۔ مدینہ منورہ میں بعض لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور استدلال یہ پیش کرتے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد زکوٰۃ نہیں دی جائے گی، کیونکہ یہ حکم صرف ان کے زمانے تک ہی محدود تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب ان لوگوں سے قتال کا اعلان فرمایا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''آپ ایسے لوگوں سے کیونکر قتال کریں گے کہ جو لوگ کلمہ گو ہیں اور توحید و رسالت کا اقرار کرتے ہیں اور صرف زکوٰۃ کا انکار کرتے ہیں۔؟''

حضرت ابوبکر صدیق نے مصمم ارادہ کیا ہوا تھا اور اختلاف رائے سے قطعاً متاثر نہ ہوئے۔ چنانچہ انہوں نے صاف کہہ دیا:

''اللہ کی قسم اگر ایک بکری کا بچہ بھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا جاتا تھا، کوئی دینے سے انکار کرے گا تو میں اس کے خلاف جہاد کروں گا۔''

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی مبارک میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو ایک لشکر کا سپہ سالار مقرر کر کے شام کی جانب روانہ کیا تھا۔ لشکر اسامہ جرف کے مقام پر ہی پہنچ پایا تھا کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی خبر پہنچ گئی۔ لشکر اسی جگہ ٹھہر گیا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ اس وقت اس طرح کے حالات پیدا ہو چکے تھے کہ ہر طرف منافقت کی فضا پیدا ہو چکی تھی۔ ایسے حالات میں صحابہ کرام نے حضرت ابوبکر صدیق سے مسلمانوں کی تعداد کی قلت کی بناء پر کہا کہ وہ مسلمانوں کی جماعت کو اپنے سے الگ نہ کریں۔ مگر حضرت ابوبکر صدیق نے کہا:

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر میرے پاس ایک شخص بھی نہ رہے اور مجھے یہ اندیشہ ہو کہ درندے مجھے اٹھا کر لے جائیں گے تب بھی میں اسامہ کی مہم کو اس کے کام پر روانہ

کروں گا، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے اور اگر تمام بستیوں میں میرے سوا اور کوئی نہ رہے تو میں تنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل کروں گا۔"

(تاریخ طبری، حصہ دوم خلافت راشدہ، صفحہ 37)

حضرت عثمان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص مرجائے اور اس کو اس بات کا یقین ہو کہ کوئی لائق عبادت نہیں سوائے اللہ جل جلالہ کے تو وہ جنت میں جائے گا۔" (صحیح مسلم شرح نووی، جلد 1، کتاب الایمان، ص 111)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو (تکبیر تحریمہ کے بعد) یہ پڑھا کرتے تھے:

((سبحنك اللهم و بحمدك و تبارك اسمك و تعالىٰ جدك و لا اله غيرك))

"اے اللہ! تو پاک ہے اور ہم تیری پاکی تیری تعریف کے ساتھ بیان کرتے ہیں، تیرا نام بابرکت ہے، تیری شان بلند و برتر ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔" (ترمذی وابوداؤد)

حضرت علی رضی اللہ عنہ عدل وانصاف سے متعلق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نقل فرماتے ہیں:

"انسان کے اعمال میں سے تین چیزیں مشکل ترین ہیں:

1: ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری وساری رکھنا (اور اس سے غافل نہ ہونا)

2: تمام لوگوں میں باہمی عدل وانصاف قائم کرنا۔

3: مسلمان بھائیوں کی ہر حال میں خیر خواہی اور غم خواری کرنا۔

سیدنا حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

"نماز عید الاضحیٰ کی دو رکعتیں ہیں اور عید الفطر کی دو، مسافر کی نماز کی دو رکعتیں ہیں اور نماز جمعہ کی دو رکعتیں اور یہ سب پوری ہیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پاک کے مطابق ان میں قصر نہیں۔" (سنن نسائی، صفحہ 497)

حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو اللہ کی راہ میں لڑا بشرطیکہ مسلمان اتنی دیر تک جتنی دیر اونٹنی کے دودھ دوہنے میں ٹھہرا جاتا ہے تو اس کے لئے جنت واجب ہوگئی۔" (سنن ابن ماجہ)

1: امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

"اگر سنت کا وجود نہ ہوتا تو ہم میں سے کوئی بھی قرآن کا مطلب حاصل نہ کرسکتا۔ جب کوئی ایسی بات بیان کروں جو کتاب اللہ و حدیث رسول کے خلاف ہو تو میری بات کو چھوڑ دو اور کتاب اللہ اور حدیث نبوی کی اتباع کرو۔"

2: حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

”جس نے حدیث نبوی کا رد کیا وہ ہلاک ہوا۔“

3: حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”جو سنت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جاری ہوئی ہو اس کے خلاف کسی کی بھی رائے قابل قبول نہیں ہے۔“

حجیت حدیث سے منحرف ہونا اور قرآن مجید پر حجیت کو ختم کر دینا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین تفریق پیدا کرنے کے برابر ہے اور اس سے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔

((ان الذین یکفرون باللہ ورسلہ ویرید ان یفرقوا بین اللہ ورسلہ ویقولون نؤمن ببعض ونکفر ببعض ویریدون ان یتخذوا بین ذلک سبیلا))(سورۃ النساء، آیت 150)

”جو لوگ اللہ کے ساتھ اور اس کے پیغمبروں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق رکھیں اور جو لوگ کہتے ہیں کہ بعض نبیوں پر تو ہمارا ایمان ہے اور بعض پر نہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کے اور اس کے بین بین کوئی راہ نکالیں۔“

ایسے لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کے درمیان فرق کرتے ہیں۔ اللہ کی تو اطاعت کرتے ہیں مگر رسول اللہ کی اتباع نہیں کرتے اور اللہ اور اس کے رسول کے درمیان کوئی دوسری راہ اختیار کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ رسول کی اطاعت میں ہی اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور رسول اللہ کی نافرمانی میں ہی اللہ کی نافرمانی ہے۔ ایسے لوگ بلاشک کفر کا ارتکاب کرتے ہیں۔

اس کے برعکس اہل ایمان وہ ہیں جو اللہ پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر بھی ان کا پختہ ایمان اور یقین ہے۔ ایسے لوگوں سے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

((والذین امنوا باللہ ورسلہ ولم یفرقوا بین احد منہم اولئک سوف یوتیہم اجورہم وکان اللہ غفوراً رحیماً))(سورۃ النساء : آیت 152)

”اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے تمام پیغمبروں پر ایمان لاتے ہیں اور ان میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے، یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ پورا پورا ثواب دے گا اور اللہ بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا ہے۔“

اسی حوالے سے جب ہم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کو پڑھتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ تمام اہل مکہ، آپ کے جانی دشمن بھی آپ کو صادق (سچا) اور امین (امانت دار) کہہ کر یاد کرتے تھے۔

اگر حدیث کی حجت کو تسلیم نہ کیا جائے تو قرآن پر عمل کرنا ممکن نہیں۔ مثلاً: قرآن مجید میں نماز کے قیام اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے مگر قرآن میں ان احکامات کی تفصیل نہیں ملتی۔ ان احکامات کی تفصیلات جاننے کیلئے اور پھر ان پر عمل کرنے کے لئے ہمیں احادیث نبوی سے رجوع کرنا پڑے گا۔

قرآن مجید ایک حکیمانہ، جامع اور مکمل ضابطہ حیات ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے تمام شعبہ ہائے زندگی سے متعلق احکامات بیان فرما دیئے ہیں۔ انسانی زندگی کا کوئی ایسا پہلو اور شعبہ نہیں جس کے متعلق قرآن میں بیان نہ کیا گیا ہو۔ اگرچہ قرآن مجید مین عقائد، عبادات اور اخلاقیات کے تمام ابواب کا ذکر کیا گیا ہے مگر وہ تمام کے تمام اصل ہیں۔ ان احکامات کی توضیح وتشریح اور تفصیل کیلئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کی ضروری ہے۔ لہٰذا قرآن مجید کو سمجھنے کیلئے معلم کی ضرورت ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اولین معلم قرآن اور مفسر قرآن ہیں۔

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جو قیامت تک آنے والے تمام بنی نوع انسان کیلئے ہدایت کا سر چشمہ ہے۔ قرآن مجید ایسی کتاب ہے جو انسانوں کیلئے معیار حق بنائی گئی ہے۔ ایسی کتاب کے معلم اور مفسر اول وہی ہستی ہوسکتی ہے جسے خود اللہ تعالیٰ نے معلم کتاب ہونے کی سند عطا فرمائی ہو۔ جن کی زبان مبارک سے ادا کیا گیا ہر لفظ اور اس سے صادر ہونے والا ہر عمل مبارک اللہ تعالیٰ کی رضا کے عین مطابق ہو۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

((کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلوا علیکم ایٰتنا ویزکیکم ویعلمکم الکتب والحکمۃ ویعلمکم مالم تکولوا تعلمون)) (سورۃ البقرہ: آیت 151)

"جس طرح ہم نے تمہی میں سے رسول بھیجا جو ہماری آیتیں تمہارے سامنے تلاوت کرتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب وحکمت اور وہ چیزیں سکھاتا ہے جن سے تم بے علم تھے۔"

اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن مجید ہی اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا ہونے والا ہر لفظ وحی الٰہی کے عین مطابق ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

((وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی)) (سورۃ النجم، آیت نمبر 4-3)

"اور وہ اپنی خواہش سے بات نہیں کہتے ہیں، بلکہ وہ تو صرف وحی ہوتی ہے جو اتاری جاتی ہے۔"

قرآن مجید اسلام کا اساسی قانون ہے اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ثانوی قانون ہے۔ ہر قانون کی وضاحت کیلئے تشریح کی ضرورت ہوتی ہے اور ماہر قانون ہی اس کی تشریح ہوسکتا ہے۔ اس کی شرح خود بخود قرآن بن جاتا ہے، جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نبی مبعوث ہوئے اس وقت لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہونا شروع ہوئے۔ اس وقت عرب کے جو حالات تھے ان پر نظر دوڑائیں تو نازیبا اخلاق اور رسم ورواج نہ تو اللہ تعالیٰ کو پسند تھے اور نہ ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو پسند فرماتے تھے۔

قرآن مجید بتدریج نازل ہوا۔ صحابہ کرام ہر کام کو اسی طرح سرانجام دیتے تھے جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے، یا صحابہ کرام خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمالیتے تھے۔ جس امر کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم حکم فرماتے وہی کرتے تھے اور جس امر سے منع فرمادیتے وہاں سے رک جاتے تھے۔ اسی کا نام "حدیث" ہے۔

اگر حدیث کو نہ مانا جائے تو ماننا پڑے گا کہ صحابہ اور رسول کا طرز عمل (نعوذ باللہ) وہی تھا جو جہال عرب کا

تھا۔ یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ جس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث برسالت ہوئے اسی دن تمام قرآن نازل ہوا۔
قرآن میں تمام جزئیات کے لئے مشرح احکام موجود ہیں۔ اگر حدیث نہ ہو تو نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کوئی ایک رکن بھی مکمل نہیں ہوسکتا۔ اور پھر اس کا نتیجہ یہ نکلے گا یہ آیت مبارکہ:

((الیوم اکملت لکم دینکم))

''آج میں نے تمہارا دین مکمل کردیا۔''

صحیح نہیں قرار پاسکے گی۔ سب انسان یکساں فہم وفراست، علم وقابلیت کے نہیں ہوتے، سب کی ضرورتیں بھی یکساں نہیں ہوتیں، اس لئے یہ ناممکن ہے کہ جو کلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا اس کے متعلق افہام وتفہیم کی ضرورت پیش نہ آئی ہوگی اور آیت کو سنتے ہی یہ صحابہ اس کے کلی وجزئی احکام سے باخبر ہوگیا ہوگئے ہوں گے۔''

قرآن مجید کے اسلوب اور مذکور وضاحت سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ احادیث نبوی کس طرح دین اسلام میں اہمیت کی حامل ہیں۔ احادیث پر عمل کے بغیر نہ تو قرآن کو سمجھا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس پر عمل ممکن ہے۔ حدیث پر عمل کے بغیر نماز اور زکوٰۃ تک نہیں کی جاسکتی۔ قرآن جو نہ صرف نظریات اور عقائد کی تعلیم دیتا ہے بلکہ پوری نوع انسانی کیلئے ایک مکمل نظام عمل ہے۔ اگر احادیث نبوی کو نظر انداز کردیا جائے تو قرآن مجید کا پیش کیا ہوا دین ادھورا رہ جائے۔

یہی حدیث کی وہ بنیادی اہمیت اور قرآن اور سنت رسول کا باہمی ربط ہے جس کی بنا پر صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور بعد کے محدثین عظام نے احادیث نبوی کو آنے والی نسلوں تک حفاظت کے ساتھ پہنچانے کیلئے اپنی جانوں تک کی بھی پرواہ نہیں کی۔ کائنات کے جس جس کونے میں پیغام الٰہی (قرآن) پہنچا حدیث بھی ساتھ ساتھ پہنچی اور الحمدللہ یہ عمل قیامت تک جاری وساری رہے گا۔

الغرض احادیث نبوی پر ایمان ویقین رکھنا اور ان پر عمل پیرا ہونا اتنا ہی لازمی اور ضروری ہے جتنا اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید پر ایمان ویقین رکھنا ضروری ہے۔

احادیث نبوی کا گراں قدر سرمایہ چودہ سو تیس سال کے طویل عرصے میں کون کون سے مراحل طے کرکے ہم تک پہنچا ہے اور وہ کتنی پاکیزہ ہستیاں تھیں جنہوں نے حکمت ودانائی وہدایت وراہنمائی کے انمول خزانوں کو آنے والی نسلوں تک حفاظت کے ساتھ منتقل کرنے کیلئے اپنی مبارک زندگیاں وقف کردیں اور اس سلسلے میں کٹھن سے کٹھن حالات کا مقابلہ کیا اور جان کی قربانی دینے سے بھی دریغ نہ کیا۔

احادیث نبوی ہم تک مندرجہ ذیل تین قابل اعتماد ذرائع سے پہنچی ہیں:

1: حفاظت حدیث بذریعہ تعامل امت۔

2: حفاظت بذریعہ حفظ، یعنی سلسلہ درس وتدریس۔

3: حفاظت حدیث بذریعہ تحریری یادداشتیں اور صحائف۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر موجودہ وقت تک مسلمانوں کا حدیث پر عمل ''تعامل امت'' کہلاتا

ہے۔ احادیث کو نہ صرف زبانی یا تحریری طور پر محفوظ کیا جاتا ہے بلکہ پورا اسلامی معاشرہ واحادیث پر عمل پیرا ہوتا تھا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درخشندہ ستارے یعنی صحابہ کرام اس کا عملی نمونہ تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہمہ وقت احادیث پر عمل کرتے تھے۔ بعض دفعہ جب صحابہ کرام دوسروں کے سامنے کوئی عمل کرتے تو فرماتے:

''ہم نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے دیکھا تھا۔''

صحابہ کرام کی نفوس پاکیزہ کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انداز گفتگو، اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، کھانے پینے اور آپ کے اخلاق کی پوری پوری نقل کرنے کی کوشش فرمائی۔

حدیث نبوی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ پر عمل کرنے سے ہی احادیث کی حفاظت ہوتی ہے۔ صحابہ کرام کا طرز زندگی بھی حفاظت حدیث اور اشاعت حدیث کا ایک ذریعہ تھا۔ جس کے سبب سنت رسول آئندہ کی نسلوں میں منتقل ہوئی۔

قوت حافظہ انسان کیلئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک بہت بڑا انعام ہے۔ قوت حافظہ کی اہمیت کے پیش نظر علماء میں مشہور ضرب المثل تھی:

''حقیقی علم وہ ہے جو دلوں میں محفوظ ہو نہ کہ کاپیوں پر لکھا جائے۔''

عرب کے لوگ بے پناہ قوت حافظہ کے مالک تھے۔ عرب شعراء ہزاروں کی تعداد میں اشعار زبانی یاد کر لیتے تھے۔ عرب لوگ قدرتی طور پر قوی الحافظہ واقع ہوتے تھے اور انہیں اپنے حافظے پر بڑا یقین ہوتا تھا۔ وہ لکھ کر یاد کرنے کو ایک خامی خیال کرتے تھے۔

درحقیقت محبت اور عظمت کا تعلق ہی ایسا ہے کہ اس کے تقاضوں کو یاد رکھنے کیلئے اضافی محنت اور کوشش کی ضرورت نہیں رہتی۔ صحابہ کرام کا جو تعلق اور لگاؤ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مطہرہ سے تھا، تو کوئی شک نہیں کہ ضعیف الحافظہ بھی قوی الحافظہ ہو جاتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے متعلق مشہور ہے کہ لمبے سے لمبے قصیدے کو ایک بار سنتے تھے تو انہیں زبانی یاد ہو جاتا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بہت زیادہ تعداد میں احادیث مروی ہیں۔ آپ بے پناہ قوت حافظہ کے مالک تھے۔ ان کی قوت حافظہ کا واقعہ یوں ہے:

''حضرت ابو ہریرہ کے حافظے کی قوت کا یہ عالم فی الحقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ معجزہ تھا۔ یہ وہی ابو ہریرہ ہیں جن کو باوجود کوشش کے احادیث یاد نہ ہوتی تھیں، مگر ایک بار بڑی حسرت کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی اس کمزوری کی شکایت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی چادر پھیلا۔ حضرت ابو ہریرہ نے حکم کی تعمیل کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خالی

ہاتھوں کولپ بنا کر ان کی چادر میں ڈال دیا، پھر فرمایا: چادر سمیٹ لو۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں: چنانچہ میں نے چادر کو لپیٹ لیا، پھر اس کے بعد میں کچھ نہیں بولا۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے سے حضرت ابو ہریرہ کا حافظہ اس قدر تیز ہو گیا کہ اس واقعہ کے بعد کسی بات کو ایک بار سن لیتے تو پھر کبھی نہ بھولتے تھے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود حدیث کی حفاظت و روایت چاہتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب بھی آپ گفتگو فرماتے تو دھیمی آواز کے ساتھ آہستہ آہستہ اور انتہائی وضاحت کے ساتھ فرماتے تاکہ سننے والا اچھی طرح مستفید ہو جائے۔ مزید آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضروری بات کو بار بار دہراتے تاکہ حاضرین مجلس کو اچھی طرح یاد ہو جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روایت حدیث کی ترغیب دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((فلیبلغ الشاهد الغائب))

"جو موجود ہیں وہ میری احادیث غیر موجود لوگوں تک پہنچا دیں۔"

ایک مرتبہ فرمایا:

((تسمعون و یسمع منکم و یسمع ممن یسمع منکم))

"تم (صحابہ احادیث) مجھ سے سنتے ہو، دوسرے لوگ تم سے سنیں گے اور پھر ان سے اور لوگ سنیں گے۔"

ایک مرتبہ فرمایا:

((نضر الله امرا سمع مقالتی فوعاها، حتی یؤدیها الی من لم یسمعها))

"اللہ تعالیٰ اس شخص کے چہرے کو رونق و تابندگی عطا کرے جس نے میری بات سنی اور یاد رکھی، یہاں تک کہ وہ بات اس شخص تک پہنچا دی جس نے اسے نہیں سنا تھا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعده من النار))

"جو شخص جان بوجھ کر میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے گا تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔"

اسلام کے آغاز میں جب نزول قرآن کا سلسلہ جاری تھا اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عارضی طور پر احادیث کی کتابت سے منع فرمایا تھا اور اس کا مقصد یہ تھا کہ قرآن مجید کے ساتھ کسی اور چیز کی آمیزش نہ ہو جائے۔ مگر جب قرآن اور حدیث میں فرق پختہ ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو احادیث لکھنے کی اجازت عطا فرما دی۔ چنانچہ کئی ایک صحابہ بلکہ صحابیات نے بھی احادیث کے مجموعے تیار کیے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"میں حضور اکرم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں چاہتا ہوں کہ آپ کی گفتگو لکھ لیا کروں۔ اس معاملے میں دل (حفظ) کے علاوہ اپنی تحریر سے مدد لینا چاہتا ہوں کیا یہ

درست ہے۔؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر یہ معاملہ میری احادیث کیلئے ہے تو تم اپنے دل (حفظ) کے علاوہ تحریر سے بھی مدد لے سکتے ہو۔"

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا:

"یارسول اللہ! ہم آپ سے بعض چیزیں سنتے ہیں۔کیا ہم انہیں لکھ لیا کریں۔؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لکھ لیا کرو! کوئی حرج نہیں۔"

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد بیٹھے حدیث سنتے اور لکھتے تھے۔"

مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے احادیث نبوی کے صحائف بھی تحریر فرمائے۔ چند ایک صحائف مندرجہ ذیل ہیں:

1: صحیفہ صادقہ۔ 2: صحیفہ صحیحہ۔ 3: صحیفہ علی۔ 4: صحیفہ جابر۔

صحیفہ صادقہ عہد نبوی کا احادیث کا سب سے بڑا مجموعہ ہے۔اس صحیفے کو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے مرتب کیا۔آپ کو تصنیف وتالیف کا بڑا ذوق وشوق تھا۔آپ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے اسے ضبط تحریر فرما لیتے تھے۔سارا کام آپ خود سے نہیں بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء سے کرتے تھے۔آپ کا یہ مجموعہ قریباً ایک ہزار احادیث پر مشتمل ہے۔ایک عرصہ تک یہ صحیفہ آپ کے خاندان کے پاس محفوظ تھا۔اب یہ احادیث مسند احمد میں موجود ہیں۔

صحیفہ صحیحہ کو حضرت ہمام بن منبہ نے مرتب کیا تھا جن کی وفات 101 ہجری میں ہوئی۔آپ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے خاص شاگرد تھے۔آپ نے حضرت ابو ہریرہ کی روایات کو قلم بند کیا تھا۔اس کی اکثر روایات بخاری ومسلم میں بھی ملتی ہیں۔اس صحیفے کے قلمی نسخے آج بھی دمشق کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔اس میں تقریباً 138 احادیث موجود ہیں۔

صحیفہ علی کافی ضخیم تھا۔اس میں زکوٰۃ، حرمت مدینہ، خطبہ حجۃ الوداع اور اسلامی دستور کے نکات درج تھے۔

حضرت جابر کے تلامذہ نے آپ کی روایات کو تحریری طور پر مرتب کر لیا تھا۔اس مجموعے میں مناسک حج اور خطبہ حجۃ الوداع کی تفصیل موجود ہے۔

اسلامی اصطلاح میں صحابہ سے مراد ہے:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقائے کار یعنی وہ بزرگ ہستیاں جنہوں نے حالت ایمان میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا شرف حاصل کیا اور اسلام کی حالت میں وفات پائی۔"

قرآن مجید کے احکامات کے اولین مخاطب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بلاواسطہ شاگرد تھے۔صحابہ کرام نے براہ راست تعلیمات نبوت کو اخذ کیا۔اس لئے جو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کی زبان مبارک سے سنتے تھے اسے اپنے سینوں میں محفوظ کر لیتے تھے اور ہو بہو آپ کے اعمال کی نقل فرماتے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میری امت میں میرے صحابہ کا مرتبہ وہی ہے جو کھانے میں نمک کا ہوتا ہے اور کوئی کھانا نمک کے بغیر اچھا نہیں ہوسکتا۔"

ایک موقع پر فرمایا:

"میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، ان میں سے جس کی اقتداء کرو گے راہ ہدایت پاؤ گے۔"

صحابہ کرام ہی کی جماعت وہ مقدس جماعت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو تمام دنیا تک پہنچانے کیلئے پیغمبر الٰہی صلی اللہ علیہ وسلم اور دنیا والوں کے درمیان واسطہ بنی۔

صحابہ کرام ہی قرآن اور حدیث کی حفاظت کرنیوالے ہیں۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد احادیث نبوی کو دوسروں تک پہنچانے کو اپنا فرض منصبی تصور کر لیا۔ بعض صحابہ نے احادیث جمع کرنا شروع کر دیں اور اس سلسلے میں انہوں نے دور دراز کے علاقوں کی طرف سفر کرنے سے بھی دریغ نہ کیا۔ صحابہ کرام ایسی مبارک ہستیاں تھیں کہ جن کے سامنے نزول قرآن ہوا تھا اور احادیث کو بلاواسطہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ لہٰذا علم وفضل میں ان کا جو مقام ومرتبہ ہے دنیا میں کسی ہستی کو نصیب نہیں ہوا۔

بعض صحابہ کو فقہ پر عبور حاصل تھا وہ فقیہ کہلائے۔ کچھ صحابہ حدیث میں ماہر تھے تو وہ محدث کہلائے اور بعض کو قاری کا لقب ملا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت ہے جس نے حفاظت حدیث میں بڑا اہم کردار ادا کیا اور احادیث نبوی دوسروں تک منتقل فرمائیں۔ چند صحابہ کرام اور تعداد روایات مندرجہ ذیل ہیں:

1:	حضرت ابوہریرہ	وفات 59ہجری	تعداد روایات:5374
2:	حضرت عبداللہ بن عباس	وفات 68ہجری	تعداد روایات:660
3:	حضرت عائشہ صدیقہ	وفات 58ہجری	تعداد روایات:2210
4:	حضرت عبداللہ بن عمر	وفات 74ہجری	تعداد روایات:1630
5:	حضرت جابر بن عبداللہ	وفات 78ہجری	تعداد روایات:1560
6:	حضرت انس بن مالک	وفات 93ہجری	تعداد روایات:1286
7:	حضرت ابوسعید خدری	وفات 74ہجری	تعداد روایات:1170

حضرت ابوبکر صدیق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہائی قریبی ساتھی اور دوست تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جتنی قربت اور محبت آپ کو نصیب ہوئی کسی اور کے حصے میں نہ آئی۔ جو کیفیات آپ کو نصیب ہوئیں اور برکات نبوت اور تعلیمات نبوت سے جس قدر آپ نے استفادہ کیا کوئی دوسرا نہ کرسکا۔

حضرت ابوبکر صدیق قرآن مجید کے بعد حدیث نبوی کو دوسرا ماخذ قانون تسلیم کرتے تھے۔ چنانچہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''میرے باپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ سو حدیثیں جمع کیں۔ پھر ایک رات بڑی بے چینی سے کروٹیں بدلنے لگے۔ اس سے مجھے بہت رنج ہوا۔ میں نے کہا: آپ مرض کی وجہ سے کرتے ہیں یا کوئی اور بات ہے؟ جب صبح ہوئی تو مجھ سے کہا: بیٹی! تمہارے پاس جو حدیث کی کتاب ہے وہ لے آؤ۔ چنانچہ میں وہ لے کر آئی تو آپ نے آگ منگا کر اسے جلا دیا۔ میں نے کہا: آپ نے اسے کیوں جلایا۔؟ فرمایا: مجھے یہ اندیشہ ہے کہ میں مر جاؤں اور یہ کتاب چھوڑ جاؤں۔ شاید اس میں کسی ایسے شخص کی بھی حدیث ہو جو میرے نزدیک تو معتبر ہو اور وہ حقیقت میں معتبر نہ ہو اور میں نے اسے نقل تو کر دیا اور وہ صحیح نہ ہو اور اللہ بہتر جانتا ہے۔''

حضرت ابوبکر صدیق کا خطبہ خلافت پڑھا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر محبت تھی اور آپ اطاعت نبوی پر کس طرح ثابت قدم تھے۔ جب آپ خلیفہ منتخب ہوئے تو آپ نے لوگوں کو ایک خطبہ دیا اور فرمایا:

''میری اطاعت کرو! جب تک میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا رہوں، لیکن اگر میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت چھوڑ دوں (نافرمانی کروں) تو میری کوئی اطاعت تم پر فرض نہیں۔''

اسی طرح منکرین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کر کے بھی حفاظت حدیث کا حق ادا کر دیا۔

حضرت ابوبکر صدیق نے متعدد احادیث روایت کی ہیں جن کے وہ اکیلے راوی ہیں۔ آپ کے سامنے جب کوئی حدیث آتی تو اطمینان قلب کی خاطر شہادت قبول کرتے تھے۔

روایت حدیث کے سلسلے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے محدثین کیلئے تحقیق و ثبت کا طریقہ جاری کیا۔ اگر کبھی آپ کو صحت حدیث میں اندیشہ ہوتا تو جب تک آپ کو اطمینان نہ ہو جاتا اس وقت تک آپ اس حدیث کو قبول کرنے میں توقف فرماتے۔ حضرت عمر فاروق اس ڈر اور خوف سے کہ کہیں کوئی صحابی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب کوئی غلط بات نہ منسوب کر دے، اس لئے آپ صحابہ کرام اس سے فرماتے تھے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کم سے کم احادیث بیان کریں۔ دوسرا یہ ڈر بھی تھا کہ کہیں لوگ ہمہ تن احادیث کی طرف مائل ہو کر حفظ قرآن سے توجہ نہ ہٹالیں۔

ایک دفعہ ابوموسیٰ اشعری نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دروازے پر تین بار سلام کہا اور جواب نہ پا کر واپس چلے گئے۔ حضرت عمر فاروق نے آدمی بھیج کر بلایا اور پوچھا:

''تم واپس کیوں چلے گئے؟''

وہ بولے:

''میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جب کوئی تم میں سے تین دفعہ سلام کہے اور جواب نہ پائے تو واپس چلا جائے۔''

حضرت عمر نے فرمایا:

''اس کا کوئی ثبوت پیش کرو! ورنہ خیر نہیں۔!''

ابوموسیٰ گھبرائے صحابہ کے پاس آئے۔ صحابہ نے پوچھا:

''کیا بات ہے آپ کا رنگ کیوں اڑا ہوا ہے۔؟''

انہوں نے ماجرا سنایا اور بولے:

''تم میں سے کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے؟''

صحابہ نے کہا:

''ہاں! ہم سب نے یہ حدیث سنی ہے۔''

پھر ان کے ساتھ ایک صحابی گئے جنہوں نے حضرت عمر کے پاس شہادت دی کہ ابوموسیٰ ٹھیک کہتے ہیں، واقعی ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد 1-2، صفحہ 30)

اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حدیث قبول کرنے میں حضرت عمر کس قدر محتاط رہتے تھے اور آپ کا مقصد صرف یہ تھا کہ ایسے لاپرواہی سے کوئی بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہ کی جائے۔

حضرت عمر فاروق بھی سنت رسول کو قانون کا ماخذ تسلیم کرتے تھے۔ انہوں نے اپنی خلافت کے زمانے میں قاضی شریح کو ایک خط میں ہدایت فرمائی تھی:

''اگر تم کوئی حکم قرآن مجید میں پاؤ تو اس کے مطابق فیصلے کرو اور اس کی موجودگی میں کسی اور چیز کی جانب توجہ نہ کرنا اور اگر کوئی ایسا معاملہ پیش آجائے جس کا حکم اللہ کی کتاب یعنی قرآن مجید میں نہ ہو تو جو حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں ملے اس پر عمل کرو۔''

روایت حدیث میں حددرجہ محتاط رہنے کے باوجود حضرت عمر نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کافی تعداد میں احادیث روایت کی ہیں، جن کی تعداد پانچ سو سے زیادہ ہے۔

ابونعیم اصفہانی کا قول ہے:

''علاوہ ان حدیثوں کے جن میں حضرت عمر بحیثیت روای کے شریک ہیں سو سے اوپر حدیثیں ایسی ہیں جن کے الفاظ اور متون آپ ہی کے توسط سے ہم تک پہنچے ہیں۔ بخاری اور مسلم دونوں میں مجموعی طور پر آپ سے اکیاسی احادیث مروی ہیں۔ ان احادیث میں چونتیس بخاری کی اور اکیس مسلم کی امتیازی خصوصیت ہیں اور چھبیس متفق ہیں، یعنی دونوں کتابوں میں مشترک ہیں۔''

حضرت عثمان ذوالنورین تیسرے خلیفۃ المومنین تھے۔ آپ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا داماد ہونے کا بھی شرف حاصل ہے، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں آپ کے عقد میں یکے بعد دیگرے تھیں۔

اسی وجہ سے آپ کو ذوالنورین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ شرافت اور تقویٰ کے لحاظ سے ممتاز صحابہ میں سے تھے۔ روایت حدیث کے سلسلے میں آپ نے بہت زیادہ احتیاط برتی ہے۔ آپ حدیث نبوی کو قرآن کے بعد دوسر درجہ دیتے تھے اور حدیث کو ماخذ قانون تسلیم کرتے تھے۔ حضرت عثمان غنی قرآن مجید پر عمل کرنے والے اور سنت رسول کی پیروی کرنے والے تھے۔

احادیث کے سلسلے میں حضرت عثمان غنی نے دیگر صحابہ کرام کی نسبت مرفوع احادیث بہت کم روایت کی ہیں۔

آپ کی کل روایتوں کی تعداد 146 (ایک سو چھیالیس) ہے۔ جن میں تین متفق علیہ ہیں، یعنی بخاری و مسلم دونوں میں موجود ہیں، آٹھ صرف بخاری اور پانچ صرف مسلم میں ہیں۔ اس طرح صحیحین میں آپ کی کل 16 حدیثیں ہیں۔''

حضرت عثمان غنی نے ایک مرتبہ لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''حمد وثنا اس ذات کے لیے ہے جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا پیغمبر اور رسول بنا کر بھیجا اور اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے قریبی اور دور کے عزیزوں کے مقابلے میں فتح ونصرت سے نوازا۔ اللہ نے ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تابع اور پیرو بنایا۔ ہم ان کے احکام کے ذریعے ہدایت حاصل کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے نور ہیں اور باہمی اختلافات اور دشمنوں سے جھگڑا ہونے کی صورت میں ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں۔''

اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت عثمان غنی دین میں حدیث نبوی کو حجت تسلیم کرتے تھے اور دینی معاملات میں قرآن وحدیث کے مطابق فیصلہ فرماتے تھے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بالغ ہونے سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے۔ آپ نے بچوں میں سب سے پہلے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو تسلیم کیا۔

حضرت علی المرتضیٰ نے بچپن سے لے کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک اپنے تمام ایام زندگی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اور خدمت اقدس میں گزارے۔ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات عالیہ کے سب سے بڑے عالم تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تقریباً تیس سال تک آپ ارشادات اور افادات کی مسند پر جلوہ گر رہے ہیں۔ خلفائے ثلاثہ کے زمانے میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔

تمام خلفاء کی نسبت آپ کو روایت حدیث کا زمانہ سب سے زیادہ ملا، مگر روایت حدیث کے سلسلے میں آپ بھی بڑی احتیاط برتتے تھے۔ چنانچہ آپ سے کل 586 حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے بیس حدیثوں پر بخاری و مسلم دونوں کا اتفاق ہے اور نو حدیثیں صرف بخاری میں ہیں، مسلم میں نہیں ہیں اور دس حدیثیں مسلم میں ہیں، بخاری میں نہیں ہیں۔ غرض صحیحین میں آپ کی کل انتالیس حدیثیں ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو احادیث نبوی سے بڑی واقفیت تھی۔ آپ نے حدیثیں لکھوائی بھی تھی۔ ایک

دن آپ نے مسجد کوفہ میں کہا:

''کون ہے جو میرا علم ایک درہم میں حاصل کرنا چاہتا ہے۔؟ الحارث الاعود دوڑ کر بازار گیا اور ایک درہم کا کاغذ خرید لایا اور اس نے بہت سی چیزیں (علماً کثیراً) لکھیں۔''

حضرت علی حدیث بیان کرنے میں خود بھی بڑے محتاط تھے اور دیگر صحابہ کو اس سلسلے میں احتیاط برتنے کا کہتے تھے۔ ابوالطفیل کہتے ہیں کہ حضرت علی نے فرمایا:

''لوگوں سے وہی احادیث بیان کرو جو وہ جانتے ہیں اور ان احادیث کو ان کے سامنے بیان کرنا چھوڑ دو جن کو وہ نہیں جانتے۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی جائے۔؟''

یہ کہہ کر حضرت علی نے منکر احادیث بیان کرنے سے منع فرمایا اور مشہور اور صحیح احادیث بیان کرنے کی ترغیب دی ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ، جلد 1-2، صفحہ 35)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حفاظت حدیث کے دو طریقے تھے:

1: حافظہ۔ 2: کتابت۔

عرب کے لوگوں کا حافظہ بہت تیز تھا اور اکثر و بیشتر حافظہ سے کام لیا جاتا تھا۔ کتابت کا رواج بہت کم تھا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت کا رواج عام کر دیا تھا۔ احادیث نبوی اکثر حفظ کر لی جاتی تھیں۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث کو لکھنے کی ممانعت فرمادی تھی۔ ایسے ہی بعض واقعات میں ملتا ہے کہ خلفائے راشدین میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق پہلے احادیث کے مجموعے مرتب کرانے کا ارادہ کیا۔ بعدازاں ارادہ بدل دیا یا تیار شدہ مجموعے ضائع کر دیے۔

یہ جاننا انتہائی ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس زمانے میں کتابت حدیث سے منع فرمایا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت حدیث کی ممانعت کیوں فرمائی؟ اور کن لوگوں کیلئے ممانعت فرمائی۔؟

حدیث مبارکہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لا تکتبوا عنی الا القرآن فمن کتب عنی شیئاً فلیمحه))

''مجھ سے قرآن کے سوا کچھ نہ لکھو۔ جس نے مجھ سے قرآن کے سوا کچھ لکھا اسے مٹا دے۔''

مندرجہ ذیل چند وجوہات ہیں جن کی بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت حدیث کی ممانعت فرمائی:

1: اس وقت پڑھے لکھے لوگ بہت کم تھے۔

2: قرآن اور حدیث میں فرق کرنے کے لیے۔

3: سامان کتابت کے نہ ہونے کی وجہ سے۔

4: مثالی قوت حافظہ کی وجہ سے۔

5: ممانعت بس کاتبین وحی کے لیے تھی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے بالکل شروع کے زمانے میں احادیث لکھنے کی ممانعت فرمائی۔ اس وقت ماحول بھی ایسا تھا کہ اسلام کے شروع میں مکہ مکرمہ میں لکھنے والوں کی تعداد بہت کم تھی۔ جیسا کہ بلاذری نے لکھا ہے:

"جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو اس وقت مکہ و مدینہ منورہ میں بارہ تیرہ آدمیوں کے سوا کوئی لکھنا نہیں جانتا تھا۔ ان لکھنے والوں میں جن لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا وہ تعداد میں اور بھی تھوڑے تھے۔ سب نے تو اسلام قبول نہیں کیا۔ مثلاً: ابوجہل لکھنا پڑھنا جانتا تھا لیکن اس نے تو اسلام قبول نہیں کیا تھا، ابولہب لکھنا جانتا تھا، عبداللہ بن ابی بھی لکھنا جانتا تھا، لیکن انہوں نے تو اسلام قبول نہیں کیا۔"

اس لئے جن احباب نے اسلام قبول کیا تھا ان کی تعداد اور بھی کم تھی اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے قرآن مجید لکھواتے تھے۔ اس لئے اگر آغاز میں ہی قرآن مجید اور احادیث نبوی دونوں لکھے جاتے تو عین ممکن تھا کہ قرآن اور احادیث کے مضامین آپس میں مل جاتے اور کوئی اس شک میں پڑ جاتا کہ یہ قرآن مجید کی آیت ہے یا حدیث۔ اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے آغاز میں قرآن مجید کے سوا کوئی اور چیز لکھنے سے منع فرمایا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جس نے قرآن مجید کے سوا کچھ لکھا ہے وہ اسے مٹا دے، ختم کر دے۔ بعض صحابہ کرام ایسا کرتے تھے کہ کاغذ پر جو جگہ خالی بچ جاتی تو اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مبارکہ لکھ لیتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا کہ قرآن کے سوا کچھ لکھا ہے تو اسے مٹا دو۔ اس لئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف مٹانے کا حکم دیا تھا اسے ضائع کرنے کیلئے نہیں فرمایا تھا۔ لکھی ہوئی احادیث مٹانے کا حکم اس لیے تھا تاکہ قرآن اور احادیث کا فرق واضح رہے۔

اس زمانے میں سامان کتابت مثلاً: کاغذ، قلم اور سیاہی وغیرہ کا کوئی خاص بندوبست نہیں ہوتا تھا۔ شروع میں تو قرآن مجید کی کتابت چمڑے کے ٹکڑوں، کھجور کے پتوں اور پتھر کے ٹکڑوں پر ہوتی تھی، اس لئے تحریر کے متعلقات ولوازمات کی سہولت نہ ہونے کی وجہ سے دو تحریریں الگ الگ محفوظ نہیں رہ سکتی تھیں، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث لکھنے سے وقتی طور پر منع فرمادیا۔

اہل عرب قوت حافظہ میں بے مثال تھے۔ وہ سینکڑوں اشعار زبانی یاد کر لیتے تھے۔ چنانچہ حافظے پر مکمل بھروسے کی بدولت کوئی چیز تحریر کرنے کی نسبت اسے زبانی یاد کرنے پر ترجیح دیتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ کثرت روایات اور حفظ احادیث میں اپنی مثال آپ تھے۔

قرآن مجید کو حفظ کرنے اور اس کی کتابت کا شوق عام تھا۔

جہاد کا بے پایاں سلسلہ قائم تھا۔

تبلیغ اور جہاد کے حوالے سے ضروری انتظامات درپیش تھے۔

ایسے حالات کی حدیث کی جانب زیادہ توجہ دینا مشکل تھا، مگر اس کے باوجود کتابت حدیث کا سلسلہ قائم تھا۔
احادیث لکھنے کی ممانعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کیلئے فرمائی جو خاص کاتبانِ وحی تھے۔ ان احباب کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ قرآن مجید کے سوا کچھ اور نہ لکھیں، کیونکہ اگر کاتبانِ وحی کچھ اور لکھیں گے تو ان کے بارے میں شک کا امکان زیادہ تھا کہ قرآن کی آیت ہے یا نہیں۔ مثلاً: حضرت زید بن ثابت کاتب وحی تھے۔ اگر ان کے پاس کوئی ایسی چیز ہوتی تو غلطی کا امکان تھا، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کاتبانِ وحی کیلئے ممانعت فرمائی۔
جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے شروع زمانہ میں جب قرآن مجید کا نزول ہو رہا تھا اس وقت صرف اس وجہ سے کتابت حدیث سے روک دیا گیا کہ کہیں قرآن اور حدیث کا اختلاط نہ ہو جائے۔ بعدازاں جب صحابہ کرام کو قرآن مجید اچھی طرح یاد ہو گیا اور جن کی صلاحیت اور قابلیت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مکمل طور پر اطمینان تھا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف خوشی سے حدیث لکھنے کی اجازت فرمائی بلکہ اس کی ترغیب بھی دی۔
سنن ترمذی کی ایک روایت ہے:

"کسی انصاری صحابی نے ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر اپنے حافظے کی کمزوری کی شکایت کی اور کہا کہ ہر روز وعظ وتذکیر میں آپ جو باتیں فرماتے ہیں وہ مجھے اچھی معلوم ہوتی ہیں لیکن وہ مجھے یاد نہیں رہتیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اپنے داہنے ہاتھ سے مدد لو۔ (لکھ لیا کرو)"

فتح مکہ کے موقع پر جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی حقوق اور دیگر اہم مسائل پر خطبہ ارشاد فرمایا تو حاضرین مجلس میں سے ایک یمنی شخص ابوشاہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی:

"یارسول اللہ! مجھے لکھ دیجئے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اکتبوا لابی شاہ)) (صحیح سنن ترمذی جلد 2، باب: فی الرخصۃ: صفحہ 340)

"ابوشاہ کیلئے لکھ دو۔"

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی:

"یارسول اللہ! ہم آپ کی بہت سی باتیں سنتے ہیں، تو کیا ہم انہیں لکھ لیا کریں۔؟"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اکتبوا ولا حرج)) (تدریب الراوی)

"لکھ لیا کرو! کوئی حرج نہیں۔"

یہ صحابہ کرام کا علمی ذوق اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب اور حوصلہ افزائی کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام کے حوصلے مزید بلند اور پختہ ہو گئے اور صحابہ کرام کی ایک جماعت احادیث نبوی جیسے ہی سنتے تھے بروقت تحریر کر لیا کرتے تھے۔

عہد رسالت میں احادیث لکھی جاتی تھیں، ان کا ثبوت درج ذیل نکات ہیں:

1: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے حدیثیں جمع کر کے اس مجموعہ کا نام ''صادقہ'' رکھا۔ اس میں ایک ہزار حدیثیں تھیں۔

2: حضرت علی نے حدیثیں لکھی تھیں۔ ان کا ارشاد ہے کہ ہم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس صحیفہ اور قرآن کے سوا کچھ نہیں لکھا۔

3: حضرت انس نے حدیثیں لکھیں تھیں۔

4: تحریری احکام اور معاہدات حدیبیہ وغیرہ اور فرامین جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبائل کو بھیجے تھے۔

5: خطوط جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سلاطین وامراء کے نام ارسال فرمائے تھے۔

6: فہرست اصحاب جن میں پندرہ سولہ صحابہ کے نام تھے۔

7: فتح مکہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا تھا اور اسے تحریر فرمانے کا بھی حکم دیا تھا۔

8: کتاب الصدقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر بن حزم صحابی والئی بحرین کو لکھائی تھی۔ یہ دو صحیفے تھے۔ اس میں زکوٰۃ کے احکام تھے۔

9: محصلین زکوٰۃ کے پاس کتاب الصدقہ کے علاوہ اور بھی تحریرات تھیں۔

10: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم کو جب حاکم یمن مقرر کیا تو ایک تحریر لکھ دی جس میں فرائض، صدقات، دیات، طلاق، عتاق اور صلوٰۃ وغیرہ کے احکام تھے۔

11: عبداللہ بن حکیم صحابی کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک نامہ تھا جس میں مردہ جانوروں کے متعلق احکام تھے۔

12: وائل بن حجر صحابی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز، روزہ، سود اور شراب وغیرہ کے احکام تحریر فرما کر دیئے تھے۔

13: ضحاک بن سفیان صحابی کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریر کروائی ہوئی ایک ہدایت تھی۔

14: حضرت معاذ بن جبل کو ایک تحریر یمن بھیجی گئی جس میں سبزیوں اور ترکاریوں پر عشر ہونے کا حکم تھا۔

15: مدینہ بھی مثل مکہ کے حرم ہے۔ اس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریر رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کے پاس تھی۔

16: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مجموعہ لکھا تھا جو ان کے بیٹے کے پاس تھا۔

17: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس دفتر حدیث لکھا ہوا تھا۔

18: حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے ایک مجموعہ مرتب کیا تھا۔

19: حضرت سعد بن ربیع بن عمرو بن ابی زبیر انصاری نے حدیثیں جمع کی تھیں۔

20: حضرت سمرہ بن جندب نے ایک نسخہ حدیث مرتب کیا تھا۔

21: حضرت عبداللہ بن ربعیہ بن مرثد اسلمی نے حدیثیں جمع کی تھیں۔

22: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حدیثیں لکھی تھیں۔

(تاریخ الحدیث، ازعبدالصمد صارم الازہری، صفحہ 34-33)

یہ سب حوالہ جات اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو تحریر کیا کرتے تھے۔

اگرچہ انکار حدیث کا فتنہ صدیوں پرانا ہے مگر پچھلے دور میں حدیث کا انکار کرنے والوں اور موجودہ دور میں حدیث کا انکار کرنے والوں میں ایک فرق ہے۔ وہ یہ کہ پرانے زمانے کے منکرین حدیث انکار حدیث ضرور کرتے تھے مگر وہ مذاق نہیں اڑاتے تھے۔ ان کا لب ولہجہ تمسخرانہ نہیں تھا۔ ان میں حدیث نبوی کا مذاق اور تمسخر اڑانے کی ہمت نہیں تھی۔

آج سے تقریباً چودہ سو پچاس سال قبل ابوجہل کہتا تھا:

”اے محمد! میں آپ کو جھوٹا نہیں کہتا مگر آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔“

اس کے برعکس موجودہ زمانے کے منکرین حدیث نہ صرف احادیث نبوی کا انکار کرتے ہیں بلکہ صحابہ کرام اور محدثین ومفسرین کرام کی وہ بزرگ ہستیاں جن کی بدولت احادیث نبوی کا انمول خزانہ ہم تک پہنچا ان کا مذاق اڑاتے تھے۔ ایسے لوگوں کو چاہیے کہ وہ توبہ کریں اور عذاب الٰہی سے ڈریں۔

اگر منکرین حدیث حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات عالیہ کے مفہوم اور اسرار و رموز کو سمجھ نہیں سکتے تو انہیں اس چیز کا برملا اظہار کرنا چاہیے اور چاہیے کہ وہ اہل فہم وادراک سے رابطہ کریں، مگر شاید وہ اس طرح اظہار کرنے کو عار خیال کرتے ہیں۔

انکار حدیث کرنے والوں کی اس کمزوری کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آج سے تقریباً چودہ سو سال پہلے ہی بھانپ لیا تھا۔

حضرت عمر فاروق فرمایا کرتے تھے:

”عقل کی اتباع کرنے والے حدیث کے دشمن ہوا کرتے ہیں۔ حدیثیں یاد کرنے کی انہیں توفیق نہیں ہوتی اور جب ان سے سوال کیا جاتا ہے تو کہتے ہوئے شرماتے ہیں کہ ہمیں علم نہیں۔ لہٰذا اپنی رائے سے جواب دیتے ہیں اور احادیث کا عقل سے مقابلہ کرنے لگتے ہیں۔ تم ایسے لوگوں سے بچتے رہنا۔“

ساری امت کا اس پر اجماع ہے کہ قرآن مجید مسلمانوں کیلئے اساسی (پہلا اور بنیادی) قانون ہے اور حضور

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت / حدیث ہدایت اور راہنمائی کا دوسرا بڑا ماٰخذ ہے۔زندگی کے تمام معاملات میں قرآن مجید کے ساتھ ساتھ حدیث بھی مکمل راہنمائی فراہم کرتی ہے۔مگر بعض لوگوں نے حدیث کے بارے میں شک وشبہ کا راستہ اختیار کیا۔حافظ ابن حزم فرماتے ہیں:

''اہل سنت،خوارج اور شیعہ تمام کے تمام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان احادیث کو جو ثقہ راویوں سے منقول ہوں،برابر قابلِ حجت سمجھتے ہیں۔پہلی صدی کے بعض متکلمین معتزلہ نے اس اجماع سے اختلاف کیا۔اس طرح انکار حدیث شروع ہوا۔''

جن لوگوں کی نظر ملل ونحل اور علم کلام وعقائد اور تاریخ پر ہے وہ آسانی سے اس بات کو مان لیں گے کہ اسلام میں جتنے بدعتی فرقے پیدا ہوئے وہ وہی ہیں جنہوں نے کتاب کو سنت سے یا سنت کو کتاب سے الگ کرنا چاہا۔ خوارج نے کتاب کو مانا اور سنت سے انحراف کیا اور ان کے مقابل کے فرقہ نے کتاب کو محرف بنا کر چھوڑا اور صرف اپنے ائمہ کی سنت کی پیروی کا دعویٰ کیا،اس طرح معتزلہ نے قرآن کو بتاویل تسلیم کیا اور احادیث سے اعراض کیا اور راہ راست سے دور ہوئے۔جو کچھ پہلے ہوا وہ آج بھی ہو رہا ہے۔

چونکہ ان کے خود ساختہ عقل کے معیار پر جو چیز پوری نہیں اتری،اگر چہ وہ قرآن پاک کی کوئی آیت ہی کیوں نہ ہو،وہ اس کی دور دراز کی تاویل کریں گے اور اگر حدیث ہے تو اس سے انکار کر کے اپنے زعم میں اسلام کے چہرہ سے خلاف عقل ہونے کا داغ مٹانا چاہتے ہیں۔نتیجہ یہ ہے کہ داغ سمجھ سمجھ کر اللہ جانے یہ اسلام کی صحیح تصویر کے کتنے اجزا کو مٹا چکے ہیں۔

قرآن پاک کے فہم کے نئے دعویدار اس زمانے میں اور بھی پیدا ہو گئے ہیں جو قرآن پاک کو ہر ضرورت اور ہر حکم اور ہر مسئلہ کیلئے کافی اور اپنی عقل اور فہم کو اس کی تفسیر اور تشریح کے لیے کافی تر سمجھتے ہیں اور اس طرح وہ چاہتے ہیں کہ احادیث اور فقہ کا سارا دفتر مٹ جائے اور ان کی جگہ ان کے ''اجتہادات'' اور ''استنباطات'' قرآن پاک کا حقیقی ایڈیشن اور اسلام کی صحیح تعلیمات کا مخزن قرار پائے۔

ان بدعتوں اور گمراہوں نے تو مستشرقین یورپ کے سفیہانہ اعتراضات کو جو انہوں نے فن حدیث پر کئے ہیں،اپنا کر سرے سے اس فن کی بیخ کنی شروع کر دی۔

منکرین حدیث انکار حدیث کے بارے میں مندرجہ ذیل چار دلائل پیش کرتے ہیں:

منکرین حدیث کہتے ہیں:

قرآن مجید مکمل اور کامل کتاب ہے۔اس کتاب میں ہر قسم کے مسائل اور احکام بیان کر دیئے گئے ہیں جن کی تفصیل اور تشریح کیلئے اکیلی یہی کتاب کافی ہے مزید مدد کی ضرورت نہیں ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

((مافرطنا فی الکتب من شیء))(سورۃ الانعام، آیت نمبر 38)

''ہم نے کتاب میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔''

مزید ارشاد فرمایا:

((و نزلنا علیك الکتب تبیاناً لکل شیء))(سورۃ النحل آیت 89)

''اور ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمائی جو ہر چیز کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتی ہے۔''

مندرجہ بالا آیات اس بات کی دلیل ہیں کہ قرآن مجید ہر قسم کے معاملات واحکامات کی جامع کتاب ہے۔ اس میں اس قدر تشریح اور تفسیر بیان کر دی گئی ہے اور مزید تفصیل کیلئے حدیث نبوی اور سنت رسول اللہ کی ہرگز ضرورت باقی نہیں رہتی۔

منکرین حدیث کہتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

((انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحفظون))(سورۃ الحجر، آیت نمبر 9)

''ہم نے ہی قرآن کو نازل فرمایا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف قرآن مجید کی حفاظت کی ذمہ داری قبول فرمائی ہے۔ حدیث کی حفاظت اپنے ذمے نہیں لی۔ اگر حدیث بھی دین میں حجت ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کی ذمہ داری بھی اپنے ذمے لیتا۔

منکرین حدیث انکار حدیث کے سلسلے میں تیسری دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ اگر حدیث دین اسلام میں حجت ہوتی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو کتابت حدیث کی تاکید فرماتے۔ نیز صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حدیث کی جمع وتدوین میں لگ جاتے تاکہ حدیث نبوی سے محفوظ رہے۔ اس سلسلے میں منکرین حدیث قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات کا سہارا لیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

((ولا تقف مالیس لك به علم))(سورۃ بنی اسرائیل، آیت 36)

''جس بات کی تجھے خبر ہی نہ ہو اس کے پیچھے مت پڑو۔''

سورۃ الانعام میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

((ان تتبعون الا الظن))(سورۃ الانعام، آیت 148)

''تم لوگ محض خیالی باتوں پر چلتے ہو۔''

حدیث صرف اسی صورت میں قطعی ثابت ہو سکتی جب اسے بھی بالکل اسی طرح تحریر میں لایا جاتا ہے جس طرح قرآن مجید کو تحریر کیا گیا۔ مگر برخلاف اس کے بعض روایات میں تو آتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث کی کتابت سے صحابہ کرام کو روک دیا تھا۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کا بیان ہے:

''میرے والد حضرت ابوبکر صدیق کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ سو احادیث کتابی

صورت میں جمع تھیں۔ ایک رات وہ بستر پر پریشانی کے ساتھ کروٹیں بدلنے لگے۔ میں نے گھبرا کر پوچھا: ابا جان! آپ بیماری کی وجہ سے کروٹیں بدل رہے ہیں یا آپ کو کسی ناخوشگوار خبر نے پریشان کر دیا ہے؟ اس وقت تو خاموش ہو رہے۔ صبح ہوتے ہی مجھ سے کہنے لگے: بیٹی! احادیث کا جو مجموعہ تمہارے سپرد کیا تھا وہ لے آؤ! چنانچہ میں نے وہ حاضر کر دیا۔ آپ نے آگ منگائی اور وہ مجموعہ جلا کر راکھ کر دیا۔ میں نے پوچھا: ابا جان! آپ نے اس کو کیوں جلایا ہے؟ فرمایا: مجھے خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں میں مر جاؤں اور یہ میرے گھر میں پڑھی رہے۔ ممکن ہے ان میں ایسی احادیث ہوں جو میں نے کسی آدمی سے اُسے ثقہ اور قابل اعتماد جان کر لی ہوں اور اس نے صحیح بیان نہ کی ہوں۔ اس طرح نقل کرنے کی ذمہ داری مجھ پر آ پڑے۔" (تذکرۃ الحفاظ)

حضرت عمر فاروق نے ایک مرتبہ احادیث لکھنے کا ارادہ فرمایا مگر پھر آپ نے ارادہ ترک فرما دیا اور فرمایا:

"میں نے حدیثیں لکھنے کا ارادہ کیا تھا پھر مجھے تم سے پہلی قومیں یاد آ گئیں۔ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے کچھ کتابیں مرتب کیں اور پھر ان پر اس طرح پل پڑے کہ اللہ کی کتاب کو گلدستہ طاق نسیان بنا دیا۔ بخدا! میں اللہ کی کتاب کو ہرگز کسی دوسری چیز کے ساتھ مخلوط نہیں ہونے دوں گا۔"

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے اقوال منقول ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ حدیث نبوی دین میں حجت نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب تمہیں کوئی حدیث سنائی جائے جو تمہاری جانی پہچانی ہو تو اس کی تصدیق کیجئے اور جب تمہیں ایسی حدیث سنائی جائے جسے تم نہ پہچانتے ہو تو اس کی تصدیق مت کیجئے۔ اس لئے کہ میں وہی بات کہتا ہوں جو تمہاری جانی پہچانی ہو اور تمہارے لیے انوکھی یا نرالی نہ ہو۔"

اس میں کچھ شک نہیں کہ قرآن مجید اصول دین اور قواعد و احکامات کی جامع کتاب ہے۔ قرآن مجید میں بعض احکامات بصراحت بیان کئے گئے اور بعض احکامات کی تفصیل اور تشریح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم احکامات دین کی تشریح و توضیح کیلئے مبعوث ہوئے اور تمام بنی نوع انسان کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور اطاعت کو ضروری اور لازمی قرار دے دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جن احکامات کی وضاحت فرماتے ہیں وہ دراصل قرآن ہی کی وضاحت ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(الر کتب انزلنه الیك لتخرج الناس من الظلمت الی النور باذن ربهم الی صراط العزیز الحمید)) (سورۃ ابراهیم: آیت 1)

"الر، یہ عالی شان کتاب ہم نے آپ کی طرف اتاری ہے کہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے اجالے کی طرف لائیں ان کے پروردگار کے حکم سے، زبردست اور تعریفوں والے اللہ کی طرف۔"

اس سے آگے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

((وانزلنا الیك الذکر لتبین للناس مانزل الیھم ولعلھم یتفکرون))
(سورۃ النحل، آیت نمبر 44)

"اور یہ کتاب ہم نے آپ کی طرف اتاری ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا ہے آپ اسے کھول کھول کر بیان کر دیں، تاکہ وہ غوروفکر کریں۔"

مذکورہ بالا آیات مبارکہ میں بڑی وسعت کے ساتھ بیان کر دیا ہے کہ بہت سارے احکامات ایسے ہیں جن کی تفصیل قرآن مجید میں نہیں ملتی، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احکامات کی تشریح فرمائی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اولین مفسر قرآن ہیں۔ جو تفسیر اور تشریح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادی وہی برحق ہے۔ چند ایک مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

1: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کو مسلمانوں پر فرض کر دیا۔ اسی طرح فواحش ومنکرات کو بھی حرام ٹھہرایا۔ زنا اور شراب کی حرمت بیان فرمادی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام احکامات کی تفصیل کے ساتھ وضاحت فرمائی۔

2: بعض فرائض کی کیفیت اور نوعیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی، مثلاً: نمازوں کی رکعات کتنی ہیں، مصارف زکوٰۃ کیا ہیں وغیرہ۔

3: قرآن مجید نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو فرض قرار دے دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہی دراصل اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کا جو وعدہ اپنے ذمے لیا ہے وہ صرف قرآن تک ہی محدود نہیں، بلکہ اس سے مراد مکمل شریعت اسلامی ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے۔ اس پر قرآن اور حدیث دونوں شامل ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ رب العزت فرماتا ہے:

((فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون))(سورۃ النحل، آیت نمبر 43)

"پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرلو۔"

یہاں "اہل الذکر" سے مراد دین اسلام اور شریعت اسلام کے جاننے والے ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اللہ نے جس طرح قرآن کی حفاظت فرمائی اسی طرح حدیث نبوی کو بھی محفوظ رکھا۔

یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ قرآن مجید بتدریج نازل ہوا۔ قرآن مجید کی آیات اور سورتوں کی موجودہ ترتیب وہ نہیں جو نزول قرآن کے وقت تھی۔ قرآن کی موجودہ ترتیب بعد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے قائم کی گئی۔ کیسے پتہ چلا کہ جو وحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی تھی آپ اسے کاتبین وحی کے ذریعے لکھواتے تھے؟ کیسے معلوم ہوا کہ کون لوگ کاتبان وحی تھے؟ یہ کس طرح پتہ چلا کہ آغاز میں قرآن مجید پتھر کے ٹکڑوں، درختوں کے پتوں اور جانوروں کی ہڈیوں وغیرہ پر لکھا جاتا تھا۔؟ ان سب باتوں کا کس طرح پتہ چلا؟ اگر یہ سارا

کچھ احادیث نبوی سے پتہ چلا جن کو غیر محفوظ سمجھا جاتا ہے تو پھر وہ کونسا طریقہ تھا جو حدیث کی نسبت زیادہ محفوظ ہے۔؟

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کتابت حدیث کا حکم نہ دینے یا اسے تحریر کرنے سے روک دینے کا مطلب یہ نہیں کہ حدیث کی دین میں کوئی حجت نہیں۔ اس سے پہلے بھی بیان کیا جاچکا ہے کہ نزول قرآن کے آغاز میں کاتبان وحی کی تعداد بہت کم تھی اور مکمل طور پر قرآن مجید کی کتابت اور تدوین کی طرف توجہ مبذول کرانا مقصد تھا اور پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ان چیزوں کو مٹانے کا حکم دیا تھا جو قرآن کے علاوہ لکھی گئی تھیں تا کہ قرآن اور حدیث کا فرق واضح ہو جائے اور یہ ممانعت صرف وقتی طور پر تھی۔ جب قرآن مجید صحابہ کرام صلی اللہ علیہ وسلم کے سینوں میں اچھی طرح محفوظ ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث کو نہ صرف لکھنے کی اجازت فرمائی بلکہ صحابہ کرام کو باقاعدہ کتابت حدیث کی ترغیب بھی دی۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں:

”احادیث صحیحہ میں کوئی ایسی بات نہیں پائی جاتی جو قرآن کے خلاف ہو۔“

محمد بن عبداللہ ابن میسرہ فرماتے ہیں کہ حدیث کی تین قسمیں ہیں:

1: وہ حدیث جو مندرجات قرآن کے موافق ہو۔ ایسی حدیث سے اخذ واحتجاج فرض ہے۔

2: وہ حدیث جس میں کوئی ایسا حکم یا مضمون بیان کیا گیا ہو جو قرآن میں مذکور نہ ہو۔ اس پر عمل ضروری ہے۔ اس سے قرآن کے مندرجات میں اضافہ کیا جائے گا۔

3: جو حدیث مخالف قرآن ہو، اسے نظر انداز کر دیا جائے گا۔

امام ابن حزم کا قول ہے:

”ایسی کوئی صحیح حدیث موجود نہیں جو مخالف قرآن ہو۔“

حدیث کا انکار کرنے کے مندرجہ ذیل نتائج ہیں:

1: قرآن مجید کی معنوی حفاظت اور اسلام کے امتیازی دستور محافظت کا انکار۔

2: احادیث نبوی کے ذریعے قرآن مجید کی جامعیت اور کاملیت کا جو وسیع مفہوم حاصل ہوتا ہے، اس کا انکار۔

3: قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اتباع کا واضح حکم دیا گیا ہے، اس کی تحریف۔

4: آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریحی کلمات سے محرومی۔

5: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی اطاعت سے اصولی انکار۔

6: آیت مبارکہ کے حکم: ”اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول“ کا تعطل۔

7: اسوۂ رسول جو قرآن مجید کی جامعیت کا مفصل نقشہ ہے، اس کی ذہنی تشکیل۔

8: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مطہرہ میں جو شرعی اور فطری کشش ہے اس سے علیحدگی۔

9: مذہبی آئین وقانون سازی میں عقول عامہ کی دخل اندازی۔

حدیث کا انکار کرنا بظاہر تو آسان نظر آتا ہے، لیکن اس انکار کی وجہ سے جن نتائج اور انجام کا سامنا کرنا ہے ان سے اپنے آپ کو سنبھالنا بہت مشکل ہے۔ منکرین حدیث کو چاہیے کہ وہ قرآن اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بغور اور تفصیل کے ساتھ مطالعہ کریں، بعد میں کوئی فیصلہ کریں۔

اللہ تعالیٰ سب اہل اسلام کو اپنے حفظ وامان مین رکھے۔ آمین

الغرض جو کوئی دین الٰہی کو جانتا ہے اور شرعی احکامات کو پہچانتا ہے وہ نہ تو حجیت حدیث نبوی سے انکار کر سکتا ہے اور نہ یہ کہہ سکتا ہے کہ اسلام صرف قرآن ہی کا نام ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ قرآن مجید کے جو معانی اور مطالب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں وہی برحق ہیں۔ احادیث نبوی پر ایمان اور یقین رکھنا اتنا ہی لازمی اور فرض ہے جتنا قرآن مجید پر ایمان رکھنا ضروری ہے۔

مستشرقین اور حدیث: لغت میں مستشرق کا مطلب ہے:

"وہ فرنگی جو زبانوں اور علوم کا ماہر ہو۔"

مختلف زمانوں کے مستشرقین پیغمبر اسلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اپنے مخالفانہ خیالات کا اظہار کرتے رہے۔ تاہم سولہویں صدی عیسوی سے لے کر موجودہ زمانے تک جن مستشرقین نے اسلام، پیغمبر اسلام، قرآن وحدیث اور دیگر اسلامی علوم وفنون پر مختلف کتابیں لکھیں، ان میں چند مستشرقین کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

1: گیام پوسٹل۔ 2: گوئٹے کارلائل۔
3: کریمر۔ 4: ڈاکٹر اسپرنگر۔
5: سر ولیم میور۔ 6: گولڈزیہر۔
7: ولہازن۔ 8: تولدیکے۔
9: ہیوبرٹ کرائم۔

حدیث کی دینی اہمیت کی وجہ سے اسلام کے دشمنوں نے حدیث کو ہی سب سے زیادہ اپنی سازشوں کا نشانہ بنایا ہے۔ خلافت راشدہ کے آخر میں عبداللہ بن سبا نے بڑی چالاکی اور ہوشیاری کے ساتھ جو 'سبائی فتنہ' پھیلایا تھا وہ بھی حقیقت میں حفاظت حدیث کے خلاف تھا۔ اس فتنے کا مقصد قرآنی ہدایات واحکامات اور پورے دین اسلام کو مسخ کرنا تھا۔ مگر حضرت علی المرتضیٰ اور ان کے مخلص ساتھیوں نے اس فتنے کا مقابلہ کیا، اس فتنے کو ختم کر کے چھوڑا۔

اسلام کے خلاف یورپ مستشرقین نے علمی محاذ پر جو کارروائیاں شروع کیں ان میں سب سے زیادہ حدیث کو ہی تختہ مشق بنایا گیا، کیونکہ شاید ان کا خیال تھا کہ حدیث کے ذریعے ہی دین اسلام کو مسخ اور قرآن مجید کو عملاً معطل کیا جا سکتا ہے۔ اسی وجہ سے کئی ممالک میں منکرین حدیث کا فرقہ پیدا ہو گیا۔ اس فرقے کو فکری مواد مستشرقین ہی فراہم کرتے تھے اور طریقہ کار یہ اپنایا کہ قرآن سے تو تعلق داری کو ظاہر کرتے ہیں تاکہ لوگ انہیں مسلمان خیال

کریں مگر حدیث نبوی شرعی حجت کے منکر رہے اور مسلسل اس کوشش میں رہے کہ لوگوں کو جو اعتماد احادیث نبوی پر ہے اسے ختم کیا جائے تاکہ نماز کی وہ ہیئت باقی نہ رہے جس کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تربیت فرمائی تھی اور امت مسلمہ صدیوں سے اس پر عمل پیرا تھی اور نہ ہی زکوٰۃ کا وہ نظام رہے جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً قائم فرمایا اور منکرین زکوٰۃ کے خلاف حضرت ابوبکر صدیق نے جہاد فرمایا تھا۔ اپنی حمایت اور تائید میں وہ کبھی تو احادیث نبوی پر بہتان لگاتے ہیں کہ یہ احادیث قرآن کے خلاف ہیں اور کبھی محدثین صحاح ستہ پر الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے جھوٹی سچی باتیں اکٹھی کر کے حدیث کے نام سے پوری امت کو دھوکہ دیا۔

جن مستشرقین نے حدیث نبوی کو موضوع بحث بنایا ان میں ڈاکٹر اسپرنگر، سر ولیم میور، گولڈ زیہر اور تولد یکے وغیرہ اہم ہیں۔ حدیث سے متعلق انہوں نے جھوٹ، بہتان اور شکوک وشبہات کی داستانیں اچھالی ہیں۔

مثال کے طور پر سر ولیم لکھتا ہے:

''محمد کی وفات کے بعد ان کی پیروی کرنے والوں کا سب سے اہم مشغلہ جنگ تھا۔ لمبی تھکا دینے والی مہمات، جنگ کی گرانی اور ایک جنگ سے دوسری جنگ، بے کاری کا وقفہ ایک سادہ اور نیم وحشی قوم کیلئے غفلت شعاری کا باعث تھا۔ اس گرانی اور بوجھ کو دور کرنے کا ایک علاج اور ان وقفوں کا شغل، بے تکلف گفتگو یا باقاعدہ بات چیت میں پچھلے واقعات کو یاد کرنا تھا۔ مسلمانوں کیلئے شروع زمانے میں سب سے زیادہ پر جوش چیز ایسے انسان کے اقوال افعال کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا جو اس فاتح قوم کے وجود میں آنے کا سبب بنا اور جس نے ان کے ہاتھ میں دین اور جنت دونوں کی کنجیاں دے دی تھیں۔ اسی طرح محمد کی اتباع کرنے والوں کی گفتگو اکثر انہی کے بارے میں ہوتی تھی۔ یہ ایسا مواد تھا جس سے حدیث نے خوب ترقی حاصل کی۔'' (لائف آف محمد)

حدیث کے متعلق مستشرقین کے خیالات اور نظریات مندرجہ ذیل ہیں:

1: حدیث کے ترقی پانے کا سبب یہ ہے کہ ایسے صحابہ کرام جو جنگوں میں حصہ لیتے تھے تو جنگ میں وقفے کے دوران احادیث روایت کر لیتے تھے اور یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور اس کے بعد لوگ ایسے حادثات اور واقعات کو بڑے شوق کے ساتھ یاد رکھتے تھے۔

2: محدثین (خاص طور پر امام بخاری) بحر تنقید میں کھلی شناوری نہ کرتے تھے۔ روایت کی پابندی تو کرتے تھے مگر درایت کے پابند نہ تھے۔ صرف راویوں کی سچائی کے قاعدے کو لیتے تھے۔ اندرونی شہادت پر تنقید کرنے کی جرأت نہیں کرتے تھے۔ محدثین صرف یہ دیکھتے تھے کہ راویوں کا سلسلہ منقطع نہ ہو۔

3: احادیث کی تخریج محدثین اپنے اپنے طریقے کے مطابق کرتے تھے۔ جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں ایک دوسرے کی تحقیق پر اعتماد کا فقدان تھا۔

4: ہر مصنف ضرورت سے زائد چیز کو چھوڑ کر محض اپنی تصنیف کے ابواب وفصول کے مطابق مواد حاصل کرتا ہے۔

5: امام بخاری چونکہ کسی خاص مذہب کے پروکار نہ تھے اس لئے وہ اپنے خیالات کے مطابق ہی حدیث کو اپناتے تھے۔

مستشرقین کے حدیث کے متعلق خیالات اور نظریات کا تحقیقی جائزہ لینے کیلئے مندرجہ ذیل امور پیش نظر ہیں۔

جو صحابہ کرام جنگ میں مصروف رہتے تھے ان کو اشاعت حدیث کا باعث قرار دینے کا مستشرقین کا جو نظریہ ہے اس کے متعلق حقائق اس طرح ہیں۔

حدیث روایت کرنے والے صحابہ کرام کو چار طبقوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

1: مکثرین۔ 2: متوسطین۔
3: مقلین۔ 4: اقلین۔

مکثرین: مکثرین کا مطلب ہے کثرت سے احادیث روایت کرنے والے صحابہ۔ یہ صحابہ جنگی میدانوں کے مشاہیر میں سے نہ تھے۔ مثلاً: حضرت ابوہریرہ، حضرت عائشہ، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت ابوسعید خذری، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم اجمعین۔ یہ صحابہ کرام درجہ اول کے راوی تھے اور انہوں نے کثرت کے ساتھ احادیث کو روایت کیا۔

متوسطین: متوسطین کا مطلب ہے: "درمیانے" یعنی ایسے صحابہ جن سے نہ بہت زیادہ احادیث روایت ہیں اور نہ بہت کم، بلکہ وہ اوسط درجے کے راوی ہیں۔

حضرت عمر فاروق اور حضرت علی اوسط درجہ کے راویوں میں سے ہیں اور یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کسی جنگ میں شریک نہیں ہوئے۔

مقلین: مقلین سے مراد ایسے صحابہ ہیں جن سے بہت کم احادیث روایت ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عثمان غنی درجہ سوم کے راویوں میں سے ہیں اور انہوں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی جنگ میں شرکت نہیں فرمائی۔

اقلین: اقلین سے مراد وہ صحابہ کرام ہیں جن کی روایات کی تعداد چالیس سے کم ہے۔ حضرت خالد بن ولید، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عمرو بن العاص اقلین میں سے ہیں اور یہ جنگی میدانوں کے مشاہیر تھے۔

ان حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ نظریہ رکھنا کہ جنگجو جنگ سے فراغت کے بعد احادیث روایت کرتے تھے، بالکل غلط ہے، کیونکہ یہ صحابہ تو اقلین درجے کے رواۃ ہیں کہ جن سے چالیس سے بھی کم احادیث روایت ہیں۔ بھلا پھر مستشرقین کا یہ اعتراض کس طرح صحیح ہوسکتا ہے کہ مجاہدین فراغت کے وقت میں وقت گزارنے کے لیے اور تھکان دور کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے واقعات اور احادیث روایت کیا کرتے تھے؟

محدثین کے بارے میں مستشرقین کا یہ نظریہ کہ وہ صرف روایات کا خیال رکھتے تھے۔ درایت کے پابند نہیں

تھے۔

حدیث کی تنقید کے دو طریقے تھے:

1: درایت۔ 2: روایت۔

اصول درایت قطعی اور مقرر شدہ ہیں اور قرآن و حدیث اور تعامل صحابہ میں موجود ہیں اور تمام محدثین نے اپنی کتابوں میں احادیث صحیحہ کیلئے ان کی پابندی کی ہے اور اصول روایت بھی ہر محدث کو مقرر کرنے پڑتے ہیں۔

محدثین کرام نے مختلف اصناف اور طرق پر احادیث جمع کی ہیں۔ بعض محدثین نے کسی خاص مقام اور خاص طبقے کی احادیث جمع فرمائی ہیں۔ مثال کے طور پر حضرت امام مالک نے صرف اہل حجاز کی احادیث جمع فرمائی ہیں، مگر انہوں نے یہ کہیں نہیں لکھا کہ باقی احادیث جھوٹی ہیں۔ حضرت امام بخاری نے ہر مقام اور ہر طرح کی احادیث جمع کی ہیں۔

محدثین ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے اور ان کا تعلق رواداری پر مبنی تھا۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کی عزت و تکریم کرتے تھے۔ مثلاً: امام مسلم امام بخاری کے دفاع و حمایت میں پیش پیش تھے۔ جب ایک روز مسلم کے استاد محمد بن یحییٰ ذیلی نے اہل مجلس سے امام کی موجودگی میں کہا کہ جو شخص مسئلہ خلق قرآن میں امام بخاری کا ہمنوا ہو، وہ ہماری مجلس سے چلا جائے۔ امام مسلم اسی وقت اٹھ کر چلے گئے، جو احادیث ذیلی سے سن کر لکھی تھیں وہ ان کو واپس کر دیں اور ان سے روایت کرنا چھوڑ دی۔ حتیٰ کہ اپنی کتاب صحیح مسلم میں بھی ذیلی سے روایت نہیں کی۔"

اسی طرح امام شافعی امام مالک کے متعلق کہتے ہیں:

"جب عالموں کا ذکر آئے تو مالک مثل ستارہ کے ہیں اور کسی کا احسان میرے اوپر مالک سے زیادہ نہیں ہے۔" (موطا امام مالک، صفحہ 16)

یہ حقیقت ہے کہ محدثین کرام میں اختلاف رائے پایا جاتا تھا مگر یہ اختلاف رائے اصولوں پر مبنی تھا۔ جن کی بنا پر الگ الگ شرائط مقرر ہوئیں۔ مثال کے طور پر اگر کسی محدث نے حدیث کی قبولیت کیلئے چند شرائط مقرر کیں تو دوسرے محدث نے دیگر وجوہات کی بنا پر شرائط میں نرمی اختیار کر لی۔ اسی طرح امام بخاری نے صرف وہ روایات لیں جن کی ثقاہت پر اتفاق سمجھا۔ مگر امام نسائی نے ایسی روایات بھی لیں جن کی عدم ثقاہت پر اتفاق نہیں۔ مزید یہ کہ امام بخاری روایت کی قبولیت میں راوی اور مروی عنہ کی ملاقات کو لازمی قرار دیا ہے، جبکہ امام مسلم نے صرف ہم عصر ہونے پر اکتفاء کیا۔

مستشرقین کا محدثین کے بارے میں متعصبانہ رائے قائم کرنے کے متعلق غور طلب امر یہ ہے کہ احادیث صحیح، ضعیف اور موضوع سبھی قسم کی ہیں۔ ان میں سے بعض احادیث کو چھوڑ دینا اور بعض کو قبول کر لینا تعصب پسندی نہیں ہے۔ روایت کے بارے میں محدث کا جانچ پڑتال کرنے کو تعصب پسند کہنا کوئی دانشمندانہ بات نہیں۔

حدیث کو مشکوک اور ناقابل اعتبار ثابت کرنے کی ایک ناکام کوشش وہ ہے جس کا بیڑا مشہور مستشرقین سر ولیم میور اور گولڈ یہر وغیرہ نے اٹھایا۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں لکھنے کا کام آپ کی

وفات کے نوے برس بعد میں شروع ہوا۔ منکرین حدیث نے ایک قدم اور بڑھا کر یہاں تک کہہ دیا کہ حدیثیں دو سو برس بعد تیسری صدی ہجری میں قلم بند کی گئی ہیں۔ اس وقت عالم اسلام میں جو غلط ملط باتیں حدیث کے نام سے پھیلی ہوئی تھیں انہی کو محدثین نے اپنی کتابوں میں جمع کر دیا ہے۔ اس سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث محفوظ نہیں رہیں۔ لہٰذا ان کو شریعت میں حجت قرار نہیں دیا جا سکتا۔

عہد رسالت (ہجرت مدینہ) سے لے کر آج تک حدیثوں پر کوئی دور ایسا نہیں گزرا جس میں یہ بہت بڑے پیمانے پر نہایت اہتمام واحتیاط سے قلمبند نہ کی جاتی رہی ہوں۔

ساڑھے دس ہزار سے زیادہ حدیثیں تو صرف دو صحابیوں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص اور حضرت ابو ہریرہ ہی نے قلم بند کی تھیں۔ دیگر بہت سے صحابہ کرام کی کتابی خدمات ان کے علاوہ ہیں۔ پھر اس میدان میں تابعی اور تبع تابعین کے تحریری کارنامے جس تسلسل کے ساتھ جاری رہے یہاں تک کہ تیسری صدی میں احادیث کی ترتیب وتدوین کا کام اپنے عروج پر جا پہنچا۔

الغرض مندرجہ بالا امور سے ثابت ہوتا ہے کہ مستشرقین کا حدیث کے متعلق اس طرح کی آراء رکھنا علم حدیث سے ناسمجھی اور اسلام دشمنی کی بناپر ہے۔ محدثین کرام نے جس قدر عرق ریزی اور جانفشانی سے روایت میں جانچ پڑتال کی ہے یہ اقوام عالم کے منکرین اس کی مثال نہیں پیش کر سکتے۔

☆☆☆

خصوصیات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

سب سے زیادہ صاحب عزت:

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا وآخرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو اس طرح بلند کیا ہے کہ کوئی بھی خطیب، کوئی شہادت دینے والا اور کوئی پیغامبر ایس نہیں مگر وہ اس کلمہ:

(("اشھد أن لا الٰہ الا اللّٰہ وأن محمدًا رسول اللّٰہ"))

کا ورد کرتا ہے، اس سے بڑھ کر اور کون سی عزت افزائی اور تعظیم ہو سکتی ہے؟ قاضی عیاض نے "شفا" میں فرمایا ہے کہ آپ کے خصائص اور آپ کے انعامات خداوندی میں سے جو کچھ ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کا نام لے کر یوں پکارا: یا آدم، یا نوح، یا ابراہیم، یا موسیٰ، یا داؤد، یا عیسیٰ، یا ذکریا، یا یحییٰ مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو درج ذیل خطابات سے نوازا:

((یاایھا النبی یا ایھا الرسول، یا ایھا المزمل یا ایھا المدثر))

عظیم محدث ابن جوزی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سوائے آپ کے کسی کی زندگی کی قسم ارشاد نہیں فرمائی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ ساری مخلوق سے بڑھ کر معزز ومکرم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

((لعمرك)ومعناه وبقائك يا محمدو قيل وعيشك وقيل و حياتك))(الحجر :۷۲)

''اے محبوب! تیری عمر کی قسم، یعنی اے محمد تیری بقاء کی قسم! بعض نے کہا کہ تیری زندگی بسر کرنے اور تیری حیات کی قسم۔''

حضرت عبداللہ بن عباس کا قول ہے:

((ماخلق اللّٰہ تبارك وتعالیٰ وماذرأوما برأنفساأکرم علیه من سیدنامحمدصلی اللّٰہ علیه واله وسلم))

''اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام سے زیادہ مکرم اور عزت والا کسی جان کو پیدا نہیں فرمایا۔''

انبیاء سے وعدہ:

اس طرح اللہ تعالیٰ کا آپ کے لئے تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے عہد و پیمان لینا آپ کی تعظیم کے پیش نظر تھا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے:

((واذأخذ اللّٰہ میثاق النبیین لماأتیتکم من کتاب وحکمة ثم جاء کم رسول مصدق لمامعکم لتؤمنن به ولتنصرنه قالء اقررتم وأخذتم علی ذلکم اصری قالوا أقررناقال فاشھدوا وأنامعکم من الشھدین فمن تولی بعدذلك فاولئك ھم الفاسقون))

''اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا جو میں تمہیں کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا، کیا تم نے قرار کیا اور اس میں میرا بھاری ذمہ لیا؟ سب نے عرض کی: ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا: تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں تو اس کے بعد جو اس عہد سے منہ پھیرے گا تو وہی بے حکم لوگ ہیں۔''

پانچ خصوصیات:

اس کے بعد حدیث میں ہے، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں۔ ایک ماہ کے فاصلے سے رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی۔ ساری روئے زمین میرے لئے مسجد بنادی گئی، میرے امتی پر جہاں بھی نماز کا وقت آجائے وہ وہیں نماز ادا کرے۔ میرے لئے غنیمتیں حلال کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کسی کے لئے حلال نہیں تھیں۔ ہر نبی کسی خاص قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور مجھے تمام ساری انسانیت کی طرف مبعوث کیا گیا ہے اور مجھے حق شفاعت عطا کیا گیا ہے۔

(اس حدیث پر "بخاری" و "مسلم" کا اتفاق ہے۔ "شرح الکرمانی علی صحیح البخاری" جلد ۴، صفحہ ۹۷، ۲ "تفسیر الطبرانی")

ختم نبوت:

بعض راویوں نے ذکر کیا ہے کہ آقائے دو جہاں ﷺ نے فرمایا:

"مجھے جامع کلمات عطا کیے گئے ہیں، نبوت ورسالت مجھ پر ختم کردی گئی ہے اور میں تمام نبیوں میں سے آخری نبی ہوں۔"

قرآن حکیم میں ہے:

((ماكان محمد أباأحدمن رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين وكان الله بكل شي عليما))

"محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔ ہاں! اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پیچھے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔"

کچھ اور خصوصیات:

محدثین نے بیان کیا ہے کہ جناب رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"میری امت تمام امتوں میں سے بہتر بنائی گئی جو لوگوں کے لئے بھیجی گئی ہے۔"

ہوسکتا ہے کہ کوئی حضور علیہ الصلوٰۃ السلام کے اس ارشاد:

((انادعوة ابراهيم وبشارة عيسى))("طبقات ابن سعد" اتا ۹۲)

کا معنیٰ پوچھے تو "محفل سیرت کے دن" جس شخص نے ان سے گفتگو کرنے کا ذمہ لیا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ ان کے سامنے اس فرمان کی خوب وضاحت کرے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ انہیں سنائے اور قرآن حکیم کی یہ آیت بھی ان پر تلاوت کرے:

((ربناوابعث فيهم رسولا منهم يتلوعليهم اياتك ويعلمهم الكتاب والحكمة ويذكيهم انك انت العزيز الحكيم))(البقرة ۱۲۹)

"اے ہمارے پروردگار اور بھیج ان میں ایک رسول جوانہی میں سے ہو کہ ان پر تیری آیات تلاوت کرے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور انہیں خوب ستھرا فرمادے، بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔"

اس آیت کی تشریح اس روایت سے ہوتی ہے جس کو ابن جریر نے حضرت ابوالعالیہ سے روایت کیا ہے:

(("قيل له قداستيجب لك وهو كائن اخرالزمان"))

"جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی تو ان سے فرمایا گیا: تمہاری دعا قبول ہوئی اور وہ نبی آخری زمانے میں تشریف لائیں گے۔"

دعائے ابراہیم وبشارت عیسیٰ:

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا:
''یارسول اللہ! آپ کی نبوت کی ابتدا کیسے ہوئی؟''
فرمایا:''میں ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی بشارت۔''

(طبقات ابن سعد'ا'۹۶)

ابن سعد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت براہیم علیہ السلام کو یہ حکم ہوا کہ حضرت ہاجرہ کو شام سے کسی اور طرف لے جائیں تو آپ کو براق پر سوار کیا گیا، آپ جب بھی کسی خوبصورت، نرم اور ہموار زمین سے گزرتے تو فرماتے: اے جبرائیل! کیا میں اتروں؟ تو جبرائیل جواب دیتے: نہیں۔حتیٰ کہ آپ مکہ پہنچے تو جبرائیل نے کہا:

((انزل ھنایاابراھیم قال حیث لاضرع ولا زرع قال نعم ھنایخرج النبی الذی من ذریته ابنك الذی تتم به الکلمته العلیاء))(طبقات ابن سعد''ا'۱۰۷)

''اے ابراہیم! یہاں اتریئے! حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ایسی جگہ جہاں نہ کوئی مویشی ہے نہ کھیتی؟ تو جبرائیل نے کہا: ہاں! یہاں سے ہی وہ نبی ﷺ ظاہر ہوں گے جو آپ کے بیٹے کی اولاد سے ہیں، انہی کے ذریعے سے دین اسلام کی تکمیل ہوگی۔''

محمد بن کعب القرظی روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت ہاجرہ اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے کر نکلیں تو ایک ملنے والا ان سے ملا اور اس نے کہا: اے ہاجرہ! تیرا یہ بیٹا بہت سے قبائل کا باپ ہوگا اور اس کی قوم اور نسل سے حرم کے رہنے والے نبی ہوں گے۔

شب معراج:

ممکن ہے کہ کوئی یہ بھی سوال کرے کہ رسول اللہ ﷺ نبیوں کے امام کیسے بنے تو ان سے معراج کی شب آپ کے مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کے سفر اور وہاں بیت المقدس میں انبیاء کی امامت کروانے کا سارا واقعہ بیان کیجئے۔ بیٹوں کو اس حقیقت سے بھی آگاہ ہونا چاہیے کہ ہمارے نبی اکرم ﷺ وہ بہترین ہستی ہیں جنہوں نے ایمان وامانت کا حق ادا کردیا، امت کی خیرخواہی کی اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں مسلسل جہاد کیا۔حتیٰ کہ آپ کا وصال ہوگیا۔ یہ کیسے ہوا؟ انہیں یہ بتایئے وہ تمہاری طرف پوری توجہ دیں گے۔تم ان سے عظیم اور رفیع القدر رسول اور عظیم الشان نبی کی بلند پایہ جدوجہد کا واقعہ بیان کرواور ان کو یہ سارے جلیل القدر واقعات سننے کا موقع فراہم کرو۔

اخلاق وعادات:

اس طرح وہ حضور علیہ السلام کی ان مشکلات اور تکالیف سے آگاہ ہوں گے جو آپ کو اس وقت پیش آئیں جب آپ اپنی دعوت کو ایک ایسی قوم میں پھیلا رہے تھے جن کے دلوں کو جہالت نے زنگ آلود کردیا تھا، بت پرستی ان کی عقلوں پر غالب آچکی تھی، جن کی بناء پر بصیرت وبصارت دونوں سے محروم ہوچکے تھے۔انہیں بتایئے کہ

رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعوت کا آغاز کلمہ پاک اور اچھے وعظ کے ساتھ فرمایا اور بڑے احسن طریقے سے اپنی قوم کے ساتھ مناظرہ کیا۔

آپ ﷺ نہ تو سخت گیر تھے، نہ سنگدل اور نہ ہی سرکش و متکبر بلکہ آپ میں تو مہربانی، نرمی، بردباری، صبر، تواضع، خودداری اور مردانگی کے اوصاف پائے جاتے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنی قوم کو سیدھے راستے پر لگانے کے لئے تمام ممکنہ وسائل استعمال کیے۔ تلوار صرف اس وقت اٹھائی جب آپ کو اور آپ کے پیروکاروں کو مبتلائے عذاب کیا گیا اور قریش کے بڑے بڑے سرداروں اور مشرکین کے ہاتھوں آپ اور آپ کے ساتھیوں پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھائے گئے۔ جنہوں نے ان کے مالوں کو لوٹا تھا، ان کے جسموں کو مبتلائے عذاب کیا گیا تھا، عزتوں کو حلال ٹھہرایا تھا، عورتوں اور بچوں کو قتل کیا تھا، اور آخرکار انہیں حبشہ کی طرف ہجرت کرنے اور اپنے اہل وعیال اور اپنے وطنوں کو چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔

حکم جہاد:

بعدازاں مدینہ کی طرف ہجرت ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں جنگ کرنے کی اجازت دی، جیسا کہ اللہ سبحان وتعالیٰ کا فرمان ہے:

((أذن للذين يقاتلون بأنهم ظلموا وأن الله على نصرهم القدير))

''جہاد کی اجازت دیجئے انہیں جن سے کافر لڑتے ہیں۔ یقیناً ان پر ظلم ہوا اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کی مدد پر قادر ہے۔''

جنگ کی یہ اجازت اس کے بعد ملی جب کہ قریش اپنی گمراہی میں حد درجہ کو پہنچ گئے اور اپنی مسلمان اور اسلام دشمنی اور کفر میں بہت دور چلے گئے تو آپ ﷺ اپنے دین کو لے کر مکہ معظمہ سے یثرب کی طرف مہاجر فی سبیل اللہ کی حیثیت سے نکلے۔ یہ وہ یثرب ہے جو آپ کے وجود مسعود کی برکت سے مدینہ منورہ کہلانے لگا۔ وہاں جب گمراہ یہودیوں نے آپ سے دھوکا کیا اور اپنے عہدوں میں خیانت کی تو آپ نے بت پرستی کے قلعوں کو مسمار کر دیا، تلوار کے ساتھ ان کی سرزنش کی اور مدینہ منورہ کو ان سے پاک کر دیا۔ بعدازاں وہاں ایک عظیم سلطنت کی بنیاد رکھی اور اسے ساری روئے زمین پر دین حق کو پھیلانے کا مرکز بنا دیا اور آپ دین اسلام کی اشاعت کے لئے زندگی کے آخری لمحے تک جہاد فرماتے رہے۔ حتیٰ کہ آپ کے وصال کا وقت آیا تو اس وقت بھی آپ بلادِ روم کی طرف بھیجے جانے والے لشکر اسامہ کو تیار فرما رہے تھے۔

رسول اللہ کا مقام مسلمانوں کے ہاں:

اس حقیقت سے بھی آگاہی ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے قریب ہیں اور اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے اپنے درج ذیل ارشاد میں بیان فرمایا ہے:

((النبي اولى بالمومنين من انفسهم))

''یہ نبی مومنوں کی جانوں سے بھی ان کے زیادہ قریب ہیں۔''

اور ہمارے لئے مذکورہ بالا آیات کے معانی کا جاننا بہت ضروری ہے کہ آپ ﷺ انسانیت کی بھلائی کے لئے کس قدر حریص تھے اور انہیں دنیا و آخرت کے عذاب سے بچانے اور ان کی خیر خواہی کے لیے کتنی قربانی دینے والے تھے۔ لوگوں کو یہ حدیث پڑھ کر سنایئے جس میں آپ کی قوم کے ساتھ آپ کے مبارک طرز عمل کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ ارشاد فرمایا: ''میری اور تمہاری مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے آگ جلائی ہو اور جگنوؤں اور پتنگوں نے اس میں گرنا شروع کر دیا ہو اور وہ انہیں آگ سے دور کر رہا ہو اور میں تمہیں آگ سے بچانے کے لئے تمہاری کمر بند پکڑے ہوئے ہوں درآنحالیکہ تم میرے ہاتھوں سے نکل کر اس میں گرنے کی کوشش کرتے ہو۔ ان کے سامنے وہ تصویر پیش کیجئے جو اس کی مکمل ترجمانی کرتا ہو تا کہ نوعمر بچوں اور بچیوں کے ذہنوں میں گھر کر جائے اور جوانوں اور بوڑھوں کے دل کی دھڑکن بن جائے۔ بے شک یہ ان کے لئے حفاظت و نجات کا ذریعہ ہے۔ ان میں سے اگر کوئی فساد کے گڑھے کے قریب پہنچ جائے یا ایسے گناہ کا ارادہ کرے جس پر عذاب خداوندی کا سزاوار ٹھہرے تو یہ تصویر کشی ان کے لئے مضبوط قلعے کا کام دی گی۔ اپنے بیٹوں اور بیٹیو کے دلوں میں جناب رسول اکرم ﷺ اور آپ کی پاک باز آل کی محبت کا بیج بوئیے اور انہیں آپ کا یہ قول مبارک پڑھ کر سنایئے:

((من احبنی فقد احب اللّٰہ و من اطاعنی فقد اطاع اللّٰہ))

''جس نے مجھ سے محبت کی اس نے درحقیقت اللہ سے محبت کی اور جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔''

اور انہیں اس طرف متوجہ کیجئے کہ آج جس پاکیزہ عقیدہ اور شریعت کاملہ عادلہ سے انسانیت مستفید ہو رہی ہے اس میں انسان کی امن و سلامتی کا راز مضمر ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا باعث ہے اور نیز اس کا سہرا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سر ہے۔

ایک صوفی بزرگ نے فرمایا:

''میں نے مشاہدہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارکہ سے نہایت باریک دھاگے نورانی نکلے ہوئے ہیں اور ہر مسلمان کے قلب کے ساتھ ایک ایک دھاگے کا تعلق ہے۔ اور اس تعلق اور رابطہ کی بنا پر وہ اسلام اور ایمان پر ثابت ہے۔ اگر وہ رابطہ منقطع ہو جائے تو ایمان باقی نہیں رہ سکتا۔''

اس کشف کا متعدد اہل عصر نے انکار کیا تو اس بزرگ نے کہا:

''اچھا! مجھ کو اجازت دو کہ میں تم لوگوں کے دھاگے توڑ دوں اور تمہارے اور جناب رسول اللہ کے درمیان حائل ہو جاؤں۔''

انہوں نے کہا:

''آپ ضرور یہ کریں۔''

چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا تو وہ لوگ اسلام پر قائم نہ رہ سکے۔ کوئی یہودی، کوئی نصرانی، کوئی دہریہ ہو گیا۔ العیاذ باللہ۔''

افضل الرسل ماننا:

رسول اور نبیوں کو ایک دوسرے پر فضیلت یقینی اور قطعی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

((تلك الرسول فضلنا بعضهم علی بعض))

''یہ رسول ہیں ان میں سے بعض کو بعض پر ہم نے فضیلت دی ہے۔''(سورۃ البقرۃ)

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اور ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی ہے۔''(پارہ نمبر ۵، پارہ نمبر ۱۷)

باقی رہا یہ کہ رسل اور انبیاء کے مراتب میں ایک دوسرے پر فضیلت کا امتیاز اور اس کی تفصیل تو یہ امکان بشریت سے خارج ہے۔ ہمارا اعتقاد اجمالی اور مبہم طور پر صرف اس قدر ہے کہ مابین المرسلین والانبیاء تفاضل ثابت ہے۔

اس قدر عقیدہ لازمی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰہ والسلام سب نبیوں سے افضل ہیں۔

حضرت حسان فرماتے ہیں:

ویضم الا لہ اسم النبی الی اسمہ

اذ قال فی الخمس الموذن اشھد

وشق لہ من اسمہ لیجلیہ

فذو العرش محمود و ھذا محمد

''اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے نام کو اپنے نام سے ملایا ہے، جبکہ موذن پانچ وقت اذان میں ''اشہد'' کہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نام سے ان کا نام مشتق کیا ہے تاکہ اس کو ظاہر کرے۔ پس عرش کا مالک محمود ہے تو اس کے نبی کا نام محمد ہے۔''

خاتم النبیین ماننا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین ومرسلین ماننا لازم ہے۔ یہ عقیدہ اسلامی عقائد میں اساسی درجہ رکھتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

((ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین))

''محمد تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اور سب نبیوں سے آخری نبی ہیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔''

اور فرمایا:

''میرے بعد چالیس کذاب ہوں گے جن میں سے ہر ایک نبوت کا دعویٰ کرے گا، حالانکہ میں آخری

نبی ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔"

ایک مرتبہ فرمایا:

"مجھ پر رسالت اور نبوت ختم ہوگئی۔"

رسولوں پر ایمان سے مراد اس حقیقت کا پختہ یقین کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے احکامات کو بنی نوع انسان تک پہنچانے اور انہیں توحید باری تعالیٰ سے روشناس کرانے کے لیے وقتاً فوقتاً اپنے انبیائے کرام کو مبعوث فرمایا اور ان انبیائے کرام نے اللہ تعالیٰ کے احکامات کو لوگوں تک پہنچایا۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

((لقد ارسلنا رسلنا بالبینت))(سورۃ الحدید : آیت 25)

"تحقیق ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلے احکام دے کر بھیجا۔"

محبت ایک ایسی کیفیت، ایک جذبہ ہے جو کسی کے بارے میں دل میں جاگزیں ہو۔ پھر محبت کرنے والے کا دل خیال محبوب میں مستغرق ہوجاتا ہے اور ایسا بے بس کردیتا ہے کہ محبوب کی یاد اور اس کے اشتغال کے سوا چارہ ہی نہیں رہتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ محب کی اپنی کوئی پسند وناپسند نہیں رہتی، بلکہ وہ محبوب کی پسند ہو وہ طبعاً پسند ہوجاتی ہے اور جو شے محبوب کو پسند نہ ہو وہ طبعاً ناپسند ہوجاتی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے بنی نوع انسان کی ہدایت ورہنمائی کے لئے انبیاء ورسول مبعوث فرمائے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سلسلے کی آخری کڑی ہیں۔ آپ کو چونکہ خاتم النبیین مبعوث کیا گیا، اس لئے تمام شریعتیں ختم ہوچکی ہیں۔ اب ہر انسان کیلئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مطہرہ پر ایمان لانا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ سے محبت کا تقاضا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی جائے اور آپ سے محبت کا تقاضا ہے کہ آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری کی جائے۔ قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

((قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم واللہ غفور رحیم))(سورۃ آل عمران، آیت 31)

"(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میری اتباع کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہارے سب گناہوں کو معاف کردے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

اسلامی احکام پر عمل کرنے کیلئے آنحضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت انتہائی ضروری ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہی احکاماتِ الٰہی ماننے کا ذریعہ ہے۔ اگر ہم صرف زبان سے ہی کہتے رہیں گے کہ ہمیں آپ سے بڑی محبت ہے، لیکن عملاً آپ کی اطاعت نہیں کریں گے تو ہم آپ سے محبت کا دعویٰ نہیں کرسکتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت ہی ایسی ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((یتلوا علیھم ایتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتب والحکمۃ وان کانوا من قبل

لفی ضلال مبین))(سورۃ آل عمران ، آیت 164)
''جو انہیں اس (قرآن) کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے۔ یقیناً یہ سب اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔''

عملی نمونہ:

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مطہرہ ہمارے لئے عملی نمونہ ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے انحراف کرنا گمراہی ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

((یایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالکم))
(سورۃ محمد: آیت 33)

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو غارت نہ کرو۔''

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اطاعت رسول کتنی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں سے مخاطب ہو کر کہا ہے کہ اس کی اطاعت کرو اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے نبی (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی بھی اطاعت کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں۔ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھی عمل خواہ کتنا ہی بہتر سے بہتر کیوں نہ ہو اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت اور فرمانبرداری کے مطابق نہیں ہو گا، وہ عمل رائیگاں اور برباد ہے۔

مزید فرمایا:

((من یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضللاً مبیناً))(سورۃ احزاب ، آیت 36)
''(یاد رکھو) جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں پڑے گا۔''

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((من اطاعنی فقد اطاع اللہ ومن عصانی فقد عصی اللہ))
''جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہی اطاعت الٰہی کی واحد عملی صورت ہے۔ رسول اس لئے مطاع ہے کہ وہی ایک مستند ذریعہ ہے جس سے ہم تک اللہ کے احکامات اور فرامین پہنچتے ہیں۔ ہم اللہ کی اطاعت صرف اسی طریقے سے کر سکتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں، کوئی اطاعت الٰہی اور رسول کی سند کے بغیر معتبر نہیں ہے اور رسول کی پیروی سے منہ موڑنا اللہ کے خلاف بغاوت ہے۔

محبت واطاعت:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((ان رسول اللہ ﷺ قال لا یؤمن احد کم حتی اکون احب الیہ من والدہ و والدہ و الناس اجمعین))

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی بھی سچا مومن نہیں بن سکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کی اولاد، والدین اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔''

اس حدیث پاک سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کتنی مقدم اور ضروری ہے۔ انسان کو لامحالہ طور پر اپنی اولاد سے، اپنے ماں باپ سے اور دیگر جاننے والوں سے کتنی محبت اور چاہت ہوتی ہے۔ وہ اپنی اولاد اور ماں باپ کی ذراسی خوشی کیلئے سب کچھ قربان کرنے کیلئے تیار ہو جاتا ہے۔ ان میں سے کسی کو ذراسی تکلیف ہوتی ہے تو پریشان ہو جاتا ہے، لیکن ان تمام قسم کی محبتوں سے اعلیٰ وارفع محبت ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے، بلکہ یوں کہنا زیادہ بہتر ہوگا کہ جب تک سورج طلوع نہ ہو اس وقت تک نئے دن کا آغاز نہیں ہوتا۔ سورج کی روشنی سے ہی دن کا اجالا شروع ہوتا ہے۔ اسی طرح جب تک انسان کے اندر اس کی محبوب ترین چیز سے بھی زیادہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مطہرہ سے محبت نہ ہو جائے وہ ایمان کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ثلث من کن فیہ وجد حلاوۃ الایمان ، ان یکون اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواھما ان یحب المرء لا یحبہ الا اللہ ان یکرہ ان یعود فی الکفر کما یکرہ ان یقذف فی النار))

''جس شخص میں یہ تین چیزیں ہوں وہ ایمان کی حلاوت پائے گا۔ اللہ اور اس کے رسول سے اس کی محبت تمام لوگوں سے زیادہ ہو۔ وہ جس شخص سے محبت کرتا ہے صرف اللہ تعالیٰ کی وجہ سے محبت کرتا ہے۔ وہ کفر کی طرف لوٹنے کو اس قدر ناپسند کرتا ہے جس طرح دوزخ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔''

ایک روز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا:

''یارسول اللہ! آپ مجھے دنیا کی ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں سوائے میری جان کے۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم میں سے کوئی بھی کامل مومن نہیں بن سکتا جب تک میں اسے دنیا کی ہر چیز سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب توجہ فرمائی تو حضرت عمر فاروق میں ایک انقلاب رونما ہو گیا۔ بارگاہ رسالت میں حضرت عمر نے عرض کیا:

''اس ذات پاک کی قسم جس نے آپ پر قرآن کریم نازل کیا۔! آپ مجھے میری جان سے بھی زیادہ محبوب اور عزیز تر ہیں۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ سی توجہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں یہ انقلاب برپا کر دیا اور آپ کہاں سے اٹھے اور ایمان کی کن بلندیوں پر فائز ہوئے، فرمایا:

''اے عمر! اب تمہارا ایمان مکمل ہو گیا۔''

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا فرمایا اور انہیں شعور اور عقل عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رہنمائی اور ہدایت کیلئے انبیاء ورسول کو مبعوث فرمایا۔ انبیائے کرام معصوم عن الخطاء ہوتے ہیں، کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ خود انبیاء کی رہنمائی فرماتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ومرتبہ تمام انبیاء کرام سے اعلیٰ اور منفرد ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پوری بنی نوع انسان کیلئے اسوۂ کامل ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((وما ارسلنك الا رحمة للعالمین))(سورۃ الانبیاء : آیت 107)

''اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

مقام رسالت از روئے قرآن:

1: قرآن مجید میں متعدد جگہوں پر مقام رسالت کو بیان کیا گیا ہے اس سلسلے میں قرآن کریم کی چند آیات پیش ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

((وما اتکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنه فانتھوا واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب))(سورۃ الحشر : آیت 7)

''اور تمہیں جو کچھ رسول دے لے لو، اور جس سے روکے رک جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔''

2: ایک اور جگہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

((وما کان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضی اللہ رسوله امراً ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللہ ورسوله فقد ضل ضللاً مبیناً))

(سورۃ الاحزاب: آیت 36)

''کسی مومن مرد اور عورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔ (یاد رکھو) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی جو بھی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں پڑے گا۔''

3: سورۃ النساء میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

((فلا وربك لا یؤمنون حتی یحکموك فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجاً مما قضیت ویسلموا تسلیما))(سورۃ النساء : آیت 65)

''سو قسم ہے تیرے پروردگار کی! یہ مومن نہیں ہو سکتے، جب تک کہ آپس کے اختلاف میں آپ کو حاکم

نہ مان لیں، پھر جو فیصلے آپ ان میں کر دیں ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں۔''

4: سورۃ آل عمران آیت 81 میں ہے:

((و اذاخذ اللہ میثاق النبیین لما اتیتکم من کتب وحکمۃ ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ))(سورۃ آل عمران ، آیت 81)

''جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تمہیں کتاب وحکمت دوں، پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو تمہارے پاس کی چیز کو سچ بتائے تو تمہارے لئے اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا ضروری ہے۔''

5: سورۃ آل عمران میں ارشاد ہوتا ہے:

((قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم و اللہ غفور رحیم))(سورۃ آل عمران ، آیت 31)

''کہہ دیجئے! (اے محمد!) اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو، خود اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرما دے گا۔''

قرآن مجید کی چند آیات مبارکہ بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں۔ جن کا تفصیلی جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مقام رسالت کو واضح طور پر بیان فرما دیا ہے۔ قرآن میں جگہ جگہ مقام رسالت کی وضاحت فرمائی گئی ہے۔

صحابہ کرام کی نظر میں مقام رسالت:

1: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد خلافت کا مسئلہ پیدا ہو گیا۔ اس سلسلے میں مہاجرین اور انصار کے مابین اختلافات شروع ہونے لگے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے کہ امام قریش میں سے ہوں گے۔''

ارشاد نبوی سنتے ہی فریقین نے تسلیم کر لیا۔ اس طرح خلافت کا مسئلہ فوراً حل ہو گیا۔

2: ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپ تورات کے چند اوراق لے کر پڑھنے لگے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک غصہ سے متغیر ہونے لگا تو حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق سے فرمانے لگے:

''کیا تم نبی اکرم کے رخ انور کی طرف نہیں دیکھتے۔؟''

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے! اگر تم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام آ جائیں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کی تابعداری کرو تو تم راہ مستقیم سے بھٹک جاؤ اور بالفرض اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ

ہوتے اور میرا زمانہ نبوت پاتے تو ضرور میری اتباع کرتے۔'' (مشکوٰۃ المصابیح)

ائمہ کرام کی نظر میں مقام رسالت:

قرآن مجید کی آیات مبارکہ اور صحابہ کرام کی نگاہ میں واضح طور پر مقام رسالت پیش کیا گیا، اب ائمہ کرام کی نظر میں مقام رسالت دیکھتے ہیں۔

1: حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر فرمان سرآنکھوں پر ہے۔''

2: حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''دنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں کہ جس کی باتیں غلط اور صحیح ملی جلی نہ ہوں، پھر اس کی اچھی باتیں قبول اور نادرست باتیں ناقبول نہ کی جاتی ہوں۔ سوائے حضرت محمد کے، کہ آپ کے سب ارشادات برحق ہیں۔''

3: حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اگر تم میری کتاب میں کوئی بات سنت رسول کے خلاف پاؤ تو میری بات کو چھوڑ دو اور سنت نبوی کو پکڑ لو۔''

منصبِ ختم المرسلین

سورۃ احزاب کی آیت 46,45 میں ارشاد ربانی ہے:

((یایھا النبی انا ارسلنک شاھداً و مبشراً و نذیراً و داعیا الی اللہ باذنہ و سراجاً منیراً))

''اے نبی! بے شک ہم نے آپ کو شاہد، مبشر، نذیر اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا اور چمکتا سورج بنا کر بھیجا ہے۔''

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر مشرکین بہتان تراشیاں کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو خطاب کر کے چند کلمات تسکین ارشاد فرماتا ہے۔ مقصود کلام یہ ہے کہ آپ کو ہم نے یہ کچھ مراتب عالیہ بخشے ہیں، آپ کی شخصیت اس سے بہت بلند ہے کہ یہ مخالفین اپنے بہتان افتراء کے طوفان اٹھا کر آپ کا کچھ بگاڑ سکیں، لہٰذا آپ بہتان کی شرارتوں سے رنجیدہ ہوں، نہ ہی ان کے پروپیگنڈے کو پرکاہ کے برابر کوئی وقعت دیں، اپنے فرائض منصبی ادا کیے جائیں، اس کے ساتھ ضمناً تمام خلق کو جس میں مومن کافر سب شامل ہیں بتایا گیا ہے کہ ان کا سابقہ کسی معمولی انسان سے نہیں ہے، بلکہ ایک بہت بڑی شخصیت سے ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بلند ترین مقام پر سرفراز فرمایا ہے۔

اس آیت میں نبی اکرم نبی محتشم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے آپ کا منصب بتایا گیا ہے اور اس منصب کے ساتھ جو ذمہ داریاں وابستہ ہیں ان کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے تاکہ آپ پر بھی واضح ہو جائے کہ آپ کو کیا کام

کرنے ہیں اور کس طرح کرنے ہیں۔

اس آیت میں ان پانچ صفات یا پانچ قسم کے فرائض منصبی کا ذکر کیا گیا ہے:

1: شاہد۔ 2: مبشر۔

3: نذیر۔ 4: داعی الی اللہ۔

5: سراج منیر۔

شاہد:

شاہد وہ ہوتا ہے جو شہادت دے، جس نے کسی واقعہ کی اطلاع دی ہو اور وہ واقعہ اس طرح بیان کرے کہ گویا اس نے وہ واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

امام راغب اصفہانی کے بقول:

((الشهادة والشهود الحضور مع المشاهده انما بالبصر او البصيرة))

"شہادت وہ ہوتی ہے کہ انسان وہاں موجود بھی ہو اور اسے دیکھے بھی، خواہ آنکھوں کی بینائی سے یا بالبصیرت۔"

اس آیت میں لفظ شاھد سے تین قسم کی شہادت مراد ہے:

1: قولی گواہی۔ 2: انبیاء پر گواہی۔ 3: اس امت پر گواہی۔

قولی گواہی یہ کہ اللہ تعالیٰ کا دین جن حقائق اور اصولوں پر مبنی ہے، ان کی صداقت کا گواہ بن کر کھڑا ہو اور دنیا سے صاف صاف کہہ دے کہ وہی حق ہے اور ان کے خلاف جو کچھ ہے وہ باطل ہے۔

اس میں مندرجہ ذیل شہادتیں آسکتی ہیں:

اللہ کی ہستی اور اس کی توحید، ملائکہ کا وجود، وحی کا نزول جس کو لوگوں نے نہیں دیکھا نبی اس پر گواہی دیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہی دے کر بھیجا گیا کہ احوال آخرت، جنت، دوزخ، حساب کتاب اور پل صراط جن کو ہم نے نہیں دیکھا اس پر شہادت دیں کہ ایسا ہوگا۔

اخلاق، تہذیب اور تمدن کے جو تصورات، اقدار، اصول اور ضابطے اللہ نے ان پر منکشف کیے ہیں انہیں اگر ساری دنیا غلط کہتی رہے اور ان کے خلاف چل رہی ہو تب بھی نبی کا کام یہ ہے کہ انہی کا اعلان پیش کرے۔

جو کچھ اللہ کی شریعت میں حلال ہے نبی اس کو حلال ہی کہیں، خواہ ساری دنیا اس کو حرام سمجھتی ہو اور جو کچھ اللہ کی شریعت میں حرام ہے نبی اس کو حرام ہی کہیں خواہ دنیا اس کو حلال ہی کہے۔

انبیاء کرام پر شہادت یہ کہ نبی اپنی پوری زندگی میں گواہی دیں گے کہ واقعتاً ہر رسول نے اپنا اپنا پیغام پہنچا دیا تھا۔

قرآن پاک میں ہے:

((فكيف اذا جئنا من كل امة بشيهد و جئنا بك على هو لاء شهيداً))

''پس کیا ہوگا ہر امت پر ایک گواہ ہوگا اور ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سب پر گواہ بنائیں گے۔''

ایک اور جگہ قرآن پاک میں آتا ہے:

((یوم نبعث فی کل امت شہیداً علیھم من انفسھم و جئنابک شہیداً علی ھولاء))

''قیامت کے دن ہر امت پر ایک گواہ ہوگا انہی میں سے اور ہم آپ کو ان سب پر گواہ بنائیں گے۔''

قیامت کے روز نوح علیہ السلام پیش ہوں گے تو ان سے کہا جائے گا:

''کیا آپ نے ہمارا پیغام امت کو پہنچادیا تھا۔؟''

تو وہ عرض کریں گے:

''میں نے پہنچادیا تھا۔''

پھر ان کی امت پیش ہوگی تو وہ ان سے انکار کرے گی۔ اس وقت حضرت نوح علیہ السلام سے پوچھا جائے گا:

''آپ اپنے دعوے پر شہادت پیش کریں۔''

وہ عرض کریں گے کہ امت محمدیہ اس پر گواہ ہے تو امت نوح علیہ السلام اس پر جرح کرے گی کہ یہ ہمارے معاملے میں کیسے گواہی دے سکتے ہیں، جبکہ یہ تو اس وقت پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔ امت محمدیہ جواب دے گی:

''بے شک ہم اس وقت موجود نہ تھے، مگر ہم نے اس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی۔''

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہادت کے ذریعے تصدیق وتوثیق کریں گے کہ ہاں یہ بات تھی۔

شاھد کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء کی تبلیغ کا آپ کو گواہ بنا کر بھیجا گیا ہے۔ قیامت کے دن جب کہ ان کے زمانہ کے لوگ اپنے بچاؤ کے لیے ان کی تبلیغ سے انکار کریں گے تب آپ اپنی گواہی سے ثابت کریں گے کہ انہوں نے اپنا فرض تبلیغ کما حقہ ادا کر دیا تھا۔

اپنی امت پر گواہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اللہ تعالیٰ کی عدالت قائم ہوگی تو اس امت کی شہادت دیں گے کہ جو پیغام آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں تک پہنچادیا ہے اور ان کے سامنے اپنے قول اور عمل سے حق واضح کر دینے میں کوتاہی نہیں کی۔ اسی شہادت پر فیصلہ کیا جائے گا کہ ماننے والے کس جزاء کے اور نہ ماننے والے کس سزا کے مستحق ہیں۔

قرآن پاک میں ہے:

((وکذلك جعلنکم امۃً وسطاً لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شہیداً))

''اور اسی طرح ہم تم کو درمیانی امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول تم پر گواہ ہوں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے سب افراد کے اچھے برے اعمال کی شہادت دیں گے اور یہ شہادت

اس بنا پر ہوگی کہ امت کے اعمال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہر روز صبح وشام اور بعض روایات میں ہفتہ میں ایک بار پیش کیے جاتے ہیں۔

مبشر:

مبشر کے معنی ہیں: خوشخبری دینے والا۔ یعنی جو لوگ اللہ کے احکام کو مان لیں گے ان کے لیے خوشخبری دینے والا۔

نذیر: ڈرانے والا خبردار کرنے والا۔ اس انداز سے کہ لوگوں کو یہ بتا دیا گیا ہے کہ یہ راہِ حق ہے اور یہ راہِ ضلالت۔ جو حق ہے اس کا انجام یہ ہے اور جو دوسری راہ ہے اس کا انجام یہ ہے۔

نبی کا کسی کام پر بشارت دینا یہ معنی رکھتا ہے کہ جس احکم الحاکمین کی طرف سے وہ بھیجا گیا ہے وہ اس کام کے پسندیدہ اور مستحق اجر ہونے کا اعلان کر رہا ہے کہ اس کا کرنے والا ضرور اجر پائے گا اور کسی کام کے برے انجام کی خبر دینا کہ قادر مطلق اس کام سے منع کر رہا ہے لہٰذا وہ ضرور گناہ اور حرام ہے اور یقیناً اس کا مرتکب سزا پائے گا۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کو یہ آیت سنا کر فرمایا کہ تم لوگ یمن کو بھیجے جاتے ہو، جاؤ لوگوں پر سختی مت کرنا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

((وداعیاً الی اللہ باذنہ))

داعی الی اللہ سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امت کو اللہ تعالیٰ کے وجود اور توحید اور اطاعت کی طرف دعوت دینے والے ہیں۔

باذنہ: یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دعوت دی ہے وہ آپ کی اپنی خودساختہ نہیں بلکہ دعوت الٰہیہ ہے۔

یہاں مستشرقین کے سوال کا جواب بھی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اسلام آپ کا اپنا قائم کردہ نظام ہے۔

رحمۃ للعالمین ......رؤف ورحیم:

☆: ایک اعرابی بارگاہ رسالت میں مانگنے آیا۔ آپ نے اس کا دامن مراد بھر دیا اور پھر اس سے پوچھا: کیا میں نے تیرے ساتھ بھلائی کی ہے؟ اعرابی نے جواب دیا: آپ نے اچھا معاملہ نہیں کیا۔ اس وقت جو مسلمان وہاں موجود تھے، اس کی یہ بات سن کر غضبناک ہو گئے اور بدو کی طرف بڑھے مگر آپ ﷺ نے انہیں رک جانے کا حکم دیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ اٹھے، اپنے کاشانہ مبارک میں داخل ہوئے۔ بدو کو بلا بھیجا اور پہلے کی نسبت اسے زیادہ مال عطا کیا۔ پھر اس سے پوچھا: کیا میں نے تیرے ساتھ بھلائی کی ہے؟ بولا: ہاں! بے شک۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے اہل وعیال اور خاندان والوں کی طرف سے اچھا بدلہ دے، تو آپ نے اعرابی سے فرمایا: تو نے جو کہا ہے سو کہا ہے مگر میرے صحابہ کے دلوں میں اس بارے میں خلش پائی جاتی ہے، اگر تو چاہے تو ان کے سامنے بھی وہی کچھ کہہ دے جو میرے سامنے اب کہہ رہا ہے تاکہ تیرے خلاف جو ان کے دلوں میں ہے اس کا ازالہ ہو جائے۔

بدو نے عرض کیا: سرکار! میں ایسا کرنے کے لئے تیار ہوں۔ جب دوسرے دن حضور علیہ الصلوٰۃ السلام تشریف لائے اور صحابہ سے فرمایا: اس بدو نے جو کہا سو کہا مگر ہم نے اسے زیادہ مال دیا ہے۔ اب وہ راضی ہو چکا ہے۔ چنانچہ بدو نے وہی کلمات صحابہ کرام کے سامنے دہرا دیئے جو انہوں نے آپ علیہ السلام کے سامنے کہے تھے۔ اس پر جناب نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میری اور اس آدمی کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس کی ایک اونٹنی ہو اور وہ اس سے بھاگ گئی ہو۔ لوگوں نے اسے پکڑنے کے لئے اس کا پیچھا کیا مگر اس سے وہ اور بدک گئی۔ اس منظر کو دیکھ کر اونٹنی کے مالک نے کہا: لوگو مجھے اور میری اونٹنی کو چھوڑ دو میں تمہاری بہ نسبت اس سے زیادہ نرمی کرنے والا ہوں اور اس کو زیادہ جانتا ہوں۔ چنانچہ وہ اس کی طرف متوجہ ہوا اور اونچی جگہ سے اسے پکڑنے اور اپنی طرف لوٹانے کی کوشش کی۔ وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو گیا۔ اونٹنی اس کے پاس آ گئی، اس نے اسے بٹھالیا اور کجاوا کس کر سوار ہو گیا۔ فرمایا: اگر میں تجھے اجازت دے دیتا کہ جو کچھ اس نے مجھ سے کہا ہے اس بناء پر تم اسے قتل کر دیتے تو وہ جہنم میں چلا جاتا۔ (''السیرۃ''، جلد ا ص ۲۷)

☆: اسی طرح ایک لڑکی کا واقعہ ہے جو آپ کو اس حال میں ملی کہ رو رہی تھی۔ رونے کا سبب یہ تھا کہ اس کے مالک نے اسے آٹا خریدنے کے لئے جو پیسے دیئے تھے وہ انہیں گم کر بیٹھی تھی۔ آپ نے آٹا خریدنے کے لئے اسے پیسے بھی دیئے اور اس کے ساتھ اس کے مالک کے پاس گئے اور بڑی نرمی اور مہربانی کے ساتھ اس سے گفتگو فرمائی جس سے متاثر ہو کر اس نے لڑکی سے نرم رویہ اختیار کیا اور اسے معاف کر دیا۔ اسی قبیل سے چھوٹوں کے ساتھ آپ کا طرزِ عمل اور ان پر رحمت اور شفقت کے واقعات ہیں۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں ہم یہ بھی مشاہدہ کرتے ہیں کہ کیسے آپ کی نواسوں میں سے ایک نواسہ جلدی سے آپ کی پشت مبارک پر سوار ہو جاتا ہے جبکہ آپ سجدہ کی حالت میں ہوتے ہیں۔ آپ اپنے سجدہ کو لمبا کر لیتے ہیں مگر ان کو پریشان نہیں کرتے۔ اس وقت آپ کی کیا کیفیت ہوتی تھی جبکہ آپ نماز پڑھ رہے ہوتے تھے اور کسی بچے کے رونے کی آواز آپ کے کانوں میں آتی تو آپ اپنے نماز کو مختصر کرتے ہوئے، اس آواز کی طرف چل پڑتے تھے تا کہ اس بچے کے پاس بھی کوئی نہ کوئی ضرور ہونا چاہیے جو اس کے رونے کے عالم میں اس پر رحم کرنے والا ہو۔

☆: ایک دفعہ ایک شخص یہ کہتا ہوا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ یا رسول اللہ! میں جہاد کی خواہش رکھتا ہوں مگر اس کی طاقت نہیں ہے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کیا تیرے والدین میں سے کوئی زندہ ہے؟ عرض کرتا ہے: ہاں یا رسول اللہ۔ فرمایا:

((قابل الله في برهمافاذافعلت ذلك فانت حاج ومعتمر ومجاهدوفي روايته اخرى قال ''ففيهافجاهد''))

''تو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کر اس حال میں کہ تو والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا ہو۔ پس اگر تو ایسا کرے گا تو گویا کہ تو حج کرنے والا، اور عمرہ کرنے والا اور جہاد کرنے والا ہو گا۔''

دوسری روایت میں ہے: ان دونوں میں ہی جہاد کو یعنی ان کی خدمت کر۔ آپ کی رحمت بڑھتی چلی جاتی ہے ، یہاں تک کہ حیوانوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتی تھی۔ آپ کے نزدیک حیوان بھی مہربانی اور شفقت کے مستحق ہیں بلکہ اس لحاظ سے تو وہ رحمت شفقت کے تو بہت زیادہ محتاج ہیں کہ وہ نہ تو شکایت کر سکتے ہیں اور نہ ہی ان کی طرف سے دکھ درد کا اظہار ہوتا ہے۔

☆: حضرت عبداللہ بن جعفر سے مروی ہے کہ ایک دفعہ رسول اکرم ﷺ کسی انصاری کے پاس تشریف لے گئے ۔ وہاں ایک اونٹ موجود تھا، جونہی اس نے آپ کو دیکھا تو بڑی درد بھری آواز نکالی اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ جناب رسول اکرم علیہ التحیہ والثناء اس کے پاس تشریف لائے۔ اس کی گدی پر ہاتھ پھیرا تو وہ خاموش ہو گیا۔ آپ نے اس کے مالک کو بلا کر فرمایا: کیا تو اس جانور کے بارے میں خدا سے نہیں ڈرتا جس کو اللہ تعالیٰ نے تیری ملکیت میں دیا ہے، اس نے مجھ سے شکایت کی ہے تو اسے بھوکا رکھتا ہے مگر ہمیشہ کام میں لگائے رکھتا ہے۔

یہ سارے واقعات اگر ہمارے حافظہ میں محفوظ رہ جائیں تو یقیناً ہمارے دلوں میں رحمت و محبت کے جذبات پیدا کریں گے اور ہمارا شماران رحم کرنے والوں میں سے ہوگا جن پر رحمٰن رحم کرتا ہے اور ایسے ہی ہمارے دلوں میں نبی رحمت کی محبت بھی اجاگر کر دیں گے اور ہم آپ کی پیروی کریں گے اور آپ کے خصائص، خوبیوں اور کمالات سے واقفیت ہی محبت رسول میں اضافے کا باعث بنے گی اور اس طرح ہم سیرت طیبہ کے مضبوطی سے تھام لیں گے۔

مقام و رحمت سید المرسلین اور فرائضِ امت

جو لوگ اسلام قبول کر لیں اور امت مسلمہ میں داخل ہو جائیں اُن کے لیے رسول کی حیثیت محض پیغام پہنچانے والے کی نہیں ہے بلکہ رسول ان کیلئے معلم اور مربی بھی ہے، اسلامی زندگی کا نمونہ بھی ہے اور ایسا امیر بھی ہے جس کی اطاعت ہر زمانے میں ہے، جو کی جانی چاہیے۔

معلم کی حیثیت سے رسول کا کام یہ ہے کہ پیغام الٰہی کی تعلیمات اور اس کے قوانین کی تشریح و توضیح کریں۔
چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

((ویعلمھم الکتب و الحکمۃ))

''اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔'' (سورۃ آل عمران، آیت نمبر: 164)

مربی ہونے کی حیثیت سے رسول کا کام یہ ہے کہ قرآنی تعلیمات اور قوانین کے مطابق مسلمانوں کی تربیت کرے اور ان کی زندگیاں اسی سانچے میں ڈالے۔

نمونہ ہونے کی حیثیت سے اس کا کام یہ ہے کہ خود قرآنی تعلیم کا عملی مجسمہ بن کر دکھائے اور اس کے ہر قول

وفعل کو دیکھ کر معلوم ہو جائے کہ زبان کو اس طرح استعمال کرنا ہے اور اپنی قوتوں سے یوں کام لینا اور دنیا کی زندگی میں ایسا برتاؤ رکھنا ہے جو کتاب اللہ کے مقصد کے مطابق ہو۔ ہمارے رسول یقیناً اسی طرح کے ہیں۔

ارشاد ربانی ہے:

((لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ))

''بلاشبہ تمہارے لئے رسول اللہ کی زندگی بہترین نمونہ ہے۔''(سورۃ احزاب، آیت نمبر:21)

اس کے ساتھ ہی رسول کی حیثیت مسلمانوں کے امیر کی بھی ہے۔ ایسا امیر نہیں جس سے نزاع کی جاسکے، بلکہ ایسا امیر جس کے حکم کو بلا چون و چرا ماننا فرض ہے۔ جیسا کہ قرآن کی آیات کو ماننا فرض ہے۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

((ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ))

''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔''

ایسا امیر نہیں جو صرف اپنی زندگی ہی میں امیر ہوتا ہے بلکہ ایسا امیر جو قیامت تک امت مسلمہ کا امیر ہے۔

قرآن مجید میں بارہا جگہ پر اطاعت رسول کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

((اطیعوا اللہ و رسولہ ان کنتم مومنین))

''اگر تم مومن ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔''(سورۃ الانفال:1)

سورۃ آل عمران میں فرمایا:

((قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم))

''آپ کہہ دیں کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ بھی تم سے محبت کرے گا۔''

ایک جگہ فرمایا:

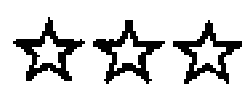
((واطیعوا اللہ والرسول لعلکم ترحمون))

''اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''(آل عمران:132)

ایک جگہ فرمایا:

((ومن یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزاً عظیماً))

''جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی وہ بڑی کامیابی کو پہنچا۔''(سورۃ الاحزاب:71)



آدابِ رسول اور قرآن

رسول اللہ کی بارگاہ میں آواز بلند کرنا حرام ہے:

جس طرح اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کے دیگر آداب سکھائے اسی طرح آپ ﷺ کی آواز پر آواز بلند نہ کرنے کا بھی حکم دیا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آواز بلند کرنے والوں اور آپ ﷺ کی آواز پر آواز بلند کرنے والوں کو ڈرایا اور ان پر تنبیہ فرمائی جیسے آپ ﷺ کی بارگاہ میں آواز پست رکھنے والوں کی مدح وتعریف کی۔

اللہ تعالیٰ کا مبارک ارشاد ہے:

((یایھا الذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون ٥ ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللہ اولئك الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقویٰ لھم مغفرۃ واجر عظیم ٥ ان الذین ینا دونك من وراء الحجرات اکثر ھم لا یعقلون ٥ ولو انھم صبروا حتی تخرج الیھم لکان خیراً لھم واللہ غفور رحیم))(الحجرات 5,2)

''اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔ بیشک وہ جو اپنی آوازیں پست کرتے ہیں رسول اللہ کے پاس وہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیز گاری کیلئے پرکھ لیا ہے، ان کیلئے بخشش اور بڑا ثواب ہے، بیشک وہ جو تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں اکثر بے عقل ہیں اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ ﷺ ان کے پاس تشریف لاتے تو یہ ان کیلئے بہتر تھا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

پہلی آیت میں آپ ﷺ کی آواز پر آواز بلند کرنے سے منع فرمایا گیا ہے اور جس طرح آپس میں بلا تکلف گفتگو کی جاتی ہے، اس سے بھی منع فرمایا، لیکن جو باز نہیں آئے گا اس کے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور اسے شعور بھی نہ ہوگا۔

دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو سراہا جو آپ ﷺ کی بارگاہ میں آواز کو پست رکھتے ہیں، اس کی رغبت دلائی اور اس پر ابھارا اور فرمایا:

''ایسے ہی دل تقویٰ والے اور اس کا محل بننے کے اہل ہیں، ان کیلئے بخشش ہے اور انہیں اجر عظیم ملے

گا۔"

تیسری آیت میں ان لوگوں کی مذمت فرمائی جو مدینہ طیبہ آتے ہیں، حضور ﷺ گھر تشریف فرما ہوں تو بلند آواز سے بلاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت فرمائی اور فرمایا انہیں عقل نہیں۔

چوتھی آیت میں فرمایا: کاش یہ آپ ﷺ کی آمد کا انتظار کریں اور پھر اپنے مقصد کے بارے میں عرض کریں تو خوب بہتر ہوتا مگر یہ دیہاتی بدو ہیں۔

حضرت سائب بن یزید سے روایت ہے کہ میں مسجد نبوی ﷺ میں تھا کسی آدمی نے میری طرف سنگریزہ پھینکا، میں نے دیکھا تو حضرت عمر فاروق تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"جاؤ ان دو آدمیوں کو بلا کر لاؤ۔"

میں لے آیا۔ فرمایا: تم کون ہو؟ کہاں سے ہو؟ کہنے لگے: ہم طائف کے رہنے والے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لو کنتما من اهل البلد وجعتکما ترفعان اصواتکما فی مسجد رسول لله ﷺ))(بخاری ، کتاب الصلاۃ)

"اگر تم شہر مدینہ سے ہوتے میں تمہیں سزا دیتا کہ تم رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں آواز بلند کر رہے ہو۔"

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت ثابت بن قیس کو غیر حاضر پایا۔ ایک صحابی نے عرض کیا:

"میں پتہ کر کے عرض کرتا ہوں۔"

وہ ان کی طرف گئے تو دیکھا اپنے گھر سر جھکائے بیٹھے ہیں۔ پوچھا: کیا حال ہے؟ کہنے لگے: نہایت ہی بدتر، میری آواز حضور ﷺ کی آواز سے بلند ہوتی رہی، اعمال ضائع ہو گئے، میں تو دوزخی بن چکا ہوں، صحابی نے آ کر تفصیل عرض کی۔ موسیٰ بن انس کہتے ہیں: وہ صحابی دوبارہ یہ بشارت لے کر گئے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

((انك لست من اهل النار ولكن من اهل الجنة))

"تم دوزخی نہیں ہو، بلکہ تم تو جنتی ہو۔"

مسلم کی روایت میں ہے کہ حضرت انس فرمایا کرتے:

((فكنا نراه يمشي بين اظهرنا رجل من اهل الجنة))

"ہم اپنے درمیان ایک جنتی شخص کو چلتے پھرتے دیکھا کرتے تھے۔"

مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت سعد نے اس آدمی کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((بل هو من اهل الجنة))(مسلم ، کتاب الایمان)

"بلکہ وہ تو جنتی ہے۔"

حضرت عبداللہ بن زبیر سے روایت ہے کہ بنو تمیم کے کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے، حضرت

ابو بکر نے عرض کیا:

''قعقاع بن معبد کو ان کا امیر بنایا جائے۔''

حضرت عمر کا خیال تھا کہ اقرع بن حابس کو بنایا جائے۔ دونوں میں اختلاف کی وجہ سے آواز بلند ہو گئی تو یہ آیت نازل ہوئی:

((یایھا الذین امنوا لا تقدموا بین یدی اللہ ورسولہ واتقوا اللہ ان اللہ سمیع علیم))(الحجرات: 1)

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ سنتا جانتا ہے۔''

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ''ان الذین یغضون اصواتھم'' تو حضرت ابو بکر صدیق نے کہا:

''مجھے قسم اس ذات کی جس نے آپ ﷺ پر کتاب نازل فرمائی! یا رسول اللہ ﷺ! میں موت تک اونچی گفتگو نہیں کروں گا، بلکہ راز کے انداز میں بات کیا کروں گا۔''

حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا، ذہبی نے اس حکم کو ثابت رکھا۔

حضرت ابن ابی ملیکہ کا بیان ہے کہ قریب تھا کہ صحابہ میں سے اخیار صحابہ حضرت ابو بکر سے اور حضرت عمر سے آواز بلند ہو گئی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کے بعد وہ دونوں راز دانہ انداز میں گفتگو کیا کرتے حتیٰ کہ دوبارہ پوچھنا پڑتا۔ (بخاری، کتاب الاعتصام)

صحابہ کرام نے آپ ﷺ کا وہ عظیم مقام جان لیا جو آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں حاصل ہے، لہٰذا اپنے اوپر آپ ﷺ کا احترام، اکرام، توقیر و وقار لازم و فرض سمجھتے تھے اور اس میں ایک ادب آپ ﷺ کی آواز پر آواز بلند نہ کرنا بھی ہے، بلکہ آپ ﷺ کی مسجد مبارک میں آواز بلند نہ کرتے حتیٰ کہ آپ ﷺ کے وصال کے بعد بھی آواز پست رکھتے۔ انہوں نے واقعتہً آپ ﷺ کا حق ادب پہچانا اور نبھایا کیونکہ اتباع کرنیوالا اپنے امام و مقتدا کی آواز پر آواز بلند نہیں کیا کرتا بلکہ وہ آواز کو پست رکھتا ہے۔

دو صحابی اونچا بول رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر سے آگاہ کرنے سے منع فرما دیا تھا جیسا کہ بخاری و مسلم میں ہے۔

تو جب آپ ﷺ کی آواز پر آواز بلند کرنا حرام اور اس کی وجہ سے اعمال ضائع اور ساقط، تو آپ ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا مقام کیا ہوگا اور آپ ﷺ کی معصیت اور تکلیف پر سزا کیا ہوگی؟

رسول اللہ سے آگے بڑھنا حرام ہے:

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اپنے نبی وصفی، رسول ﷺ کے ساتھ معاملات کرنے کا بھی طریقہ بتایا، یہ آداب ربانیہ مختلف نوعیت کے ہیں۔ جو اللہ نے بندوں کو تعلیم دیئے، ان آداب میں سے ایک اہم ادب یہ ہے کہ آپ

ﷺ سے آگے نہ بڑھا جائے، کسی معاملہ میں آپ ﷺ سے پہلے کچھ نہ کیا جائے اور نہ کہا جائے بلکہ تمام امور میں آپ ﷺ کی اتباع کی جائے، جب تک آپ ﷺ کی زبان پاک سے کوئی حکم صادر نہ ہو اس وقت تک کوئی اقدام نہ کیا جائے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((یایھا الذین امنوا لا تقدموا بین یدی اللہ ورسولہ واتقوا اللہ ان اللہ سمیع علیم))(الحجرات:1)

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ سنتا جانتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اس پر خبردار فرمادیا ہے کہ آپ ﷺ کے کلام سے پہلے کلام مت کریں، آپ ﷺ سے پہلے کوئی فتویٰ جاری نہ کیا جائے، کیونکہ یہ تمام ایذا و تکلیف ہے اور آپ ﷺ کو تکلیف دینا حرام ہے۔ اس لئے کہ اتباع کرنیوالا اپنے مقتداء کے ہمیشہ پیچھے ہوتا ہے، آگے نہیں ہو جاتا۔ ہم آپ ﷺ کی اتباع اور طریق پر چلنے پر مامور۔ اتباع چاہتی یہی ہے کہ ہم آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے چلیں، دوڑیں بھی تو پیچھے، آگے بڑھنا تو امام بننا ہے اور یہ اتباع کی ضد ہے تو جب آپ ﷺ پر تقدم حرام ہے تو عدم اطاعت و مخالفت تو بطریق اولیٰ حرام ہوگی۔

اجازت لے کر واپس جانا:

اللہ تعالیٰ نے لوازم ایمان میں یہ چیز رکھی ہے جو حضور ﷺ کے ساتھ ہو وہ آپ ﷺ کی اجازت لئے بغیر نہیں جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سچے ایمان والے کی یہ علامت بیان فرمادی کہ وہ آپ ﷺ سے اجازت کے بغیر نہیں جایا کرتے، جو اٹھ کر کسی کام جانا چاہتا ہے اس کا آپ ﷺ سے اذن لینا واجب اور مطلوب ہے تو آپ ﷺ کی اطاعت کے لوازمات میں بطریق اولیٰ یہ ہونا ضروری ہے کہ آپ ﷺ کے اذن کے بغیر آپ ﷺ کے قول کی مخالفت نہ کی جائے اور نہ ہی غیر کی رائے قبول کی جائے اور یہ تو بہت دور کی بات ہے کیونکہ آپ ﷺ کی مبارک رائے، مذہب اور عقیدہ سے بڑھ کر کسی کی رائے اور عقیدہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((انما المومنون الذین امنوا باللہ ورسولہ واذا کانوا معہ علی امر جامع لم یذھبوا حتی یستاذنو ٥ ان الذین یستاذنونك اولئك الذین یومنون باللہ ورسولہ فاذا استاذنوك لبعض شابھم فاذن لمن شئت منھم واستغفر لھم اللہ ان اللہ غفور رحیم))(النور:26)

''ایمان والے تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور جب رسول کے پاس کسی ایسے کام میں حاضر ہوئے ہوں جس کیلئے جمع کیے گئے ہوں تو نہ جائیں جب تک ان سے اجازت نہ لے لیں، وہ جو تم سے اجازت مانگتے ہیں وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں، پھر جب وہ تم سے اجازت مانگیں اپنے کسی کام کے لئے تو ان میں جسے تم چاہو اجازت دے دو اور ان کے لئے

اللہ سے معافی مانگو، بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

ابن قیم لکھتے ہیں:

"جب اللہ تعالیٰ نے اس بات کو لوازم ایمان میں سے رکھا ہے کہ جب کوئی آپ ﷺ کے ساتھ ہے تو وہ کہیں بھی آپ ﷺ سے اذن کے بغیر نہیں جا سکتا تو ایمان کے لوازمات میں سے اس چیز کا ہونا بطریق اولیٰ ہوگا کہ آپ ﷺ کے اذن کے بغیر کسی کے قول اور مذہب کو قبول نہیں کیا جائے گا اور آپ ﷺ کی اجازت کا علم آپ ﷺ کی شریعت سے ہی معلوم ہوسکتا ہے۔"

جب مجلس سے کسی کام پر اجازت لے کر جانا لوازم ایمان میں سے ہے تو آپ ﷺ کی اطاعت اور کامل فرمانبرداری، لوازم ایمان میں سے کیوں نہ ہوگی؟ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کیلئے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان ثابت فرمایا ہے، پھر آپ ﷺ کی منشاء کے مطابق اجازت کا ذکر فرمادیا:

((فاذن لمن شئت منهم))

"اجازت دو ان میں سے جسے چاہو۔"

پھر اپنے رسول ﷺ سے فرمایا ان اذن طلب کرنے والے کیلئے دعا فرمائیں اور اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگیں۔

ان اللہ غفور رحیم

☆☆☆

محبت واطاعت رسول کی فرضیت

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت، آپ کی تعظیم وتوقیر اور احترام و وقار کا حکم دیا جیسا کہ ان دونوں نے یہ بھی حکم دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہر شے سے بڑھ کر ہونی چاہیے، جس نے آپ سے بڑھ کر کسی غیر سے محبت کی اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کی دھمکی ہے۔ جیسا کہ اس شخص سے ایمان کی نفی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر شے سے بڑھ کر محبت نہیں کرتا۔ آپ سے محبت کے لزوم اور ہر شے سے بڑھ کر محبت کرنے پر بہت سی نصوص ہیں۔ ان پر قرآن کریم اور سنت نبویہ شاہد ہے۔ اس پر صحابہ کرام دائم ودائم رہے۔

متعدد نصوص میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت والد، اولاد، مال اور تمام لوگوں سے بڑھ کر کرنا لازم ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے

((لا یؤمن احد کم حتی اکون احب الیہ من والدہ و ولدہ))

(بخاری، کتاب الایمان)

''تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اسے اس کے والد اور اولاد سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔''

جو شخص والد اور اولاد سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہیں کرتا اس کے کامل ایمان کی نفی پر مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم اٹھائی ہے۔ والد کو اولاد سے اصل ہونے کی وجہ سے پہلے ذکر کیا، دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ ماسوائے حضرت آدم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے تمام لوگوں کے والد تو ہیں لیکن تمام کی اولاد نہیں، تیسری وجہ زمانے اور بزرگی کی وجہ سے ہوسکتا ہے۔

اولاد، والد سے اور والد اولاد سے جو بھی محبت رکھے لیکن ان دونوں کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دوسرے سے بڑھ کر محبت لازم ہے۔ والد اور ولد کا تذکرہ اس لئے ہے کہ عاقل کے لیے یہ اہل اور مال سے بلکہ بعض اوقات یہ نفس سے بھی زیادہ عزیز ہوتے ہیں۔

امام بخاری نے مذکورہ حدیث کا عنوان بنایا ہے:

((باب حب الرسول ﷺ من الایمان))

''باب اس بیان میں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ایمان ہے۔''

ماں کا ذکر نہیں ہوا؟ اس لئے کہ لفظ والد میں شامل ہے۔ اگر والد سے مراد صاحب اولاد ہو یا ایک کے ذکر سے دوسرے کا ذکر از خود آ گیا جیسا کہ ضدین میں سے ایک کے ذکر سے دوسرے کا از خود ہو جاتا ہے یا یہاں والد اور ولد کا ذکر بطور تمثیل ہے، مراد تمام اعزہ ہیں، گویا مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہر عزیز سے بڑھ کر محبوب ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لا یومن حد کم حتی اکون احب الیه من والده و ولده والناس اجمعین))

(البخاری، کتاب الایمان)

''تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اسے اس کے والد، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔''

مسلم کی روایت میں ہے:

((حتی اکون احب الیه من ولده و والده والناس اجمعین))

''یہاں تک کہ میں اسے اس کی اولاد، والد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔''

اس کی دوسری روایت میں ہے:

((لا یومن عبد))

''وہ بندہ مومن نہیں ہوسکتا۔''

ایک روایت الرجل (آدمی) کے ساتھ یہ الفاظ ہیں:

((حتی اکون احب الیه من اهله وماله والناس اجمعین))

(مسلم، کتاب الایمان)

''یہاں تک کہ میں اسے اس کے اہل، مال اور تمام لوگوں سے محبوب ہو جاؤں۔''

ان دونوں روایات میں والد، ولد، اہل، مال، الناس کا تذکرہ ہے۔ والد، ولد اور اہل کے بعد الناس کا ذکر عام کا خاص پر عطف ہے۔ یہ تمام انسانوں کو شامل ہے اور جن کا ذکر ہوا مثلاً: والد وولد تو یہ نفس پر جبلی اور فطری طور پر معزز ہوتے ہیں جیسا کہ مسلم کی دوسری روایت میں ولد کو والد پر مقدم کر دیا، یہ مزید شفقت، احسان اور لطف کی وجہ سے ہے۔

امام خطابی فرماتے ہیں کہ یہاں طبعی محبت نہیں بلکہ اختیاری مراد ہے، کیونکہ انسان کو اپنے نفس سے محبت طبعی ہے نہ کہ اختیاری قلبی۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ تم میری محبت میں اس وقت تک سچے نہیں جب تک تم اپنے نفس کو میری اطاعت میں فنا نہ کر دو اور اپنی خواہش پر میری رضا کو ترجیح نہ دو، اگرچہ اس میں ہلاک ہو جاؤ۔

(شرح مسلم للنووی، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 15)

امام ابن بطال اور قاضی عیاض فرماتے ہیں:

محبت کی تین اقسام ہیں:

1: محبت اجلال واعظام جیسے والد کی محبت۔

2: محبت، شفقت ورحمت، جیسے ولد کی محبت۔

3: محبت مشاکلہ جیسے بقیہ لوگوں کی محبت۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی محبت میں ان تمام کو جمع فرما دیا ہے۔

(شرح مسلم للنووی، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 15)

ابن بطال کہتے ہیں:

''حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جس کا ایمان کامل ہوگا، اس پر یہ واضح ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حق مجھ پر حق اب، حق ابن اور حق الناس (تمام لوگوں کے حق) سے زیادہ ہے، کیونکہ آپ کی وجہ سے ہم نے دوزخ سے نجات اور گمراہی سے ہدایت پائی ہے۔''

قاضی عیاض کہتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کی نصرت، آپ کی شریعت کا دفاع، آپ کے ظاہری حیات میں ہونے اور آپ کی خاطر مال وجان فدا کرنا محبت کے ہی مظاہر ہیں۔''

ہماری گفتگو سے واضح ہو گیا کہ ایمان کی حقیقت اس محبت کے بغیر مکمل نہیں ہوتی، آپ پر ایمان تب صحیح ہوگا جب بندے کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر ومنزلت والد، ولد، ہر محسن اور صاحب فضیلت سے بڑھ

کرہو جو یہ اعتقاد نہیں رکھتا یا برابر تصور کرتا ہے وہ مومن نہیں۔

(شرح مسلم للنووی، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 16)

ان مذکورہ احادیث میں والد، ولد، اہل، مال اور الناس کا ذکر آ گیا ہے۔ ابھی نفس کا ذکر رہتا ہے اور جب تک نفس سے بھی بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہ کی جائے ایمان صحیح نہیں ہوتا۔

حضرت عبداللہ بن ہشام سے روایت ہے کہ ہم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپ نے حضرت عمر کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ حضرت عمر نے عرض کیا:

((یا رسول اللہ لا نت احب الی من کل شی الامن نفسی))

"یا رسول اللہ! آپ مجھے میری جان کے علاوہ ہر شے سے محبوب ہیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لا والذی نفسی بیدہ حتی اکون احب الیك من نفسك))

"نہیں قسم ہے مجھے اس ذات اقدس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہاں تک کہ میں تجھے تیری جان سے بھی محبوب ہو جاؤں۔"

حضرت عمر نے عرض کیا:

یا رسول اللہ! اب حالت یہ ہے:

((و اللہ لانت احب الی من نفسی))

"اللہ کی قسم! آپ مجھے میری جان سے بھی محبوب ہیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((الان یا عمر))

"اے عمر! اب (تمہارا اشمار کامل واکمل ترین مومنین میں ہو گیا۔)" (البخاری، کتاب الایمان والنذور)

اس حدیث کے بعد تمام مخلوق کا ذکر آ گیا۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں:

"مذکورہ محبت کی علامت یہ ہے کہ کبھی انسان کو اختیار دیا جائے کہ تیری سامنے دو چیزیں ہیں ایک تیرا ذاتی فائدہ ہے اور ایک زیارت نبوی۔ ان دونوں میں سے جس کو تو چاہے حاصل کرے۔ اگر وہ کہتا ہے مجھے ذاتی فائدہ سے کوئی غرض نہیں اور نہ ہی مجھے اس کے عدم حصول پر کوئی افسوس۔ مجھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت چاہیے کیونکہ اس کے عدم حصول پہ دکھ اور قلق ہے تو اسے محبت کہا جائے گا ورنہ نہیں۔" (فتح الباری، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 59)

اور یہ صرف زیارت یا عدم زیارت تک معاملہ محدود نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ وسنت کی نصرت، شریعت کا دفاع، مخالفین شریعت کا قلع قمع کا حکم بھی یہی ہے اور اس باب میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

بھی شامل ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ مذکورہ گفتگو میں متصور اور متبادل شے کا اہم ہونا ضروری ہے۔ مثلاً والد، ولد اور اھل کی مانند ہو کیونکہ اگر وہ حقیر ہے تو وہ قابل التفات ہی نہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور دیگر مخلوق سے بڑھ کر محبت سے کسی مسلمان کا دل بالکل خالی تو نہیں ہوتا ہاں تفاوت ضرور ہوتا ہے۔

امام قرطبی فرماتے ہیں:

''ہر وہ شخص جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان صحیح لے آیا تو اس کا دل آپ کی محبت سے خالی نہ ہو گا، ہاں اس میں درجات کا تفاوت ہو سکتا ہے، کچھ ایسے ہوں گے جنہوں نے اس سے حصہ وافر پالیا، کچھ نے بہت کم حصہ پایا۔ مثلاً: جو شخص خواہشات میں مستغرق اور اکثر اوقات غفلت کا شکار رہتا ہے، اکثر اہل ایمان کا حال یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہوتا ہے تو آپ کے دیدار کا شوق ان میں اس قدر پیدا ہوتا ہے کہ اہل، اولاد اور مال پر اسے ترجیح دیتے ہیں، اہم امور میں جان بھی دے دیتے ہیں، نفس کے اندر ایسا وجدان پاتے ہیں جسے رد نہیں کیا جا سکتا مگر یہ حال غفلت کی وجہ بہت جلدی زائل ہو جاتا ہے۔'' (فتح الباری، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 60)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس سے آگاہ فرما رکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو اس سے جبرائیل امین علیہ السلام اور اہل آسمان بھی محبت کرتے ہیں اور زمین میں اس کیلئے قبولیت عطا کر دی جاتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرائیل کو بلا کر فرماتا ہے: میں فلاں سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس میں محبت کر تو اس سے جبریل بھی محبت کرتا ہے۔ پھر آسمان پر آواز دے کر کہتا ہے: اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے، تم بھی اس سے محبت کرو تو اہل آسمان اس سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں۔ پھر زمین میں اسے قبولیت نصیب ہو جاتی ہے۔'' (البخاری، کتاب الخلق)

حدیث کے لفظ ''یوضع لہ القبول'' کا معنی یہ ہے کہ اہل زمین بھی اس سے محبت کرتے ہیں اور اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں، اس کی نظیر حدیث کا جملہ ''ثم توضع لہ البغضاء فی الارض'' ہے۔ لہٰذا جو آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہیں کرے گا اور آپ سے محبت کو ترجیح نہیں دے گا، وہ اس معاملہ سے خارج ہو جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی ہے: اگر دنیا میں کسی کو خلیل بناتا تو میں ابو بکر کو بناتا۔

(وقد اتخذ اللہ عزوجل صاحبکم خلیلا)

''تمہارے صاحب کو اللہ تعالیٰ نے خلیل بنا رکھا ہے۔''

یہ روایت مسلم و بخاری میں متعدد صحابہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے خلیل اور اللہ کے حبیب ہیں تو جو اللہ کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے اسے آپ کے ساتھ بھی محبت لازم ہو گی، ورنہ وہ نہ مومن ہے اور نہ اللہ

تعالیٰ کا محب۔

اسی لئے حضرت عبداللہ بن عباس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مروی ہے:

((احبوا اللہ لما یغذو کم بہ من نعمہ و احبونی لحب اللہ))

''اللہ سے محبت کرو کیونکہ تم اس کی نعمتیں کھاتے ہو اور میرے ساتھ اللہ کی خاطر محبت کرو۔''

اسے ترمذی نے حسن کہا، حاکم نے صحیح اور ذہبی نے ان کا حکم برقرار رکھا، طبرانی نے کبیر میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم، احترام اور اجلال و اکبار کا حکم دیا ہے اور یہ عمل محبت سے اوپر کا درجہ رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((انا ارسلنک شاھدا و مبشرا و نذیرا o لتومنوا باللہ و رسولہ و تعزروہ و توقروہ و تسبحوہ بکرۃ و اصیلاo))(سورۃ الفتح ، آیت نمبر:8-9)

''بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناضر اور خوشی اور ڈر سنانے والا بنا کر تا کہ اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو اور صبح و شام اللہ کی پاکیزگی بیان کرو۔''

''تعزروہ'' کے معنی حضرت عبداللہ بن عباس سے منقول ہیں:

''تعزروہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کرو۔''

ایک روایت کے مطابق اس کا معنی تعظیم میں مبالغہ کرو۔

''توقروہ'' یہ توقیر سے ہے، اس کا معنی احترام، اجلال و اعظام کے ہیں۔

حضرت قتادہ کہتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی تکریم و تعظیم اور احترام کا حکم دیا ہے۔ اب معنی یہ ہوگا: اے اہل ایمان! تم اپنے رسول کی تعظیم، غایت درجہ کا احترام و اعظام بجالاؤ۔ آپ کی رائے اور حکم کا احترام کرو اور یہ تمام چیزیں آپ سے محبت پر دلیل ہیں۔''

امام حلیمی فرماتے ہیں:

''یہ درجہ محبت سے بلند ہے کیونکہ ہر محب تعظیم کرنے والا نہیں ہوا کرتا۔ کیا تم نہیں دیکھتے والد، اولاد سے محبت کرتا ہے لیکن اولاد پر اس کی تکریم لازم ہے اور یہ محبت تعظیم کی دعوت نہیں دیتی۔ اولاد، والد سے محبت کرتی ہے تو یہاں تعظیم و تکریم دونوں جمع ہوتے ہیں۔ مولیٰ اپنے غلاموں سے محبت کرتا ہے مگر ان کی تعظیم نہیں کرتا، غلام اپنے مالکوں کی تعظیم و محبت دونوں کرتے ہیں تو اس سے واضح ہو گیا کہ تعظیم کا درجہ محبت سے بلند ہے۔ محبت کا داعی محب کی طرف سے محبوب پر خیرات کی بارش کر دیتا ہے اور تعظیم کا داعی محبوب کیلئے ایسی صفات کاملہ ثابت کرتا ہے کہ تعظیم کرنے والے کی ضروریات اس سے متعلق ہوتی ہیں اور پوری کوشش کے باوجود وہ ان کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔''

جب یہ حالت غلام اور مالک کے اور والد اور اولاد کے درمیان ہے تو یہ معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق ہم پر مالکوں کے حقوق غلاموں پر اور آباء کے حقوق اولاد پر سے کہیں اعظم، اجل اور لازم ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جہنم سے آپ کے وسیلہ سے بچانا ہے اور اس دنیا میں ہمارے ارواح، ابدان، اعراض، اعمال، اہل اور اولاد آپ کی وجہ سے محفوظ ہوئے اور ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ااطاعت کریں تو ہم جنت پائیں تو ان نعمتوں کا مقابلہ کوئی نعمت کرسکتی ہے؟ اور کون سا احسان جوان احسانات کے ہم پلہ ہوسکتا ہے؟ پھر اللہ تعالیٰ نے ہم پر آپ کی اطاعت کو لازم کیا اور فرمایا:

''اگر تم نے ان کی نافرمانی کی تو جہنم میں جاؤ گے اور اگر اتباع کرلو تو جنت پاگے۔''

تو اس رتبہ کے مشابہ کوئی مرتبہ ہوسکتا ہے؟ کون سا درجہ ہے جو بلندی میں اس درجہ کے برابر بھی ہو سکے؟ تو ہم پر لازم ہے کہ ہم آپ سے محبت کریں اور آپ کی بے انتہا تعظیم کریں۔ اس تعظیم سے کہیں بڑھ کر جو غلام اپنے آقا کی کرتا ہے اور جو اولاد اپنے والدین کی کرتی ہے۔ اس پر کتاب اللہ وارد ہے اور اسی کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

((والذین امنوا بہ و عزروہ ونصروہ واتبعوا النور الذی انزل معہ اولئك ھم المفلحون))(سورۃ الاعراف، آیت نمبر 157)

''وہ جو اس پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اسے مدد دیں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اترا وہی بامراد ہوئے۔''

اس میں اللہ تعالیٰ نے خبردار فرمادیا ہے کہ کامیاب وہی ہوگا جس نے ایمان کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کو جمع کیا اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ لفظ تعزیر سے یہاں تعظیم ہی مراد ہے۔

دوسرے مقام پر اللہ جل شانہ کا مبارک فرمان ہے:

((انا ارسلناك شاھدا و مبشرا ونذیرا o لتؤمنوا باللہ و رسولہ وتعزروہ و توقروہ و تسبحوہ بکرۃ واصیلا))(سورۃ الفتح، آیت نمبر 8-9)

''اے محبوب! بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر اور خوشی اور ڈر سناتا تاکہ اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم وتوقیر کرو اور صبح شام اللہ کی تقدیس بیان کرو۔''

تو اس سے واضح ہوگیا کہ امت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حق ہے کہ آپ کی عزت، تعظیم اور ادب و احترام کیا جائے، آپ کے ساتھ بے تکلفی کو اختیار نہ کیا جائے جیسے کہ خاندان ایک دوسرے سے کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم میں یہ داخل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی آواز سے آواز کو بلند کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اسی طرح اونچی گفتگو نہ کی جائے کہیں اعمال ضائع نہ ہوجائیں اور آواز پست رکھنے والوں کی مدح فرمائی اور اس کے خلاف کرنے والوں کی مذمت فرمائی، وہ غیر عاقل ہیں کیونکہ وہ حجرات کے باہر سے آپ کو آواز دیتے ہیں اور یہ تمام چیزیں سورۃ الحجرات میں ہیں اور یہ باب بڑا وسیع ہے، ان چند سطور میں ان کو کیسے لایا جا

سکتا ہے؟

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر واضح فرمادیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ تمام لوگوں کے نفوس سے اشرف، اذکی اور بزرگ تر ہے، اس لئے یہ جائز نہیں کہ تم اپنے نفس کو ان پر فدا کرنے سے اعراض کرو، تم اپنی جان کا دفاع تو کرو مگر آپ کی ذات اقدس کا نہ کرو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

((ما كان لاهل المدينة ومن حولهم من الاعراب ان يتخلفوا عن رسول الله و لا يرغبوا بانفسهم عن نفسه))(سورۃ التوبہ ، آیت نمبر 120)

"مدینہ والوں اوران کے گرد دیہات والوں کو لائق نہ تھا کہ رسول اللہ سے پیچھے بیٹھ رہیں اور نہ یہ کہ ان کی جان سے اپنی جان پیاری سمجھیں۔"

اس میں "ولا یرغبوا بانفسہم عن نفسہ" واضح طور پر اس پر دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کریمہ کے ساتھ اپنی ذات سے بھی بڑھ کر محبت کرنا لازم وفرض ہے۔ ورنہ انہیں اپنی جان سے پیاری سمجھنے پر اللہ تعالیٰ عتاب نہ فرماتا، کیونکہ یہاں اللہ تعالیٰ نے انہیں آگاہ فرمایا ہے کہ میرے نبی کی ذات، تمہارے نفوس سے کہیں اکرم واشرف اورازکی واجمل ہے۔ تمہارے لئے ضروری ہے کہ ان کی ذات کو اپنے نفوس سے مقدم سمجھو اوراپنے نفوس کو ان سے مقدم نہ بناؤ اور واقعۃً صحابہ کا یہی طریقہ تھا۔ انہوں نے ہر حال میں اپنے نفوس کو آپ پر فدا کر دیا۔ وہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی سلامتی چاہتے تھے۔ اس محبت وقربانی کا اظہار ان سے کئی مواقع پر ہوا خواہ معرکہ وجہاد ہو یا شہر مدینہ جیسا کہ ان کا تذکرہ متعدد جگہ ملتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی اتباع محبوب الٰہی بننے کا سبب ہے:

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی وصفی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا حبیب بنایا اور آپ کی اتباع پر اتباع کرنیوالے کو محبت الٰہی اور گناہوں کی مغفرت کا مژدہ سنایا ہے۔ جب آپ کی اتباع، محبت الٰہی اور غفران ذنوب کا مژدہ عطا کر رہی ہے تو آپ سے محبت پر ثمر کا مقام کیا ہوگا؟ کیونکہ اتباع تو محبت کی فرع ہوتی ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله و يغفر لكم ذنوبكم والله غفور رحيم))(سورۃ آل عمران ، آیت نمبر 31)

"اے محبوب! تم فرمادو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ، اللہ تمہیں دوست رکھے گا۔ تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والے مہربان ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے اس امت کے قلوب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی طرف رہنمائی فرمادی ہے۔ یہی وہ رہنمائی ہے جو اس امت کو مشکل سے مشکل حالات اوران معاشروں میں چلا رہی ہے۔ یہاں یہ علم ہی نہیں کہ کس کی اتباع کرنا چاہیے اور کس کی راہ کو اپنانا چاہیے، کیونکہ ہر راستہ اور طریق انسان کو ہلاکت کی طرف لے جاتا

ہے، سوائے اس راستہ کے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، جو اس سے ہٹا وہ گمراہ و ہلاک ہو گیا اور جو آپ کے پیچھے چل پڑا اور آپ کی اتباع کر لی تو وہ سعادت مند اور نجات پانے والا ہو گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام ہمیشہ اس امت اور ہر اس شخص کیلئے آواز دے رہا ہے جو اللہ سے محبت چاہتا ہے کہ فاتبعونی (میری اتباع کرو) تو تم وہ مقام پالو گے "یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم" (تمہیں اللہ اپنا محبوب بنائے گا اور تمہارے گناہ معاف کرے گا)

محبت الٰہی کے لئے اتباع نبوی کے علاوہ تمام در بند کر دیے گئے ہیں تو اتباع کرنے والا اس نام (محب) کا مستحق صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے بنا، تو جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے والا اللہ تعالیٰ کا حبیب اور محبوب بن جاتا ہے تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام کیا ہے؟ جب آپ کی اتباع، متبع کو اللہ تعالیٰ کا محبوب بنا دیتی ہے تو آپ سے محبت کا مقام کیا ہوگا؟ حالانکہ آپ اللہ کے محبوب ہیں۔

اہل علم نے محبت اور خلت کے درمیان فرق کیا ہے، محبت کا مقام خلت سے بلند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ مقام حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے اور آپ کی اتباع کرنے والے محبوب الٰہی ہونے کا درجہ پا لیتے ہیں جبکہ مقام خلت حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے متبعین کو یہ درجہ عطا نہیں فرمایا۔

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جو خلیل بنایا تو یہ ان کے دور میں دشمنان خدا کے مقابل تھا نہ کہ انبیاء علیہم السلام کی نسبت سے، اور وہ یہ کہ تمام روئے زمین پر کفر ہی کفر تھا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی توحید اور معرفت سے آگاہ فرمادیا، دنیا میں آپ علیہ السلام کے علاوہ کوئی روح ایسا نہ تھا جو اللہ تعالیٰ کی معرفت و اعتراف رکھتا ہو، آپ علیہ السلام کو اللہ نے بایں طور پر خلیل بنایا اولاً ہدایت کا اہل۔ ثانیاً امر و نہی عطا فرمائے، جس کی انہوں نے اطاعت کی، پھر ثالثاً ان پر ابتلاء کا دور آیا جس میں صبر کا مظاہرہ کیا تو اس دن سے آپ علیہ السلام خلیل اور باقی تمام دشمن قرار پائے، کیونکہ آپ علیہ السلام مطیع اور دوسرے لوگ نافرمان تھے، باقی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے حبیب کا درجہ عطا فرمایا ہے۔ اس پر یہ قرآنی آیت شاہد ہے:

((قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ))

(سورۃ آل عمران، آیت نمبر 31)

"اے محبوب! تم فرمادو کہ لوگو! اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ، اللہ تمہیں دوست رکھے گا۔"

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع متبع کو یہ فائدہ دیتی ہے کہ اللہ کے مقام محبوبیت کو پالیتا ہے تو جس کی اتباع کی جا رہی ہے وہ بطریق اولیٰ محبوب ہوگا۔ محبت کا درجہ خلت سے اونچا ہے۔ اہل علم نے حبیب اور خلیل کے درمیان فرق پر بھی کثیر گفتگو کی ہے۔

شیخ ابو عبدالرحمٰن اسلمی فرماتے ہیں:

حبیب وہ ہوتا ہے جس کی اتباع کرنیوالا اسم محبت (محبوب) کا مستحق ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسم

محبت کا اطلاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں ہوا کیونکہ آپ کا حال و مقام اس محبت سے کہیں بلند ہے۔اس نام کے مستحق تو آپ کی غلامی کرنے والے بن رہے ہیں۔کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں پڑھا:

((قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ))

(سورۃ آل عمران،آیت نمبر 31)

"اے محبوب! تم فرمادو کہ لوگو! اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ۔اللہ تمہیں دوست رکھے گا۔"

رہا خلیل کا معاملہ تو اس کی اتباع کرنے والے کو درجہ خلت نہیں ملتا۔یہی وجہ ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اس کا اطلاق کیا گیا ہے تو درجہ محبت،خلت سے بلند ٹھہرا،ہر حبیب خلیل ہوتا ہے،لیکن ہر خلیل،حبیب نہیں ہوتا۔یہ بھی یاد رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں مقامات (محبت و خلت) حاصل ہیں۔جب آپ کا متبع،اسم محبت پاتا ہے (اور اتباع لازم ہے) تو آپ محبوب ہیں۔آپ سے محبت لازم ہوگی کیونکہ جب آپ کی اتباع سے محبت الٰہی حاصل کی جاسکتی ہے تو آپ کی محبت سے کیوں حاصل نہ ہوگی؟ یاد رہے کہ اتباع،محبت کے بعد ہی ہوتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم:

کتاب وسنت میں کثیر نصوص موجود ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی رضا صرف انہی لوگوں کو حاصل ہوگی جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((لقد رضی اللہ عن المومنین اذیبایعونك تحت الشجرۃ))

(سورۃ الفتح،آیت نمبر 18)

"بے شک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ اس پیڑ کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے۔"

ایک اور مقام پر فرمایا:

((قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ)) (سورۃ آل عمران،آیت نمبر 31)

"اے محبوب! تم فرمادو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ۔اللہ تمہیں دوست رکھے گا۔"

الاطاعت کبھی محبت وخوشی سے ہوتی ہے اور کبھی بغیر محبت کے۔مثلاً:ایک آدمی مجبوراً حکم جاری کررہا ہے مگر خود اسے ذہنی طور پر تسلیم نہیں کرتا،لیکن اللہ تعالیٰ کی محبت ورضا صرف اسے نصیب ہوگی جو اطاعت بہ دل وجان کرے، یہ مقام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حاصل ہے۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مطیع جب ثواب کبیر حاصل کررہا ہے (کیونکہ اطاعت لازم ہے) تو محبت کرنے والا ایسا ثواب کیوں نہ پائے گا؟ جب اطاعت لازم ہے (جو کبھی بغیر

رضا کے ہوتی ہے) تو محبت کیوں لازم نہ ہوگی؟ جب یہ علم ہے کہ محبت ایمان کا عنوان ہے، بلکہ اس کا اعلیٰ درجہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صحت ایمان کے لئے یہ شرط لگائی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کو بغیر کسی تنگی دل کے قبول کیا جائے اور اسے کامل طور پر تسلیم کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

((لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة لمن كان يرجوا الله واليوم الاخر وذكر الله كبيرا))(سورۃ الاحزاب، آیت نمبر 21)

''بے شک تمہارے لیے رسول اللہ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے، اس کیلئے کہ جو اللہ اور آخرت پر یقین رکھتا ہے اور اللہ کو بہت یاد کرے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع واقتداء، آپ کے طریق، اقوال، افعال، احوال اور اخلاق کو اپنانا لازم ہے۔ اس پر یہ آیت شریفہ سند کبیر اور بنیادی حیثیت کی حامل ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کی اقتداء کا حکم دیا ہے تو اقتداء محبت کے بغیر نہیں ہوسکتی، گویا اس نص نے وجود محبت کو شرط قرار دیا ہے کیونکہ وجوب اقتداء وجود محبت کا متقضی ہے۔ انسان، محبوب ہی کی اقتداء کرتا ہے۔ محبوب ہی کے نقش قدم پر چلتا ہے، خصوصاً احوال واخلاق میں اور آپ کی ذات اقدس تو بے مثل رہنما ہے۔

رسول اللہ کی محبت پر غیر کی محبت کو مقدم کرنے پر عذاب کی دھمکی:

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس پر وعید سنائی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت پر کسی مخلوق کی محبت کو مقدم نہ بنائیں۔ خواہ وہ شے انسان کو کتنی ہی عزیز کیوں نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

((قل ان كان اباؤ كم وابناؤ كم واخوانكم وازواجكم وعشير تكم واموال اقترفتموها وتجارة تخشون كسادها و مسكن ترضونها احب اليكم من الله و رسوله وجهاد في سبيله فتربصوا حتى ياتي الله بامره والله لا يهدى القوم الفسقين))(سورۃ التوبہ، آیت نمبر 24)

''تم فرماؤ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا کنبہ اور تمہاری کمائی کے کمال اور وہ سودا جن کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہارے پسند کا مکان، یہ چیزیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہوں تو راستہ دیکھو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے اور اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

اے اللہ کے رسول! آپ انہیں وعید سناتے ہوئے آگاہ فرمادیں جو شخص اپنے اہل، رشتہ داروں اور خاندان کو اللہ اور اس کے رسول پر ترجیح دے گا اور ان مذکورہ چیزوں کو ان سے زیادہ محبوب بنا لے گا تو پھر اس عذاب و

عقاب کے بارے میں سوچ لو جوتم پر وارد ہونے والا ہے۔اس آیت میں چند اہم امور ہیں:

1: سابقہ احادیث میں کچھ اشیاء کا ذکر آیا تھا، مثلاً والد، ولد تو اس آیت میں زیادہ اشیاء کا ذکر ہے۔ مثلاً: آباء و ابناء، بھائی، خاوند، بیوی، خاندان، اموال، تجارات، خوبصورت و پسندیدہ گھر۔ آیت میں بھائی، خاوند و بیوی اور خاندان کا تذکرہ ہے۔حدیث میں اہل اور الناس کا ذکر تھا۔آیت میں اموال، تجارت اور مساکن ہیں۔حدیث میں مال کا ذکر تھا، اس آیت اور احادیث میں مجموعی طور پر ان اشیاء کا ذکر ہے:

1:نفس۔ 2:والد۔ 3:ولد۔
4:بھائی، بہن۔ 5:خاوند و بیوی۔ 6:اہل۔
7:خاندان۔ 8:بقیہ لوگ۔ 9:اموال۔
10:تجارت۔ 11:رہائش۔

ان کے بعد کوئی شے نہیں رہ جاتی، اگر کوئی انسان ان تمام سے یا ان میں سے کسی سے، اللہ اور رسول سے زیادہ محبت رکھتا ہے تو وہ خطرے پر ہے، اسے عنقریب عذاب وعقاب ہوگا، لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ ان سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت و عقیدت رکھے۔

2: اس میں اللہ و رسول سے بڑھ کر کسی سے محبت رکھنے والے کیلئے تہدید شدید ان الفاظ میں بیان ہوئی:

((فتربصوا حتی یاتی اللہ بامرہ))

''تو انتظار کرو حتی کہ اللہ اپنا حکم لے آئے۔''

3: وعید جن الفاظ پر ختم ہو رہی ہے وہ یہ ہیں:

((واللہ لا یھدی القوم الفاسقین))

''اور اللہ تعالیٰ فاسقوں کو راہ نہیں دکھاتا۔''

فسق کے معنی خروج کے ہیں۔یہاں اسے کیا مراد ہے؟

اولاً: اس سے مراد وہ شخص ہے، جس کی فسق پر موت آئے۔

ثانیاً: اس سے مراد فاسق قوم ہے جنہیں فسق کی وجہ سے ہدایت نصیب نہ ہوئی۔اس میں وہ بھی داخل ہوں گے جنہوں نے باقی چیزوں کو اللہ و رسول سے محبت میں مقدم کر لیا تو اب ان کو بھی بہتری کی طرف ہدایت نہیں مل سکتی۔

ثالثاً: اگر اس سے مراد وہ اہل ایمان ہیں جنہوں نے اللہ اور رسول اللہ کی طرف ہجرت پر آباء و ابناء کو ترجیح دی تو اس کا فسق اطاعت سے معصیت کی طرف نکلنا ہے اور یہ ان کیلئے شدید وعید ہے۔

4: صاحب التحریر کا قول ہے کہ یہاں فسق سے مراد کفر ہے، کیونکہ مقابل ہدایت ہے اور کفر ضلالت ہے اور ضلالت، ہدایت کی ضد ہے۔

ممکن ہے یہاں فسق سے مراد اللہ کی اطاعت سے معصیت کی طرف نکلنا ہی ہو تو اب تمام اقوال اس میں آ

جائیں گے۔ وہ اس لئے کہ کبھی خروج کفر تک پہنچا دیتا ہے اور کبھی اس سے کم درجہ پر۔ اس پر قرآن مجید میں بہت سے نظائر ہیں۔ یہاں کفر اور نفاق کو فسق سے تعبیر کیا گیا ہے۔

((ولقد انزلنا الیك ایت بینت وما یکفر بھا الاالفسقون))

(سورۃ البقرہ، آیت 99)

''اور بے شک ہم نے تمہاری طرف روشن آیتیں اتاریں اور ان کے منکر نہ ہوں گے مگر فاسق لوگ۔''

((ان المنافقین ھم الفسقون))(سورۃ التوبہ، آیت نمبر 67)

''بے شک منافق وہی پکے بے حکم ہیں۔''

تیسرے مقام پر ہے:

((ومن کفر بعد ذلك فاولئك ھم الفسقون))(سورۃ النور 55)

''اور جو اس کے بعد ناشکری کرے تو وہی لوگ بے حکم ہیں۔''

چوتھے مقام پر منافقین کے بارے میں فرمایا:

((سواء علیھم استغفرت لھم ام لم تستغفر لھم لن یغفر اللہ لھم ان اللہ لا یھدی القوم الفسقین))(سورۃ المنافقون، آیت نمبر 6)

''ان کے لیے برابر ہے کہ تم ان کی معافی چاہو یا نہ چاہو۔ اللہ انہیں ہرگز نہ بخشے گا، بے شک اللہ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا۔''

واضح رہے کہ آیت میں فسق کا فقہی معنی ترک واجب نہیں کیونکہ یہاں اطاعت سے خروج ہے۔ الفاظ یہ ہے ہیں:

((ان اللہ لا یھدی))

ہدایت، ضلالت کی ضد ہے اور ترک واجب اس سے عام ہوگا۔

جو بھی اللہ و رسول سے بڑھ کر ان اشیاء کے ساتھ محبت کرے گا اس کے لئے یہ وعید ہے جو اس آیت میں بیان ہوئی ہے، اس شدید وعید سے کوئی چھٹکارا نہیں مگر جسے اپنے لطف و فضل سے بچالے۔

صاحب کشاف کہتے ہیں کہ یہ آیت اتنی شدید ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی آیت شدید نہیں۔ گویا یہ پیغام افسوس ان لوگوں پر جو دین کے معاملہ کو بڑا آسان سمجھتے ہیں اور یقین کی رسی کو کمزور، بڑے بڑے اپنے آپ کو صاحب تقویٰ اور صاحب ورع سمجھنے والوں کو انصاف کرنا چاہیے۔ کیا وہ اللہ تعالیٰ و رسول اللہ اور اس کے دین کے بارے میں اس کے مقابل استقامت اور ثابت پاتے ہیں جو انہیں آباء، ابناء، اخوان، خاندان، مال، مساکن اور تمام حصص دنیا میں حاصل ہے؟ کیا دل ان سے اللہ و رسول کی خاطر خالی ہے؟ یا اللہ تعالیٰ کے مقابل کسی حقیر شی کی طرف مصلحت کی خاطر راغب ہے؟ اور نہیں جانتا کون سی طرف اطول ہے اور شیطان نے حصص دنیا میں اغواء کر رکھا ہے اور اسے پرواہ ہی نہیں، گویا اس کے ناک پر مکھی بیٹھ گئی ہے جسے وہ اڑا رہا ہے۔

5: اس تہدید اور وعید کے بعد مسلم مومن اور اہل یقین کا کیا عمل ہونا چاہیے؟ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا حکم کامل طور پر مانے اور اللہ اور اس کے رسول سے ہر شے سے بڑھ کر محبت کرے۔ خود اللہ تعالیٰ نے سچے اہل ایمان اور کافرو مشرکین کا حال بیان فرمایا ہے:

((و من الناس من یتخذ من دون اللہ اندادا یحبونھم کحب اللہ و الذین امنوا اشد حباللہ))(سورۃ البقرہ، آیت نمبر 165)

"اور کچھ لوگ اللہ کے سوا اور معبود بنالیتے ہیں کہ انہیں اللہ کی طرح محبوب رکھنے والے اللہ سے سب سے زیادہ محبت رکھتے ہیں۔"

تو سچے مومن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے سب سے بڑھ کر محبت کرنیوالے ہوتے ہیں اور وہ ان کی محبت پر کسی کو مقدم نہیں سمجھتے۔ خواہ وہ کتنی ہی اعلیٰ و بلند کیوں نہ ہو۔

6: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت لازم ہے اور اس کا بڑا مقام ہے، اس پر یہ آیت کریمہ اہم دلیل ہے۔

حضرت قاضی عیاض فرماتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے لزوم، وجوب وفرض، اس کی عظمت اور آپ سے محبت کا استحقاق رکھنے پر یہ آیت مبارکہ بطور دلیل، حجت اور تنبیہ کافی ہے، کیونکہ اس میں اللہ نے خوب متنبہ فرمایا ہے، جو شخص ان سے اللہ و رسول سے بڑھ کر محبت کرے گا اس کیلئے یہ وعید ہے۔

((فتربصوا حتی یاتی اللہ بامرہ))

پھر اختتام آیت پر ایسے لوگوں کو فاسق قرار دیتے ہوئے بتا دیا کہ ایسے لوگ گمراہ ہیں اور انہیں اللہ ہدایت عطا نہیں فرمائے گا۔"

جب اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کو جمیع مخلوقات کی محبت سے مقدم کرنے کا حکم دیا ہے تو یہ اصلاً محبت کے لزوم پر بھی اہم دلیل ہے، کیونکہ اگر نفس محبت لازم ہی نہیں تو اس کے مقدم ہونے کا وجوب کیسے ہوسکتا ہے؟

رسول اللہ سے محبت، رسول اللہ پر ایمان کی فرع ہے:

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے ایمان کی نفی فرمائی جو اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت نہیں کرتا اور وہ اس لئے کہ ہر انسان، اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((والذی نفسی بیدہ لا تدخلون الجنۃ حتی تومنوا و لا تومنوا حتی تحابوا))(مسلم، کتاب الایمان)

"قسم ہے مجھے اس ذات اقدس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! تم ایمان لائے بغیر جنت میں نہیں جاسکتے اور اللہ کی خاطر محبت کیے بغیر تم مومن نہیں ہوسکتے۔"

تو بغیر ایمان دخولِ جنت کی نفی اور بغیر محبت کے ایمان کی نفی فرما دی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((المرء علی دین خلیله فلینظر احد کم من یخالل))(مسند احمد 2-303)

''ہر انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے۔ تم میں سے ہر ایک کو دیکھنا چاہیے کہ کسے دوست بنا رہا ہے۔''

اسے امام احمد، طیالسی، ابو داؤد، ترمذی نے حسن کہا، حاکم نے صحیح، ذہبی نے حکم برقرار رکھا، بیہقی، قضعی اور نووی نے بھی صحیح کہا۔ وہ کیسے مومن ہوسکتا ہے جو آپ ﷺ سے محبت نہیں رکھتا؟ جن کے صدقہ میں اللہ تعالیٰ نے ہدایت عطا فرمائی اور پھر آپ ﷺ کے ذریعہ سے ہی نجات ہوگی تو جس طرح آپ ﷺ پر ایمان لازم ہے اس طرح آپ ﷺ سے محبت کرنا بھی الگ لازم ہے کیونکہ آپ ﷺ سے محبت، آپ ﷺ پر ایمان لانے کی فرع ہے۔

بلکہ جب اللہ تعالیٰ نے اس کی خاطر محبت کرنے والوں کی محبت لازم فرمائی ہے، جیسا کہ امام مالک اور امام احمد نے روایت کیا ہے۔

بلکہ انصار کی محبت کو ایمان کا حصہ اور ان کی محبت کو علامت ایمان قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ حدیث انس میں ہے۔ (البخاری، کتاب الایمان)

تو آپ ﷺ سے محبت کا کیا مقام ہوگا؟

بلکہ آپ ﷺ نے فرمایا جو ان سے محبت کرے اللہ ان سے محبت فرمائے گا جیسا کہ حدیث براء میں ہے۔ (بخاری، مناقب الانصار)

انصار کو یہ مقام کہاں سے ملا؟ آپ ﷺ پر ایمان، آپ ﷺ سے محبت، آپ ﷺ کی خدمت ونصرت اور اتباع سے تو ان کی محبت ایمان کی علامت اور ان سے بغض، نفاق کی علامت اور ان کی محبت امت پر لازم، جو ان سے محبت کرے اس سے اللہ تعالیٰ محبت فرماتا ہے تو ان سے محبت کرنیوالوں سے بھی محبت لازم ٹھہری تو جب آپ ﷺ کے توسل وصدقہ سے پانے والوں کی محبت لازم ہے تو خود مصطفےٰ ﷺ سے محبت لازم وفرض کیوں نہ ہوگی؟

علماء نے ایمان کے کئی درجات بیان کئے ہیں۔ سب سے کم درجہ عوام کے ایمان کا ہے۔ پھر تقلیدی ایمان، پھر ایمان عقلی، سب سے اعلیٰ ایمان ذوقی ہے اور یہ ایمان صرف اس کو نصیب ہوسکتا ہے جو اپنے اللہ اور رسول ﷺ سے کامل طور پر محبت کرنے والا ہو، آپ ﷺ کا محب صادق اس بلند درجہ پر کیوں نہ ہو؟ کیونکہ ایسی محبت، ایمان حقیقی کی علامت ہے جس کی وجہ سے مومن اپنے اندر ایسی حلاوت و ذوق پاتا ہے کہ پھر اس کی مستی میں وہ اپنے شب وروز گزارتا ہے، ایمان کی حلاوت بھی ہے اور ذائقہ بھی، اس کا شعور صرف کامل ایمان والا ہی کر سکتا ہے۔

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس میں تین چیزیں ہوں گی وہ ایمان کی حلاوت پائے گا:

1: اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ اُسے ہر شے سے محبوب ہوں۔

2: بندہ ہر شے سے اللہ کی خاطر محبت کرے۔

3: اسلام لانے کے بعد کفر کی طرف لوٹنا اس طرح ناپسند ہو جیسے آگ میں جانا۔ (بخاری، کتاب الایمان)

محبت نبی انسان کو اس وقت ہی حلاوت ایمان بخشے گی جب آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کو رضاء تام اور کامل طور پر دلی رغبت سے اس طرح قبول کرلیا جائے کہ آپ ﷺ کی طرف سے اور آپ ﷺ کی نسبت سے جو بھی حکم آئے گا اس پر ظاہر و باطن سے عمل ہوگا۔

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ذاق طعم الایمان من رضیٰ باللہ رباً وبالا سلام دینا و بمحمد رسولاً))

(مسلم، کتاب الایمان)

"جو اللہ کو رب مان کر، اسلام کو دین مان کر اور محمد ﷺ کو رسول مان کر راضی ہو گیا تو اس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا۔"

جو آدمی چاہتا ہے کہ وہ ایمان کی حلاوت چکھے اس کی پہلی صفت یہ ہونی چاہیے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے ہر شے سے بڑھ کر محبت کرے۔ جب ایمان واجب ولازم ہے تو اس تک پہنچانے والی شے بھی لازم ہو گی۔

یہاں قابل توجہ ایک بات یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے دونوں محبتوں کو ضمیر واحد سے بیان فرمایا ہے:

((احب الیہ مما سوا ھما))

، پھر "مما سواھما" فرمایا: "من سواھما" نہیں فرمایا حالانکہ "ما" عاقل غیر عاقل دونوں کو شامل اور "من" صرف عاقل کے لئے آتا ہے تو مقصد دونوں کو شامل کرنا تھا، جن جن محبوب اشیاء کا ذکر گزرا ان میں عاقل بھی ہیں، جیسے: والدین، ابناء، اخوان، ازواج، اہل، خاندان۔ اور غیر عاقل بھی ہیں، جیسے: مال، تجارت، مساکن۔ تو لفظ "ما" تمام کو شامل ہے۔

باقی آپ ﷺ نے اسم جلالت اور لفظ رسول ذکر کرنے کے بجائے دونوں کی طرف ضمیر ذکر فرمائی ہے، اس کی متعدد حکمتیں بیان کی گئیں ہیں۔ سب سے اچھی یہ ہے کہ تثنیہ کی ضمیر لا کر اس بات کو واضح کر دیا گیا ہے کہ ان دونوں محبتوں کا مجموعہ معتبر ہے، ان میں سے ایک کا اعتبار نہیں ہو سکتا۔ جب تک دوسری اس سے نہ ملے۔ مثلاً: جو اللہ سے محبت کرتا ہے مگر آپ ﷺ سے محبت نہیں رکھتا تو ایسی محبت اس کیلئے ہرگز نافع نہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی میں اشارہ ہے:

((قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ))

(آل عمران: 31)

"اے محبوب! تم فرما دو کہ لوگو! اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا۔"

آپ ﷺ کی اتباع دونوں میں دائر ہے۔ بندوں کی محبت اللہ سے اور اللہ کی محبت بندوں سے۔ رہا معاملہ اس خطیب کا جس نے کہا ''ومن یعصھما'' (جس نے اللہ و رسول ﷺ دونوں کی نافرمانی کی) تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا: تو اچھا خطیب نہیں۔ تجھے دونوں کا ذکر الگ الگ کرنا چاہیے تھا۔ اس کی حکمت یہ تھی کہ دونوں کی نافرمانی مستقل اور الگ الگ تھی اور یہ چیز عطف سے حاصل ہوتی ہے۔ معطوف اور معطوف علیہ دونوں حکم میں مستقل ہوتے ہیں۔ اس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔

((اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم))(سورۃ النساء :59)

''حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول ﷺ کا اور ان کا جو تم میں حکومت کرنے والے ہیں۔''

رسول کے ساتھ اطیعوا کا اعادہ ہے لیکن اولی الامر کے ساتھ نہیں کیونکہ ان کی اطاعت رسول ﷺ کی اطاعت کی طرح مستقل نہیں۔ (فتح الباری 1-61)

ہم کہتے ہیں کہ جب دونوں محبتوں کا پس منظر ایک ہے تو ''مما سواھما'' جو رہنمائی کر رہا ہے ان دونوں کا حکم واحد ہے اور دونوں لازم ہیں، یہ نہیں ہو سکتا کہ ان میں سے ایک تو لازم ہو جبکہ دوسری لازم نہ ہو تو یہ اس بات پر کھلی دلیل ہے کہ دونوں محبتیں فرض ہیں۔

اللہ اور رسول کی محبت کی دو اقسام:

اللہ تعالیٰ کی محبت کی دو اقسام ہیں:

1: فرض محبت۔ 2: مستحب محبت۔

فرض محبت: ایسی محبت جو انسان کو اس کے اوامر کو بجالانے اور اس کے نواہی سے رکنے پر ابھارے، اپنے مقدر پر خوش رہے، جو شخص معصیت میں پڑ جاتا ہے خواہ حرام کا ارتکاب کر کے یا ترک واجب کر دے تو اس میں محبت الٰہی کی کمی ہو چکی ہوتی ہے، کیونکہ اس نے خواہش نفس کو مقدم کر لیا، کبھی اس میں کمی مباحات میں کھلی چھٹی اور ان کی کثرت سے بھی ہو جاتی ہے کیونکہ اس سے غفلت پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے انسان رجا کے پہلو میں وسعت سمجھ لیتا ہے جو اسے معصیت پر ابھارتی ہے یا دائمی غفلت کا شکار ہو کر معصیت میں پڑا رہتا ہے۔

مستحب محبت: نوافل پر دوام، شبہات سے اجتناب، ایسی محبت سے کم ہی لوگ متصف ہوتے ہیں۔

اسی طرح آپ ﷺ سے محبت کی دو اقسام ہیں:

1: فرض۔ 2: مستحب۔

ہاں اتنا اضافہ سامنے رہے کہ مامورات اور منہیات وہی ہوں گے جو آپ ﷺ نے عطا فرمائے، صرف آپ ﷺ کا طریقہ ہی اپنایا جائے، آپ ﷺ کی تعلیمات پر ہی اطمینان ہو۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ کے کسی حکم پر دل میں تنگی پیدا نہ ہو، جود، ایثار، حلم اور تواضع وغیرہ جیسی اعلیٰ صفات میں آپ ﷺ کی اقتداء کی جائے، جو اپنے نفس کو اس راہ کا پابند بنالے گا وہ حلاوت ایمان پالے گا اور اس کے مطابق اہل ایمان کے مختلف درجات ہیں، حکم تو یہی ہے۔ رہی حقیقت کیا ہے؟ تو اسے ذوق کے علاوہ کسی سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا اور خود ذوق کی بھی کوئی تعبیر نہیں، اس کی ماہیت

کو لفظوں میں واضح نہیں کیا جا سکتا۔ بس وہ ذوق ہی ہے اور کچھ نہیں۔ ہم اسے جتنا بھی واضح کریں وہ رہنمائی تو ہے ذوق نہیں کیونکہ اس کا حصول تو ذوق سے ہی ہوگا تو جو حلاوت ایمان کا ذوق چاہتا ہو وہ محبت نبی ﷺ اپنے اوپر لازم سمجھ لے۔

درود وسلام کا اجر وثواب:

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ پر درود وسلام پڑھا کریں اور یہ واضح کیا کہ یہ خود اللہ تعالیٰ اور اس کے ملائکہ کا بھی معمول ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

((ان اللہ وملئکته یصلون علی النبی یایھا الذین امنوا صلوا علیه وسلموا تسلیما))(الاحزاب:56)

''بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر اے ایمان والو! ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔''

درود وسلام عرض کرنے کے بہت ہی فوائد ہیں:

1: صلوۃ وسلام عرض کرنے والے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوۃ کا نزول ہوتا ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔
(المسلم، کتاب الصلاۃ)

2: روز قیامت حضور ﷺ کا سب سے زیادہ قرب نصیب ہوگا جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے۔

3: ایسے شخص کے دنیاوی واخروی امور کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ کی ہے، جیسا کہ حضرت ابی بن کعب کی حدیث میں ہے۔

جب آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں درود وسلام کا مقام یہ ہے تو آپ ﷺ سے محبت کا مقام کیا ہوگا؟ یہ ثواب واجر جو کچھ پایا جا رہا ہے یہ سب آپ ﷺ پر صلوۃ وسلام عرض کرنے کی برکت ہے تو جب درود وسلام عرض کرنا لازم ہے تو پھر محبت کیوں لازم نہ ہوگی، بلکہ یہ واجب نہیں ''اوجب'' ہوگی کیونکہ صلوۃ وسلام اور اس میں کثرت محبت کا ہی مظہر ہے۔ جب مظہر واجب ہے تو اصل ''اوجب'' ہوگا۔

(تفصیل کے لیے دیکھیے عنوان درود وسلام (جزء: محبت نبی کے تقاضے))

رسول اللہ کے لیے خیر خواہی:

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کیلئے خیر خواہی امت مسلمہ پر لازم فرما دی ہے۔ جیسا کہ خود اپنی ذات اقدس اور کتاب اللہ کے لئے اسے لازم رکھا ہے۔ معذورین پر جہاد اس شرط پر ساقط فرما دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی خیر خواہی کریں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

((لیس علی الضعفاء ولا علی المرضی ولا علی الذین لا یجدون ما

ینفقون حرج اذا نصحوا للہ ورسولہ ما علی المحسنین من سبیل واللہ غفور رحیم))(التوبہ 91)

''ضعیفوں پر کچھ حرج نہیں اور نہ بیماروں پر اور نہ ان پر جنہیں خرچ کا مقدور نہ ہو جب کہ اللہ اور رسول کے خیر خواہ رہیں۔نیکی والوں پر کوئی راہ نہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ساتھ غزوہ میں شرکت کی تلقین فرمائی تو صحابہ کی ایک جماعت حاضر ہوئی جس میں حضرت عبداللہ بن مغفل المزنی رضی اللہ عنہ بھی تھے، انہوں نے عرض کیا:

''یارسول اللہ ﷺ ہمیں کوئی سواری مل جائے تو ہم بھی شرکت کریں۔''

فرمایا:

((لا اجد ما احملکم علیہ))

''میرے پاس نہیں جس پر تمہیں سوار کروں۔''

تو وہ روتے ہوئے واپس ہوئے، ان پر یہ بات گراں گزری کاش! ہمارے پاس بھی سواری اور خرچ ہوتا تو ہم بھی جہاد میں شریک ہوتے، اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ اور حضور ﷺ کے ساتھ ان کی محبت دیکھی تو ان کے عذر کو قرآن میں نازل فرمایا:

((لیس علی الضعفاء ولا علی المرضی............فھم لا یعلمون))(التوبہ 91)

''ضعیفوں پر کچھ حرج نہیں اور نہ بیماروں پر۔''

حضرت تمیم داری علیہ الرحمۃ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

دین خیر خواہی کا نام ہے۔ہم نے عرض کیا: کس کی خیر خواہی؟ فرمایا:

((للہ ولکتابہ ولرسولہ ولائمۃ المسلمین وعامتھم))

(مسلم، کتاب الایمان)

''اللہ کی، اس کی کتاب، اس کے رسول ﷺ، مسلمانوں کے آئمہ اور عام مسلمانوں کی۔''

قاضی عیاض علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

''ہمارے آئمہ نے تصریح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ کی اور تمام مسلمانوں کی خیر خواہی لازم ہے۔''(الشفاء:2-582)

امام ابوبکر الاجری کہتے ہیں:

''یہ خیر خواہی دو طرح کی ہے: ایک آپ ﷺ کی دنیاوی زندگی میں اور دوسری وصال کے بعد۔ ظاہری حیات میں صحابہ کی خیر خواہی، آپ ﷺ کی مدد، حفاظت، آپ ﷺ کے مخالفین سے دشمنی، آپ ﷺ کی سمع واطاعت اور آپ ﷺ کی خاطر جان و مال کی قربانی تھی۔

جیسا کہ باری تعالیٰ نے واضح فرمایا:

((رجال صدقوا ماعاهدوا الله عليه فمنهم من قضى نحبه ومنهم من ينتظر وما بدلوا تبديلا))(الاحزاب 23)

''کچھ وہ مرد ہیں جنہوں نے سچا کر دیا جو عہد اللہ سے کیا تھا تو ان میں کوئی اپنی منت پوری کر چکا اور کوئی راہ دیکھ رہا ہے اور وہ ذرا نہ بدلے۔''

دوسرے مقام پر فرمایا:

((وينصرون الله ورسوله اولئك هم الصدقون))(الحشر۔8)

''اور اللہ و رسول ﷺ کی مدد کرتے ہیں وہ سچے ہیں۔''

آپ ﷺ کے وصال کے بعد مسلمانوں کی خیر خواہی یہ ہے کہ آپ ﷺ کی توقیر و تعظیم اور ہر شے سے بڑھ کر محبت، آپ ﷺ کے طریقہ کی تعلیم، شریعت کا فہم، اہل بیت و صحابہ سے پیار، آپ ﷺ کے طریقہ سے انحراف کرنے والے سے نفرت و بغض اور پرہیز کرے۔ آپ ﷺ کی امت سے پیار، آپ ﷺ کے، اخلاق، سیرت و اعمال کا مطالعہ کرنا اور ان پر زندگی بسر کرنا۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں، ہمارے گفتگو سے واضح ہو گیا کہ خیر خواہی ثمرات محبت میں سے ایک ثمر اور اس کی علامات میں سے ایک علامت ہے۔

امام احمد کا قول ہے:

''اعتقادی فرائض میں سے ایک یہ ہے کہ حضور ﷺ کے ساتھ خیر خواہی کا جذبہ ہے۔''

امام قرطبی علماء کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ سے خیر خواہی آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق، امر و نہی میں آپ ﷺ کی فرمانبرداری، آپ ﷺ کے دوستوں سے محبت، دشمنوں سے نفرت، آپ ﷺ کی توقیر و محبت، آپ ﷺ کی آل سے محبت، آپ ﷺ کی تعظیم، سنت کی تعظیم، مردہ سنت کا احیاء، اس کا مطالعہ، اس کا فہم اس کا دفاع اور اشاعت، اس کی دعوت اور آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ سے متصف ہونا ہے۔''

(القرطبی:8-227)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

((لايؤمن احدكم حتىٰ اكون احب اليه من والده وولده والناس اجمعين))

''تم میں سے کوئی ہرگز اس وقت تک ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کی اولاد، والدین اور تمام لوگوں سے زیادہ اس کا محبوب نہ ہو جاؤں۔''

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

((ان رجلًا اتى النبى صلى الله عليه وسلم فقال متى الساعة يا رسول الله

قال ما اعددت لها قال ما اعددت لها من كثيرة صلوٰة ولا صوم ولا صدقة ولكني احب الله ورسوله قال انت مع من احببت))

(بخاری، عربی صفحہ نمبر ۹۱۱)

''ایک شخص نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا: قیامت کب آئے گی یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے لئے تو نے کیا توشہ تیار کر رکھا ہے؟ اس شخص نے عرض کیا: میں نے قیامت کیلئے نہ بہت نماز کو توشہ بنایا ہے اور نہ بہت روزوں کو اور نہ بہت صدقہ دینے کو لیکن میں توشہ آخرت اس کو سمجھتا ہوں کہ مجھے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ محبت ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: قیامت کے دن تیرا حشر اس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ تیری محبت ہے۔''

اسلام نے آقا دو جہاں ﷺ کی محبت لوگوں پر فرض کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد سے اسے واجب فرمایا ہے:

((قل ان كان آباؤكم أبناؤكم واخوانكم وأزواجكم و عشيرتكم واموال نِ اقترفتموها وتجارة تخشون كسادها ومساكن ترضونها أحب اليكم من اللّٰه رسوله وجهاد في سبيله فتربصوا حتى ياتي الله بامره والله لا يهدى القوم الفسقين))

''تم فرماؤ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور کنبہ اور کمائی کے مال اور وہ سامان تجارت جس کے نقصان کا تمہیں اندیشہ رہتا ہے اور تمہارے پسندیدہ مکانات اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے تمہیں زیادہ پیارے ہوں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیجے اور اللہ تعالیٰ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا۔''

اس آیت کی تفسیر میں قاضی عیاض لکھتے ہیں کہ یہ آیت رسول اکرم ﷺ کی محبت اپنے اوپر فرض کر لینے اور لازم پکڑنے، نیز آپ کے عظیم مرتبہ اور آپ کو اس محبت کا حق دار سمجھنے پر رغبت دلانے اور راہنمائی کے کافی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں اپنے اس قول سے اس شخص پر سختی کی ہے اور اسے دھمکی دی ہے جسے اپنے مال، اہل وعیال اور اولاد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے زیادہ پیارے ہوں، پھر آیت کے اختتام پر انہیں فاسق قرار دیا اور انہیں بتایا کہ وہ ایسے گمراہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ ہدایت عطا نہیں فرمائے گا۔

((فلا يصدق ايمان المومن ولا يذوق حلاوته ويجدبين جوانبه روعته حتى يكون اللّٰه ورسوله احب اليه مما سواهما))

(''کتاب الشفاء'' ج ۲، ص ۲۵)

''پس کسی مومن کا ایمان اس وقت تک سچا نہیں ہو سکتا اور نہ ہی وہ ایمان کی مٹھاس چکھ سکتا ہے اور نہ ہی اپنے پہلوؤں میں اس کی ہیبت کو محسوس کر پاتا ہے، جب تک اللہ اور اس کا رسول ﷺ اس کے

نزدیک سب سے زیادہ محبوب نہ ہو جائیں۔"
اور دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:
((فاتبعونی یحببکم اللّٰہ))
"تم میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائے گا۔"
حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:
"جس شخص میں تین باتیں پائی جاتی ہیں اس نے ایمان کا مزہ چکھ لیا:

1: پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ اسے سب سے زیادہ محبوب ہوں۔
2: دوسری یہ کہ اگر وہ کسی سے محبت کرے تو وہ صرف اللہ کی رضا کے لئے ہو۔
3: تیسری یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسے ایک مرتبہ کفر سے نکالا ہے، اب دوبارہ کفر کی طرف لوٹ جانے کو ایسے ناپسند کرے جیسے کوئی شخص یہ ناپسند کرتا ہے کہ اسے آگ میں دھکیل دیا جائے۔

("ریاض الصالحین" ص ۱۷۸)

فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں:
((ما کان احد احب الی من رسول اللّٰہ ﷺ ولا اجل فی عینی وما کنت اطیق ان املا عینی منه اجلالا له حتی لو قیل لی صفه ما استطعت أن أصفه))
(مسلم نے اس حدیث کو روایت کیا ہے)

"کوئی شخص بھی مجھے جناب رسول اللہ ﷺ سے زیادہ پیارا نہیں تھا اور نہ ہی میری نظروں میں کوئی آپ ﷺ سے زیادہ بڑا تھا۔ آپ ﷺ کے وقار کے باعث میں اس بات کی طاقت نہیں رکھتا تھا کہ میں آنکھیں بھر کر آپ کو دیکھ سکوں۔ یہاں تک کہ اگر مجھے کہا جائے کہ ذرا آپ کی صفات تو بیان کیجئے تو میں کما حقہ بیان نہیں کر سکتا۔"

مسلمانوں کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے والہانہ محبت کے سلسلے میں زید ابن الدشنہ کا واقعہ باقی تمام قصوں میں سے خوبصورت ترین سمجھا جاتا ہے۔

امام بیہقی نے حضرت عروہ سے روایت کیا کہ جب اہل مکہ نے زید بن الدشنہ کو قتل کے ارادہ سے حرم کعبہ سے نکالا (آپ نے جنگ رجیع میں گرفتار ہوئے تھے) تو ابوسفیان بن حرب نے (جو اس وقت تک مشرک تھا) آپ سے یوں کہا:

"اے زید! میں تجھے اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ کیا تو اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اس وقت تیرے بجائے محمد ہمارے پاس موجود ہوتے اور ہم (معاذ اللہ) ان کو قتل کر دیتے اور تو اپنے گھر والوں میں خوشیاں منا رہا ہوتا۔"

زید بولے: بخدا! مجھے تو یہ بھی پسند نہیں کہ آقائے دو جہاں ﷺ اب جس جگہ قیام پذیر ہیں وہاں آپ

ﷺ کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھے اور میں صحیح سالم اذیتوں سے بچ کر اپنے گھر والوں میں لوٹ جاؤں۔

یہ سن کر ابوسفیان نے کہا:

''میں نے لوگوں میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہیں دیکھا جو کسی سے اتنی محبت رکھتا ہو جتنی محبت محمد ﷺ کے اصحاب کو آپ کے ساتھ ہے۔''

اسی قبیل سے حضرت عبداللہ بن زید کا واقعہ ہے کہ جن کے پاس ان کے بیٹے رسول اکرم ﷺ کے وصال کی خبر لے کر آئے وہ گڑگڑاتے ہوئے چلا اُٹھے:

((اللهم اذهب بصری حتی لااری بعدحبیبی محمد أحداً فاستجاب الله لدعوته وکف بصره))(''المواهب''، ج۶، ص ۲۹۲)

''اے اللہ! میری بینائی اچک لے تاکہ میں اپنے حبیب محمد ﷺ کے بعد کسی کو نہ دیکھ سکوں، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور بینائی جاتی رہی۔''

اسلام نے مسلمانوں پر آقائے دو جہاں ﷺ کی محبت فرض کی ہے تو اس میں ایک عظیم حکمت کارفرما ہے۔محبت کا معنی ہے فرمانبرداری اور اطاعت کرنا۔مسلمان کا حضور علیہ السلام کی اطاعت کرنا اسے ہمیشہ صراط مستقیم پر چلانے کا ضامن ہے اور یہ محبت شریعت اور سنت کو ہی ایک سچے مسلمان کا راستہ قرار دیتی ہے جس پر وہ چلتا ہے اور اسے ہمیشہ چلنا ہے اور اس کو ایک ایسے رنگ میں رنگ دیتی ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے محبوب کے نقش پا کی تلاش میں رہتا ہے اور اپنے محبوب کی احسن طریقے سے پیروی کرتا ہے اور اس پیروی کے ذریعے وہ بہترین نمونہ زندگی حاصل کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا اس بارے میں ارشاد ہے:

((لقد کان لکم فی رسول اللّٰه اسوة حسنة لمن کان یرجوا اللّٰه والیوم الاخر وذکر اللّٰه کثیرا))

''بے شک تمہارے لیے رسول اللہ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے، اس کے لیے جو اللہ اور آخرت کے دن کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت یاد کرے۔''

رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں:

'جس شخص نے اعمال کی بنیاد پر کسی قوم سے محبت کی، قیامت کے دن اس کو ان کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔''

آپ ﷺ کا یہ بھی فرمان ہے:

((من احب سنتی فقداحبنی ومن احبنی کان معی فی الجنة))

''جس شخص نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس شخص نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔''

سنت کا مرتبہ:

درجہ اور مرتبہ کے لحاظ سے جناب رسول اللہ ﷺ کی سنت، قرآن کریم کے بعد آتی ہے اور حدیث وسنت، قرآن کریم کی آیات کی تفسیر، ان کے احکام کے بیان اور ان کے مقاصد کی وضاحت کے لئے وجود میں آئی۔ قرآن کریم کی بعض آیات مجمل صورت میں نازل ہوئیں، بعض عام ہیں، کچھ مطلق ہیں اور یہ احادیث شریفہ ہی ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی منشاء اور مراد سے لوگوں کو آگاہ کیا اور اس کی تعریف وتحدید کی۔

چنانچہ اس حقیقت کو واضح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((وانزلنا الیك الذکر لتبین للناس مانزل الیھم))(نحل:۴۴)

''اے محبوب! ہم نے تمہارے طرف یہ ذکر اتارا کہ تم لوگوں سے بیان کرو جو ان کی طرف اترا۔''

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے نماز، روزہ اور زکوٰۃ کا اجمالاً حکم دیا ہے۔ اسی طرح کچھ حدود جو زانی، چور، شرابی وغیرہ کے ساتھ مخصوص ہیں، ان کا اجمالی طور پر ذکر کیا ہے اور یہ سنت رسول ہی ہے جس نے نماز کے معانی کی شرح، اس کے اوقات اور کیفیت کی وضاحت کی ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ کی تفصیل اپنے ذمے لی ہے اور یہ سنت ہی ہے جس نے ان اسلامی حدود کی شرح کی ہے، جو مذکورہ بالا جرائم کے لئے خاص ہیں۔ اللہ جل جلالہ ہمیں جناب رسول اللہ ﷺ کے اتباع، آپ کے حکموں کی تعمیل اور ان کی عدم مخالفت کا حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے:

((وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنه فانتھوا))

''اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔''

نیز فرمایا:

((وما کان لمومن ولا مومنة اذا قضی اللّٰہ ورسوله أمرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم))

''اور نہ کسی مسلمان مرد نہ کسی مسلمان عورت کو پہچانتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول جو کچھ حکم فرمادیں تو انہیں کچھ اپنے معاملے کا اختیار رہے۔''

آپ ﷺ ایک بشر تھے لیکن ایسے بشر جن کی طرف وحی کی جاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص حفاظت کے زیر سایہ آپ کی پرورش کی اور اپنی نگہداشت، مہربانی اور رحمت کے ساتھ آپ کا احاطہ کرلیا اور آپ ﷺ کی ذات میں بلند اخلاق اور دیگر اعلیٰ درجے کی خصلتیں جمع کردیں۔

فتح مکہ کے موقع پر اسلام لانے والے لوگوں میں سے ایک آدمی جناب رسول اللہ ﷺ کے حضور کھڑا ہوا۔ آپ کی ہیبت سے کانپنے لگ گیا اور اپنی جگہ سمٹ گیا۔ وہ اپنی جگہ سے نہ آگے ہوتا اور نہ پیچھے۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: کیوں گھبراتے ہو؟ میں قریش اس عورت کا بیٹا ہوں جو مکہ میں گوشت کے سوکھے ٹکڑے کھایا کرتی تھیں۔

ایک دن ایک بداخلاق اور بدمزاج آدمی آپ کی خدمت میں آیا۔ وہ آپ سے اس سے پہلے کبھی نہیں ملا تھا

مگر آپ کا سنا ضرور تھا اور یہ بھی سنا تھا کہ آپ قریش کے معبودوں کو برا کہتے ہیں۔ چنانچہ اس نے اپنی تلوار اٹھائی اور قسم کھائی کہ آج وہ ضرور حضرت محمد ﷺ کے ساتھ اپنا حساب چکا دے گا۔ وہ جب پہنچا تو بڑے غصے اور انتقامی انداز میں بات شروع کی۔ جناب رسول اللہ ﷺ بڑے سکون اور خاموشی کے ساتھ اس کی باتیں سنتے رہے اور مسکراتے رہے۔ یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ آپ نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھا۔ بس چند ہی لمحے گزرے تھے کہ اس کا رویہ بدل گیا اور دل ہی دل میں وہ بہت شرمسار ہوا اور جناب رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں اور قدموں پر گر پڑا اور معذرت کرتے ہوئے انہیں بوسے دینے لگ گیا۔ وہ کہہ رہا تھا:

''اے محمد ﷺ بخدا جب میں آپ کی طرف آیا تو روئے زمین پر آپ سے زیادہ میرا کوئی دشمن نہیں تھا اور اب میں آپ کے ہاں سے جا رہا ہوں تو روئے زمین پر آپ سے زیادہ میرا کوئی محبوب نہیں۔''

جناب رسول اللہ ﷺ کی پروقار اور پرسکون انداز میں مسکراہٹ، آپ کی رواداری اور صبر نے اس شخص کے غیظ وغضب اور ناراضگی میں انقلاب برپا کر دیا اور اس کو انتہائی غصہ سے انتہائی محبت تک پہنچا دیا۔

قریش کے بڑے بڑے جابر اور سرکش سرداروں کے ساتھ آپ کو اس طرح کے کئی واقعات پیش آئے۔

آپ کا وہ طرز عمل بہترین طرز عمل تھا جو آپ نے ان لوگوں کے ساتھ اختیار کیا، جنہوں نے مکہ مکرمہ میں آپ کو طرح طرح کی تکلیفیں دیں، آپ کے ساتھ لڑائیاں کیں، آپ کو شہید کرنے کی سازشیں کیں، آپ کے صحابہ کے ساتھ وہ بری کارستانیاں کیں کہ جن کے ذکر سے جسم لرزہ براندام ہو جاتا ہے۔ اسی لئے ان میں سے ہر ایک کو یہی توقع اور یہی ڈر تھا کہ فتح مکہ مبین کے دن آپ ان سے بدترین انتقام لیں گے۔ مگر اس کے برعکس آپ ﷺ نے ان کے ساتھ ایسا کوئی معاملہ نہیں کیا۔ صحن کعبہ میں خطبہ کے بعد آپ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

''بتاؤ! تمہاری کیا رائے اور تمہارا کیا اندازہ ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا کرنے والا ہوں۔''

ان سب کے منہ سے بیک آواز یہ کلمات نکلے:

''بھلائی، کیونکہ آپ معزز بھائی ہیں اور معزز بھائی کے بیٹے ہیں۔''

آپ ﷺ نے ان سے اس کے جواب میں فرمایا:

''جاؤ تم سب آزاد ہو''۔ اس حسن سلوک کا یہ اثر ہوا کہ ان کی اکثریت مشرف بہ اسلام ہوگئی۔

((ومن علامات محبت النبی ﷺ کثرۃ ذکرہ لہ فمن احب شیاء اکثر ذکرہ قال بعضھم المحبۃ دوام الذکر للمحبوب)) (شفاء، جلد۲، صفحہ نمبر ۲۵)

''حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت کی علامات سے یہ ہے کہ آنحضرت کو بہت یاد کرے، اس لئے کہ جو شخص کسی شے سے محبت رکھتا ہے اس کو بہت یاد کرتا ہے اور بعض بزرگوں نے محبت کا معنی یہ کیا ہے کہ محبوب کی یاد ہمیشہ رہتی ہے۔''

تو اس کا نام محبت اس لئے کہ حمد و ثناء کی غائت مدح کرنے والے پر ممدوح کے برکات کا انعکاس ہے۔ جیسا کہ حضرت حسان نے فرمایا:

ما ان مدحت محمد ابمقالتی

لکن مدحت مقالة بمحمد

''میں نے اپنی کلام سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ستائش نہیں کی، بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعریف سے اپنی کلام کو زیبائش دی ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت واتباع کی فرضیت

اطاعت (یا طاعت) کا لغوی معنی نرم ہونا، مطیع ہونا اور فرمانبرداری پر دلالت کرتا ہے، تو اطاعت کسی کا حکم مان لینا، اس کے حکم کو بجالانا اور اسی کی سنگت اختیار کرنا ہے۔

اطاعت یا تو رضا، خوشی، قناعت اور محبت و دلی رغبت سے ہوگی تو اس وقت وہ مطیع کو بغیر کسی جبر و مجبوری کے فرمانبردار بنائے گی یا وہ کسی مجبوری و امر کے خوف کے باعث ہوگی۔ اب اس کا سبب خارجی ہے اور وہ آمر کی سطوت اور اس کا خوف ہے۔ ان دونوں حالتوں اور ان پر مرتب ہونے والے اثر کے درمیان فرق ہے۔

پہلی اطاعت کا چشمہ مطیع کے اندر ہے وہ بطور محبت، رغبت، اختیار اور رضا ہے جب کہ دوسری خوف، عذاب اور گرفت و انتقام کی وجہ سے ہے، یہی وجہ ہے دوسری کبھی ختم ہو جاتی ہے، مثلاً: جب آمر غائب ہو جائے یا کہیں دور ہو لیکن پہلی اطاعت ہمیشہ قائم رہتی ہے۔ وہ مختلف یا منقطع نہیں ہوتی، اس کا سرچشمہ خارج نہیں بلکہ مطیع کی ذات ہے۔ ہاں کبھی اس میں اسباب متعددہ کی وجہ سے ضعف آسکتا ہے لیکن بالکلیۃ اس کا اختتام نہیں ہوتا، سچا مومن مسلم بطور محبت اور ذوق و شوق سے اطاعت کرتا ہے، ہاں وہ خوف و ڈر کی وجہ سے اطاعت کرتا ہے مگر اس وقت جب اس سے کوتاہی ہو جائے، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اولاً اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہی ہے، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی نے بھیجا ہے، اسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو بجالانے کا حکم دیا ہے۔ تو جس نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی ہی اطاعت کی۔ جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، اسی لئے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ایک ہی نص اور ایک ہی پس منظر میں بیان ہوئی ہیں۔

اطاعت کے ساتھ محبت، رغبت اور فرمانبرداری کو بھی شامل کر لیا جائے تو سچے مومن کے نفس پر سب سے بڑا اثر یہی اطاعت ہے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ایمان کی حلاوت پانے کیلئے یہ شرط ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رب ہونے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کو دل و جان سے قبول کیا جائے، یہ بات سب سے بڑی دلیل ہے کہ حلاوت اطاعت کا باعث ہے کیونکہ ایمان کو اطاعت لازم ہے۔

قرآن کریم نے اطاعت کی دونوں اقسام کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ خوشی سے یا مجبوری سے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((ثم استوی الی السماء وھی دخان فقال لھا وللارض ائتیا طوعا او کرھا قالتا اتینا طائعین))(حم السجدة :11)

''پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا اور وہ دھواں تھا تو اس سے اور زمین سے فرمایا کہ دونوں حاضر ہو خوشی سے، چاہے ناخوشی سے، دونوں نے عرض کی کہ ہم رغبت کے ساتھ حاضر ہوئے۔''

جب یہ جماد (بے جان چیزوں) کا حال ہے تو انسان کا حال کیا ہونا چاہیے؟ اسے کس قدر اطاعت بجالانی چاہیے۔ اس بات کو ذہن نشین رکھئے کہ عبادت بھی یا تو خوشی سے ہوتی یا مجبوراً جیسا کہ اطاعت۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((وله اسلم من فی السموت والارض طوعاً وکرھاً))(آل عمران 83)

''اور اسی کے حضور گردن جھکائے ہیں جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں، خوشی سے خواہ مجبوری سے اور ان کے سائے بھی صبح وشام۔''

سجدہ، مظاہر عبادت میں سے اعلیٰ مظہر ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ کی اطاعت عبادت بلکہ سب سے اہم عبادت ہے۔ اگر اس کے لزوم اور اس کی مخالفت حرام ہونے پر نصوص وارد نہ بھی ہوتیں تب بھی یہ اطاعت لازم وفرض تھی، کیونکہ یہ شرط ایمان ہے تو اس کا کتنا بلند مقام ہوگا جب اس کے بارے میں کتاب اللہ کے اندر متعدد نصوص وارد ہیں، کسی میں اطاعت کا حکم ہے کسی جگہ آپ ﷺ کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے ملایا گیا ہے۔ کسی جگہ آپ ﷺ کی اتباع کا حکم ہے۔ کسی جگہ آپ ﷺ کی تعلیمات سے تمسک کا حکم ہے۔ ہر معاملہ کو آپ ﷺ کی طرف لوٹانے اور آپ ﷺ کے فیصلہ کو دل وجان سے تسلیم کرنے کا حکم ہے۔ کسی جگہ آپ ﷺ کے حکم پر فی الفور حاضر ہونے کا ارشاد ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو حضور ﷺ کی اطاعت وبیعت کو اپنی اطاعت وبیعت قرار دیا ہے۔

اتباع، تبع سے مشتق ہے۔ اس کا معنی پیچھے آنا اور لاحق ہونا ہے۔ اس کا معنی ڈوب جانا، خالص ہونا اور کلی طور پر متوجہ ہونا بھی ہے۔ (تفسیر ابوالسعود 1-223)

ابوحیان کہتے ہیں:

''اتبعوا'' کا معنی انہوں نے اسے فضیلت دی کیونکہ جو کسی کی اتباع کرتا ہے وہ اسے فضیلت دیتا ہے یا انہوں نے اس کا قصد کیا تو اتباع کا معنی، کسی شے کی طرف کلی طور پر متوجہ ہو جانا، مقتدا کو افضل سمجھتے ہوئے اس کی اقتداء اور پیروی میں ڈوب جانا ہے۔''

پس اتباع، مقتدا کے پیچھے پیچھے چلنا ہے، اس کے افعال کو اپنانا، اس کے تمام تصرفات میں اقتداء کرنا، اس کے نقش قدم پر چلنا اور اس کے احوال پر پختگی اختیار کرنا اور اس کے دائرہ سے نہ نکلنا ہے، جب مقتداء چلے تو یہ بھی چلے، جب وہ رک جائے یہ بھی رک جائے، اسی کے فعل کو کرے، اسی کی بولی بولے، اس کے احکام کو پلے باندھ لیں، ذرہ بھر اس کی متعین راہ سے نہ نکلے، اس کی تعلیمات کے

ساتھ متصف ہونے سے کبھی جی نہ چرائے، یہ تمام چیزیں شدت التزام، تعلیمات سے اتصاف میں ڈوب جانے، اقتداء میں اخلاص اور دلی رضا کو شامل ہیں حتیٰ کہ اتباع کرنے والے کی خواہش متبوع کی تعلیمات کے تابع ہو جائے اور تمام امور میں ہو خواہ وہ چھوٹے ہو یا بڑے، اور جو اس کے خلاف ہوگا وہ اتباع میں ناقص ہوگا۔ اسی حقیقت کو وہ ارشاد نبوی ﷺ واضح کرتا ہے جو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((لتتبعن سنن من قبلکم شبرا بشبر و ذراعا بذراع حتی لو دخلوا فی جحر ضب لسلکتموه))(البخاری، کتاب احادیث الانبیاء)

"تم اپنے سے پہلے لوگوں کی اتباع کرو گے بالشت اور زراع میں حتیٰ کہ اگر وہ کسی گوہ کے سوراخ میں داخل ہوئے تو تم بھی اسی راہ پر چلو گے۔"

اگر وہ کسی تنگ سے تنگ راہ پر چلتے ہیں تو تم بھی اسی کو اختیار کر لو گے، امام نووی نے فرمایا: شبر، (بالشت) ذراع (بازو) اور جحر (سوراخ) شدت موافقت میں تمثیل کے طور پر آئیں گے۔ اس سے اتباع کا معنی واضح ہو جاتا ہے، اگر وہ کسی تنگ، تاریک اور کیڑے کے سوراخ میں داخل ہوئے تو تم بھی اس میں ضرور داخل ہو گئے، اگر ان میں کسی نے بیوی سے راستہ میں نکاح کیا تو تم بھی کرو گے جیسا کہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے، اس روایت کو امام حاکم وغیرہ نے سند صحیح سے نقل کیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اتباع اور اطاعت میں فرق ہے۔ اطاعت کا تعلق امر و نہی سے ہوتا ہے۔ کبھی اس پر عمل کا باعث عذاب کا خوف ہوتا ہے اور کبھی اس کا باعث محبت ہوتی ہے۔ رہی اتباع تو اس کا باعث اتباع کرنے والے کی محبت و شوق اور پیروی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

ان دونوں میں تفریق باری تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی سے واضح ہو جاتی ہے:

((وان ربکم الرحمن فاتبعونی و اطیعوا امری))(طه: 90)

"اور بے شک تمہارا رب رحمٰن ہے تو میری پیروی کرو اور میرا حکم مانو۔"

یہاں حضرت ہارون علیہ السلام نے قوم کو دو چیزوں کا حکم دیا ہے۔ ایک اپنی اتباع کا اور دوسرا اپنے حکم کی اطاعت کا، کیونکہ اطاعت کا اتباع پر عطف ہے جو تغایر چاہتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی اتباع کرنے والے کو اپنی محبت کا مژدہ سنایا:

((قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم واللہ غفور رحیم))(آل عمران: 31)

"اے محبوب! تم فرما دو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ، اللہ تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

اور اس کے بعد متصلاً اپنی اطاعت اور اپنے نبی ﷺ کی اطاعت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

((قل اطیعوا اللہ والرسول))(آل عمران:32)

''تم فرمادو کہ حکم مانو اللہ اور رسول کا۔''

مومن، مسلم، صاحب ایقان کو ''اتباع'' کا راستہ اپنانا چاہیے جس کا سرچشمہ انسان کی دلی رغبت، محبت اور غلام بن جانا ہوتا ہے۔ باقی اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت بھی اختیار کی جائے خواہ وہ محبت کی بناء پر ہو یا دینوی و اخروی عذاب کے خوف سے ہو، لیکن اتباع زیادہ نافع اور قابل تحسین ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے لزوم و فرضیت پر ایک یہ چیز بھی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنا رسول بنایا ہے، آپ ﷺ کی طرف وحی فرمائی، آپ ﷺ کی تائید کی، آپ ﷺ کو معصوم و محفوظ رکھا اور اپنے تک پہنچنے کیلئے واسطہ بنایا، آپ ﷺ کے لئے یہ جائز رکھا کہ اللہ تعالیٰ کی مراد کے مطابق شریعت بیان فرمائیں اور لوگوں پر آپ ﷺ کی اطاعت فرض فرمادی، یہ اطاعت ایمان کیلئے شرط ہے اسی لئے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا لیکن اس کے رسول ﷺ پر ایمان نہ لایا تو وہ مومن نہیں اگرچہ وہ نماز پڑھے، روزے رکھے اور اپنے آپ کو مسلمان کہتا پھرے، اسی طرح جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی لیکن اس کے رسول ﷺ کی نہ کی تو وہ بھی مومن نہیں اگرچہ بنتا پھرے۔

قرآن کریم کی بہت سی آیات میں رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر بشارت ہے، بلکہ بعض میں تو آپ ﷺ کی ذات اقدس کو سراپا رسالت قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم النبین وکان اللہ بکل شیء علیما))(الاحزاب:40)

''محمد ﷺ تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں۔ ہاں اللہ کے رسول اور سب نبیوں کے آخری نبی ہیں اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔''

دوسرے مقام پر فرمایا:

((وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل))(آل عمران:144)

''اور محمد ﷺ ایک رسول ہیں ان سے پہلے اور رسول ہو چکے۔''

تیسرے مقام پر فرمایا:

((ان ارسلنک شاھدا و مبشرا و نذیرا لتومنوا باللہ رسولہ و تعزروہ وتوقروہ وتسبحوہ بکرۃ و اصیلا))(الفتح:8-9)

''بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر اور خوشی اور ڈر سنانے والا تاکہ اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو اور صبح و شام اللہ کی پاکیزگی بولو۔''

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ پر اور آپ ﷺ پر ایمان لائیں اور آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر کریں، یہ تعظیم و توقیر، آپ ﷺ کی اطاعت، محبت اور احکام کی بجا آوری کے بغیر نہیں ہو سکتی، جو

آپ ﷺ کا نافرمان ہے، وہ مطیع نہیں، نہ اس نے آپ ﷺ کی تعظیم کی اور نہ توقیر، نہ اس نے آپ ﷺ کے پیغام کو سنا کیونکہ جو نذیر کی اطاعت کر لیتا ہے وہ محفوظ ہو جاتا ہے اور جو نافرمانی کرتا ہے وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو نافرمانی کیلئے رسول نہیں بلکہ اطاعت کیلئے بنایا ورنہ آپ ﷺ کو نذیر کا مقام نہ دیا جاتا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولانِ کرام کی اطاعت کے لزوم کی علت وحکمت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول اور پیغام سنانے والے ہیں، اس کی وجہ ان کا انسان ہونا یا مرد ہونا یا خوبصورت اشکال والا ہونا نہیں، ان کی اطاعت فقط اس لئے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغام کیلئے منتخب فرمایا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے چنے ہوتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں، ان پر وحی نازل کی گئی۔ وہ بندوں کی اللہ تعالیٰ کی طرف رہنمائی کرتے ہیں، صراطِ مستقیم کی نشاندہی کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس پر دلائل وبراہین پیش کرتے ہیں، اس کے عقاب، نار اور ناراضگی سے ڈراتے ہیں، مطیع کو سعادت، جنت، رضا اور رضوان کی بشارت دیتے ہیں۔ اس وجہ سے ان کی اطاعت اور ان کے احکام کا بجالانا لازم ہوتا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف بھیجے ہوئے ہیں، اگر لوگ ان کی اطاعت نہیں کرتے تو انہوں نے ان کے بھیجنے والے کی اطاعت نہیں کی کیونکہ رسول ﷺ کی اطاعت دراصل بھیجنے والے کی اطاعت ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

((وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن الله ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاء و ك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لو جدو الله توبا رحیما))
(النساء:64)

''اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب! تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔''

اللہ تعالیٰ نے ارسالِ رسل کو اطاعت کے ساتھ منحصر فرما دیا ہے تو جو رسول کی اطاعت نہیں کرتا اس نے اس کے بھیجنے والے کی اطاعت نہیں کی اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہے۔ پھر یہاں یہ ذہن نشین رہے کہ رسول کی اطاعت، اللہ تعالیٰ کے اذن، امر، تقدیر اور مشیت سے ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب کوئی رسول ایسا بھیجا ہی نہیں جس کی اطاعت اس کی امت پر لازم نہ کی ہو تو ان تمام رسولوں کے سربراہ اور امام ﷺ کی اطاعت کا عالم کیا ہوگا؟ جو ان کی جانوں سے بھی بڑھ کر ان کے خیر خواہ اور ان کے قریب وحقدار ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نافرمانوں اور گنہگاروں کی توبہ کو ایک شرط کے ساتھ معلق کر دیا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی طلب بخشش (شفاعت) کے ساتھ توبہ اور استغفار کریں، جب وہ توبہ کریں گے اور آپ ﷺ بھی ان کیلئے استغفار چاہیں تو وہ اللہ کو تواب ورحیم پائیں گے یعنی توبہ قبول ہو جائے گی۔ کامیاب وہ ہے جسے اللہ کی توفیق نصیب ہو، سعید وہ جسے اللہ تعالیٰ سعادت مند بنا دے حالانکہ وہ بطن ام میں تھا، اللہ تعالیٰ ہی خیر کا ہادی اور توفیق دینے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اتنی کثیر ہیں کہ انہیں گنا اور شمار نہیں کیا جا سکتا، ان میں سے ایک اہم نعمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے صالحین بندوں کو اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی اطاعت کی توفیق دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام سے آزادی اور مجبوری میں اور تنگی و آسانی میں، سمع و اطاعت میں، دین کی مدد و نصرت، غلبہ دین اور اس کے ابلاغ پر بیعت لیتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کا ذکر فرمایا (اور یہ نعمت سمع و اطاعت پر بیعت تھی) کہ یہ تمام کی تمام اللہ تعالیٰ کا انعام اور اس کی توفیق تھی۔ ارشاد فرمایا:

((واذكروا نعمة الله عليكم وميثاقه الذى واثقكم به اذ قلتم سمعنا واطعنا واتقوا الله ان الله عليم بذات الصدور))(المائدہ:7)

"اور یاد کرو اللہ کا احسان اپنے اوپر اور وہ عہد جو اس نے تم سے لیا جب کہ تم نے کہا کہ ہم نے سنا اور مانا اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ دلوں کی بات جانتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے انہیں عظیم احسان جتلایا اور وہ نعمت عظیم یہ ہے کہ انہیں اسلام کی ہدایت دی، ان کی طرف یہ عظیم رسول مبعوث فرمایا اور بیعت کے وقت جو ان سے وعدے لئے گئے تھے مثلاً اتباع، نصرت اور سمع و اطاعت اور انہوں نے جواباً کہا تھا: ہم ان وعدوں کو قبول کرتے ہیں اور جو آپ ﷺ حکم دیں گے ہم اسے بجا لائیں گے اور جس سے روکیں گے ہم رک جائیں گے، اللہ تعالیٰ کے ان الفاظ پر غور کیجئے:

((وميثقه الذى واثقكم به))

"اور وہ عہد جو اس نے تم سے لیا۔"

حالانکہ بیعت حضور نبی کریم ﷺ لے رہے ہیں، آپ ﷺ ہی عہد باندھ رہے ہیں لیکن وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنی طرف سے بولتے ہی نہیں، آپ ﷺ کے بول تو سراپا وحی ہوتے ہیں اور صحابہ عرض کر رہے ہیں سمعنا و اطعنا (ہم سمع و اطاعت قبول کرتے ہیں) اس وجہ سے اللہ نے اسے تمام کا تمام اللہ کی طرف سے بندوں پر نعمت قرار دیا اور یہ بات واضح کر رہی ہے کہ آپ ﷺ کی اطاعت بذاتہ لازم ہے کیونکہ آپ ﷺ نے اس کا رسول ہونے کی حیثیت سے بیعت لی اور عہد لیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے اہل ایمان پر اپنی نعمت قرار دیا۔

اہل ایمان کا طریق یہ تھا کہ جب بھی رسول اللہ ﷺ انہیں طلب فرماتے یا آواز دیتے تو وہ کہتے "سمعنا واطعنا" اور کافر کہتے "عصینا" اس لئے مومن کو آپ ﷺ کی سمع قبول کرنے پر جو اطاعت کا باعث، محبت و وقار کا نتیجہ اور ایمان کا سبب ہے، اجر و ثواب دیا گیا ہے، اس پر بہت سی نصوص ہیں، بعض میں امر ہے اور بعض میں اہل ایمان کی صفت کے طور پر بیان ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((فاتقوا الله ما استطعتم واسمعوا واطيعوا وانفقوا خير الانفسكم ومن يوق شح نفسه فاولئك هم المفلحون))(التغابن:16)

"تو اللہ سے ڈرو جہاں تک ہو سکے اور فرمان سنو اور حکم مانو اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اپنی بھلائی کے لیے اور جو اپنی جان کے لالچ سے بچایا گیا تو وہی فلاح پانے والے ہیں۔"

مومن کی شان اطاعت وسمع پر جیسا کہ فرمایا:

((انما کان قول المومنین اذا دعوا الی اللہ ورسولہ لیحکم بینھم ان تقولوا سمعنا واطعنا واولئك ھم المفلحون))(النور: 51)

”مسلمانوں کی بات تو یہی ہے کہ جب اللہ اور رسول کی طرف بلائے جائیں کہ رسول ان میں فیصلہ فرمائے کہ عرض کریں ہم نے سنا اور حکم مانا اور یہی لوگ مراد کو پہنچے۔“

اس سے پہلے ان منافقین کا تذکرہ ہے، جن کے دل میں مرض اور شک تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسے (سمع واطاعت) کو اہل ایمان پر اپنی نعمت قرار دیا:

((واذکروا نعمۃ اللہ علیکم ومیثاقہ الذی واثقکم بہ اذقلتم سمعنا واطعنا واتقوا اللہ ان اللہ علیم بذات الصدور))(المائدہ: 7)

”اور یاد کرو اللہ کا احسان اپنے اوپر اور وہ عہد جو اس نے تم سے لیا جب کہ تم نے کہا: ہم نے سنا اور مانا اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ دلوں کی بات جانتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کے حق میں یہ گواہی دی کہ انہوں نے ایمان لانے کے بعد آپ ﷺ کی کامل طور پر سمع واطاعت کو قبول کیا:

((امن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمومنون کل امن باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ لا نفرق بین احد من رسلہ و قالوا سمعنا واطعنا غفرانك ربنا والیك المصیر))(البقرہ: 285)

”رسول ایمان لایا اس پر جو اس کے رب کے پاس سے اس پر اترا اور ایمان والے سب نے مانا اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کو یہ کہتے ہوئے کہ ہم اس کے کسی رسول پر ایمان لانے میں فرق نہیں کرتے اور عرض کی کہ ہم نے سنا اور مانا۔ تیری معافی کے طلبگار ہیں اے ہمارے رب! اور تیری ہی طرف پلٹنا ہے۔“

اور اس امت پر سمع واطاعت اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے۔ جب سابقہ امتوں کا حال اور ان کی اپنے نبیوں کی نافرمانی کا مطالعہ کیا جائے تو پھر فرق سامنے آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہود کے بارے میں فرمایا:

((واذا قیل لھم امنوا بما انزل اللہ قالوا نومن بما انزل علینا ویکفرون بما وراء وھو الحق مصدقا لما معھم قل فلم تقتلون انبیاء اللہ من قبل ان کنتم مومنین o ولقد جاء کم موسی بالبینت ثم اتخذ تم العجل من بعدہ وانتم ظلمون o واذ اخذنا میثاقکم ورفعنا فوقکم الطور خذوا ما اتینکم بقوۃ واسمعوا قالوا سمعنا وعصینا واشربوا فی قلوبھم العجل بکفر ھم

قل بئسما یا مرکم بہ ایمانکم ان کنتم مومنین))(البقرۃ:91-81)

''جب ان سے کہا جائے کہ اللہ کے اتارے پر ایمان لاؤ تو کہتے ہیں وہ جو ہم پر اترا اس پر ایمان لاتے ہیں اور باقی سے منکر ہوتے ہیں، حالانکہ وہ حق ہے ان کے پاس والے کی تصدیق فرماتا ہوا تو فرماؤ کہ پھر پہلے انبیاء کو کیوں شہید کیا اگر تمہیں اپنی کتاب پر ایمان تھا؟ اور بے شک تمہارے پاس موسیٰ کھلی نشانیاں لے کر تشریف لائے، پھر تم نے اس کے بعد بچھڑے کو معبود بنالیا اور تم ظالم تھے اور (یاد کرو) جب ہم نے تم سے پیمان لیا اور کوہ طور کو تمہارے سروں پر بلند کیا، جو ہم نے تمہیں دیا اسے زور سے پکڑو اور سنو۔ بولے ہم نے سنا اور نہ مانا اور ان کے دلوں میں بچھڑا رچ بس چکا تھا ان کے کفر کے سبب۔ تم فرمادو کیا برا حکم دیتا ہے تم کو تمہارا ایمان اگر تم ایمان رکھتے ہو۔''

((من الذین ھادوا یحرفون الکلم عن مواضعہ ویقولون سمعنا وعصینا واسمع غیر مسمع وراعنا لیا بالسنتھم وعنا فی الدین ولو انھم قالوا سمعنا واطعنا واسمع وانظرنا لکان خیرا لھم واقوم ولکن لعنھم اللہ بکفرھم فلا یومنون الا قلیلا))(النساء:46)

''کچھ یہودی کلام کو اس کی جگہ سے پھیرتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور نہ مانا اور سننے کے باوجود نہ سنا۔ اور راعنا کہتے ہیں زبانیں پھیر کر اور دین میں طعنہ کیلئے اور اگر وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مانا اور حضور ہماری بات سنیں اور حضور ہم پر نظر فرمائیں تو ان کیلئے بھلائی اور راستی میں زیادہ ہوتا لیکن ان پر تو اللہ نے لعنت کی ان کے کفر کے سبب تو یقین نہیں رکھتے مگر تھوڑا۔''

یہ حال کافر ہٹ دھرم لوگوں کا ہے، جو مستحق لعنت ہیں اور رحمت الٰہی سے محروم کر دیے گئے ہیں، لیکن جو مومن ہیں ان کا معاملہ اس کے برعکس ہے، یہاں صحابہ کرام اور ان کے بعد کے لوگوں اور امت کو ان کے کثرت ایمان اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو بجالانے کی وجہ سے مومن کہا گیا ہے، اگر یہ امر دشوار ہوتا تو پھر اس کا اظہار نہ ہوتا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر تخفیف بھی فرمادی جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آخری آیت میں ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس امت کو حضور ﷺ کی اطاعت کو ترک کرنے میں کفار اور منافقین کی مشابہت سے منع فرمایا، کیونکہ وہ مخلوق میں سب سے بدتر ہیں اور اہل ایمان پر حضور ﷺ کی اطاعت اور آپ ﷺ کے احکام کا بجالانا لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا مبارک فرمان ہے:

((یایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ ورسولہ ولا تولوا عنہ وانتم تسمعون ٥ ولا تکونوا کالذین قالوا سمعنا وھم لا یسمعون ٥ ان شر الدواب عند اللہ الصم البکم الذین لا یعقلون ٥ ولو علم اللہ فیھم خیرا لا سمعھم ولو اسمعھم لتولوا وھم معرضون))(الانفال:20)

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور سن سنا کر اسے نہ پھیرو اور ان جیسے نہ ہونا جنہوں نے کہا: ہم نے سنا اور وہ نہیں سنتے۔ بے شک سب جانوروں میں بدتر اللہ کے نزدیک وہ ہیں جو بہرے گونگے ہیں جن کو عقل نہیں اور اگر اللہ ان میں کچھ بھلائی جانتا تو انہیں سنا دیتا اور اگر سنا دیتا تب بھی انجام کار منہ پھیر کر پلٹ جاتے۔''

اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اپنی سمع واطاعت پر بیعت لیتے چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سراپا رحمت اور اہل ایمان پر رؤف رحیم ہے، اس لئے انہیں ان کی طاقت کے مطابق تلقین و تعلیم دیتے، حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((بایعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم السمع و الطاعه فلقنی فیما استطعت))

(البخاری، کتاب الاحکام)

''میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سمع واطاعت پر بیعت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے میری اطاعت کے مطابق تلقین فرمائی۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((کنا اذا بایعنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی السمع و الطاعة یقول لنا فیما استطعتم))(البخاری ، کتاب الاحکام)

''ہم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت سمع واطاعت پر کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے جس قدر تمہیں طاقت ہے۔''

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہر شے میں اور عسیر و یسر میں صحابہ کرام سے سمع واطاعت کی بیعت لیا کرتے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

((بایعنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی السمع و الطاعة فی العسر و الیسر والمنشط والمکرہ وعلی اثرة علینا))(البخاری، کتاب الاحکام)

''ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی سمع واطاعت میں، تنگی و آسانی میں اور خوشی و اکراہ میں اور جو ہم پر امیر مقرر ہو۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((علیك السمع و الطاعة فی عسرك و یسرك و منشطك و مكرهك واثرة علیك))(مسلم ، کتاب الامارة)

''تم پر سمع واطاعت لازم ہے، تنگی آسانی، خوشی اور اکراہ میں۔''

صحابہ کرام ہر حال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کی ہوئی بیعت نبھاتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام بجا لاتے، اطاعت کرتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو قبول کرتے اور نافذ کرتے اگرچہ وہ ان کے سابقہ معمول و عادت کے کتنی خلاف ہو،

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

جب انصار نے حضور ﷺ سے عرض کیا: کھجوروں کے باغات ہمارے اور مہاجرین کے درمیان تقسیم فر دیجئے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ایسا نہیں ہوسکتا۔

صحابہ نے عرض کیا: سمعنا واطعنا (البخاری، کتب مناقب الانصار)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہے کہ جب آپ ﷺ نے طواف اور سعی کے بعد عرفات جانے سے چار پانچ دن پہلے احرام کھولنے کا فرمایا تو انہوں نے عرض کیا:

((فحللنا و سمعنا و اطعنا))

''ہم نے احرام کھول دیئے اور ہم نے آپ ﷺ کا حکم سنا اور اس کی اطاعت کی۔''

اسی لئے مومن مطیع اور متبع اس اطاعت کا ثمر بہت جلد پا لیتا ہے اس کی ابتداء موت اور قبر میں فرشتوں کے سوالات کا وقت ہے اور اس کی انتہا جنت میں رفاقت صالحہ اور اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ سورج گرہن کی نماز کے بارے میں جو کچھ منقول ہے اس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مجھے وحی کے ذریعے بتایا گیا ہے کہ تم قبور میں آزمائے جاؤ گے۔ فرشتہ تم سے پوچھے گا:

((ما علمك بهذا الرجل؟))

''اس شخصیت کے بارے میں تو کیا جانتا ہے؟''

اگر میت مومن ہوئی تو وہ عرض کرے گی:

((هو محمد رسول الله جاء بالبينات و الهدى فاجبنا و اطعنا))

''یہ محمد ہیں اللہ کے رسول ہیں، ہمارے پاس دلائل اور ہدایت لے کر تشریف لائے تھے، ہم نے آپ ﷺ کی دعوت کو قبول کیا اور آپ ﷺ کی اطاعت کی۔''

دو تین مرتبہ کہے گا۔ اسے کہا جائے گا:

((قد كنا نعلم انك لتؤمن به فنم صالحا)) (مسلم، کتاب الکسوف)

''ہم جانتے تھے تو ان پر ایمان رکھتا ہے، سو اب تو آرام سے سو جا۔''

حضور ﷺ کا مطیع دنیا اور آخرت میں نجات، امن اور حفاظت میں ہے حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت اور جنت کی سعادت پائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اپنا رسول اور مبلغ بنانے کے ساتھ ساتھ حکم بنایا تا کہ مسلمانوں کے درمیان متنازعہ امور میں فیصلہ دیں اس روشنی میں جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عطا فرمائی ہے۔ اس شخص سے اللہ تعالیٰ نے ایمان کی نفی فرمادی ہے جو آپ ﷺ کے حکم کو تسلیم نہیں کرتا اور آپ ﷺ کے فیصلہ پر یقین نہیں کرتا کیونکہ آپ ﷺ

کی معصیت کھلی گمراہی اور دین سے بغاوت وخروج ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

((وما كان لمومن ولا مومنة اذا قضى الله ورسوله امرا ان يكون لهم الخيرة من امرهم ومن يعص الله ورسوله فقد ضل ضللاً مبيناً))

(الاحزاب:36)

''اور نہ کسی مسلمان مرد نہ مسلمان عورت کو حق پہنچتا ہے کہ جب اللہ و رسول کچھ حکم فرما دیں تو انہیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار ہے اور جو حکم نہ مانے اللہ اور اس کے رسول کا وہ بے شک صریح گمراہی میں بہکا۔''

تو کسی کو بھی آپ ﷺ کے حکم کے خلاف کرنے کا کوئی اختیار نہیں اور یہ کیوں ہے؟ صرف اس لئے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے نبی، رسول، اس کی وحی کا مرکز، اللہ تعالیٰ کی طرف سے تصدیق شدہ اور آپ ﷺ کی سچائی پر خدا کی ضمانت ہے۔ آپ ﷺ اپنی خواہش اور مرضی سے فیصلہ دیتے ہی نہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ کسی مومن کو آپ ﷺ کے فیصلے اور حکم کی مخالفت کی اجازت نہیں دیتا کیونکہ آپ ﷺ کے امر کی مخالفت معصیت ہے جو کھلی گمراہی کے سوا کچھ نہیں ہر چند کہ اہل علم نے اس آیت کے شان نزول میں اختلاف کیا ہے کہ یہ حضرت زینب بنت جحش کا نکاح حضرت زید بن حارثہ کے بارے میں ہوئی یا حضرت زید بن حارثہ کے حضرت زینب کو طلاق دینے کے بعد ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط سے نکاح یا آپ ﷺ نے انصاری عورت و حضرت جلیبیب کے بارے میں پیغام نکاح بھیجا کہ بارے میں نازل ہوئی ہے، لیکن اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے، خصوصی واقعہ کا نہیں، یہی وجہ ہے کہ اس سے حضرت ابن عباس نے حضرت طاؤس کے خلاف استدلال کیا اور انہیں عصر کے بعد دو رکعتیں ادا کرنے سے منع فرمایا، حضرت طاؤس نے عرض کیا:

((انما كرهت ان تتخذ سلما))

''مجھے یہ ناپسند ہے کہ اسے بہانہ بنایا جائے۔''

تو حضرت ابن عباس نے یہ آیت کریمہ پڑھی۔ پھر فرمایا:

((لا ادرى تعذب عليها ام توجر))(الرسالة:443)

''میں نہیں جانتا ان پر تجھے عذاب ہوگا یا اجر دیا جائے گا۔''

اسے امام شافعی، امام عبدالرزاق، دارمی، بیہقی اور خطیب نے نقل کیا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ کوئی فیصلہ دے دیں تو اس کی مخالفت ہرگز جائز نہیں، اس کے بعد کسی کی رائے یا قول نہیں چل سکتا بلکہ ہر معاملہ میں فیصلہ کا اختیار فقط اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ہے اور مسلمان کا کام اسے کامل طور پر تسلیم کرنا اور اس کی اتباع کرنا ہے۔ ورنہ عاصی قرار پائے گا اور عصیان سراپا گمراہی ہے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مصطفیٰ ﷺ کو فیصل بنایا اور مسلمانوں پر آپ ﷺ کے فیصلے اور فیصلے کی اطاعت لازم قرار دی اور معصیت کو حرام قرار دیا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حاکم بنایا تا کہ اللہ تعالیٰ کی

رہنمائی میں لوگوں کے فیصلے فرمائیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص سے ایمان کی نفی فرمادی ہے جو آپ ﷺ کو حاکم نہیں بناتا اور جب حاکم بنالے تو آپ ﷺ کے فیصلے کو اس طرح تسلیم کرنا لازم ہے کہ دل میں کوئی تنگی یا انقباض نہ ہو، بلکہ اسے کامل طور پر تسلیم کرلے اس لئے کہ آپ ﷺ نبی، رسول، وحی کا سرچشمہ اور حکم خدا سے سیدھی راہ پر گامزن اور ہر قسم کی خطاولغزش سے معصوم ہیں۔ جبکہ دوسرے خطا بھی کرسکتے ہیں اور صحیح بھی، دوسرے مطیع بھی ہو سکتے ہیں اور نافرمان بھی، سرکش یا محفوظ بھی ہو سکتے ہیں، یہ وہ محفوظ ومعصوم ﷺ ہیں جن کی حفاظت اللہ تعالیٰ خود کرے اس کی ضمانت دے اور اس کی تائید فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے رسول ﷺ کے فرمان کی سمع و اطاعت کو علامت ایمان قرار دیا ہے، کسی اور کا یہ مقام نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((فلا وربك لا يومنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في انفسهم حرجامما قضيت ويسلموا تسليما))(النساء:65)

''تو اے محبوب! تمہارے رب کی قسم! وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں، پھر جو کچھ تم حکم فرمادو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔''

دیکھا اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے ایمان ہی کی نفی کردی جو آپ ﷺ کو حاکم نہیں مانتا اور اس پر تاکید کے علاوہ قسم بھی اٹھائی ''فلا وربک لایومنون حتی'' پھر صرف فیصلہ ماننا ہی فقط لازم نہیں بلکہ سماع فیصلہ کے بعد دل میں کسی قسم کی تنگی نہ آئے اور کامل طور پر تسلیم کیا جائے ''ویسلموا تسلیما'' اور یہ ماننے کا انتہائی اور آخری درجہ ہے۔

جب ہم اس آیت کریمہ ''حتی یحکموک'' کو (جس میں اللہ تعالیٰ نے اس شخص سے ایمان کی نفی کی ہے۔ جو آپ ﷺ کو تحکیم تسلیم نہیں کرتا) اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات عالیہ کے ساتھ ملاتے ہیں:

((ان الحكم الا لله))(الانعام:57)

''حکم نہیں مگر اللہ کا۔''

((وما اختلفتم فيه من شیء فحكمه الى الله))(الشوری:10)

''تم جس بات میں اختلاف کرو تو اس کا فیصلہ اللہ کے سپرد ہے۔''

تو ہم پر یہ واضح ہوجاتا ہے کہ حکم اللہ تعالیٰ کا ہے۔ نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی رہنمائی میں فیصلہ فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ وہ آپ ﷺ کے ہاتھوں جاری کرتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((انا انزلنا اليك الكتب بالحق لتحكم بين الناس بما اراك الله))(النساء:105)

''اے محبوب! بے شک ہم نے تمہاری طرف سچی کتاب اتاری کہ تم لوگوں میں فیصلہ کرو جس طرح تمہیں اللہ دکھائے۔''

تو حکم اللہ تعالیٰ کا ہے، لیکن اس نے خود آپ ﷺ کی رہنمائی فرمائی اور آپ ﷺ کے ہاتھوں سے جاری فرمایا، جس کے ذریعے آپ ﷺ نے لوگوں کے درمیان فیصلہ فرمادیا تو جو آپ ﷺ کی اطاعت نہیں کرے گا تو اس

نے یقیناً اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس سے ایمان کی نفی فرمادی، عنقریب اس آیت مبارکہ کا پس منظر بھی آ رہا ہے، اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی یہ صفت بیان فرمائی کہ جب انہیں فیصلہ کیلئے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ اسے مان لیتے ہیں بخلاف منافقین کے ان کی علامت یہ ہے کہ وہ آپ ﷺ کے فیصلے سے اعراض کرتے ہیں۔ فریقین کو دعوت اور اس پر عمل اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں بیان فرمایا ہے:

((ویقولون امنا باللہ وبالرسول واطعنا ثم یتونی فریق منھم من بعد ذالك وما اولئك بالمومنین o واذا دعوا الی اللہ ورسولہ لیحکم بینھم اذا فریق منھم معرضون o وان یکن لھم الحق یاتوا الیہ مدعثین o افی قلوبھم مرض ام ارتابوا ا یخافون ان یحیف اللہ علیھم ورسولہ بل اولئك ھم الظالمون o انما کان قولہ المومنین اذا دعوا الی اللہ ورسولہ لیکم بینھم ان یقولوا سمعنا واطعنا واولئك ھم المفلحون o ومن یطع اللہ و رسولہ ونخش اللہ ویتقہ فاولئك ھم الفائزون))(النور: 47-52)

”اور کہتے ہیں: ہم ایمان لائے اللہ اور رسول پر اور حکم مانا، پھر کچھ ان میں کہ اس کے بعد پھر جاتے ہیں اور وہ مسلمان نہیں اور جب بلائے جائیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف کہ رسول ان میں فیصلہ فرمائے تو جبھی ان کا ایک فریق منہ پھیر جاتا ہے اور اگر ان کا حق ہو تو اس کی طرف آئیں مانتے ہوئے، کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے یا شک رکھتے ہیں یا یہ ڈرتے ہیں کہ اللہ ورسول ان پر ظلم کریں گے بلکہ وہ خود ظالم ہیں۔ مسلمانوں کی بات تو یہی ہے، جب اللہ اور رسول کی طرف بلائے جائیں کہ رسول ان میں فیصلہ فرمائے کہ عرض کریں: ہم نے سنا اور حکم مانا اور یہی لوگ مراد کو پہنچے اور جو حکم مانے اللہ اور اس کے رسول کا اور اللہ سے ڈرے اور پرہیزگاری کرے تو یہی لوگ کامیاب ہیں۔“

تو مومن آپ ﷺ کے فیصلے کو کامل طور پر اور ہر حال میں تسلیم کرتے ہیں اور اعلانیہ آپ ﷺ کی اطاعت بجا لاتے ہیں اور وہ قواعد صحیحہ مسلمہ پر مبنی ہے کہ داعی، اللہ کے رسول اور اللہ کے مبلغ ہیں۔ وحی سے ان کی تائید کی گئی ہے، اللہ کی عصمت سے وہ معصوم ہیں، ان کا حکم اللہ تعالیٰ کا ہی ہوتا ہے، اس کی رہنمائی پر آپ ﷺ گفتگو کرتے ہیں صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔

یہاں یہ بات بھی نوٹ کریں اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی:

((واذا دعوا الی اللہ ورسولہ لیحکم بینھم))

”جب ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا تا کہ یہ ان کے درمیان فیصلہ کرے۔“

یہاں حکم رسول اللہ ﷺ ہی ہیں کیونکہ ضمیر واحد کی ہے، تثنیہ نہیں واللہ اعلم۔ جبکہ منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے وہ طاغوت کی طرف مقدمات لے جاتے ہیں (حالانکہ ان سے دوری کا حکم ہے) اور رسول اللہ

ﷺ کی خدمات میں لانے سے روکتے ہیں۔ اس وجہ سے وہ گمراہ ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے دلی نفاق کو جانتا ہے وہ ان کے نفاق واعراض کی عنقریب سزا دے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((الم تر الی الذین یزعمون انهم امنوا بما انزل الیك وما انزل من قبلك یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت وقد امروا ان یکفروا به ویرید الشیطٰن ان یضلهم ضللا بعیدا o واذا قیل لهم تعالوا الی ما انزل الله والی الرسول رایت المنفقین یصدون عنك صدودا o فکیف اذا اصابتهم مصیبة بما قدمت ایدیهم ثم جاء و ك یحلفون بالله ان اردنا الا احسانا و توفیقا o اولئك الذین یعلم الله ما فی قلوبهم فاعرض عنهم و عظهم و قل لهم فی انفسهم قولا بلیغا))(النساء:60-62)

''کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جن کا دعویٰ ہے کہ وہ ایمان لائے اس پر جو اترا اور اس پر جو تم سے پہلے اترا، پھر چاہتے ہیں کہ شیطان کو اپنا حکم بنائیں اور ان کو تو حکم یہ تھا کہ اسے اصلاً نہ مانیں اور ابلیس یہ چاہا ہے کہ انہیں دور بہکائے اور جب ان سے کہا جائے کہ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب اور رسول کی طرف آؤ تو تم دیکھو گے کہ منافق تم سے منہ موڑ کر پھر جاتے ہیں۔ کیسی ہوگی جب ان پر کوئی اُفتاد پڑے، بدلہ اس کا جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا۔ پھر اے محبوب! تمہارے حضور حاضر ہو کر اللہ کی قسم کھاتے کہ ہمارا مقصود تو بھلائی اور میل ہی تھا ان کے دلوں کی بات تو اللہ جانتا ہے تو تم ان سے چشم پوشی کرو اور انہیں سمجھا دو اور ان کے معاملہ میں ان سے بلیغ بات کہو۔''

تو جب اہل ایمان کو حضور ﷺ کی طرف فیصلہ کیلئے بلایا جاتا ہے تو آگے سے کہتے ہیں: سمعنا واطعنا (ہم نے سنا اور قبول کیا) اور مطیع فرمانبردار اہل ایمان کی یہی شان ہے اور کچھ متکبرین کی طرح اس سے اعراض کرتے اور روکتے ہیں، ان کا حال مشرکین کے حال کی طرح ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

((واذا قیل لهم اتبعوا ما انزل الله قالوا بل نتبع ما الفینا علیه ابائنا))

(لقمان:21، البقرۃ:170)

''اور جب ان سے کہا جائے اس کی پیروی کرو جو اللہ نے اتارا تو کہتے ہیں بلکہ ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔''

اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی ذات مقدسہ کی قسم کھا کر کہا جب تک تمام امور میں آپ ﷺ کا فیصلہ نہ مان لیں مومن نہیں ہو سکتے اور جو فیصلہ آپ ﷺ فرمائیں اور ایسا ہے کہ ظاہر و باطن سے اسے مانا جائے جس کا فیصلہ آپ ﷺ نے فرمایا اس پر لازم ہے کہ اسے باطن سے بھی مانے چہ جائیکہ ظاہر سے، آپ ﷺ کے فیصلہ پر کسی قسم کی تنگی دل میں نہ لائے اور اسے کلی طور پر تسلیم کرے، ظاہر و باطن کو اس کے سامنے جھکا دے، جب اس طرح

تسلیم نہیں کرے گا مثلاً نہیں مانتا، نزاع کرتا ہے یا دکرتا ہے تو منازعت ومخالفت کے درجہ کے مطابق ایمان ناقص ہوتا چلا جائے گا حتیٰ کہ کفر تک پہنچ جائے گا۔

آیت مبارکہ:

((فلا و ربك لا يؤمنون حتى يحكموك))

''قسم تیرے رب کی! وہ ایمان دار نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ وہ آپ ﷺ کو فیصل نہ مان لیں۔''

کا شانِ نزول یہ ہے۔ حضرت عروہ بن زبیر سے ہے۔ ایک انصاری شخص کا حضرت زبیر سے پانی کے معاملہ میں جھگڑا ہوا، انصاری نے کہا: پانی جانے دو، حضرت زبیر نے انکار کیا، دونوں کیس حضور ﷺ کی خدمت میں لے گئے۔ آپ ﷺ نے زبیر سے فرمایا:

''اپنی کھیتی کو پانی پلانے کے بعد آگے جانے دو۔''

انصاری بگڑا اور کہنے لگا:

''یہ آپ ﷺ کے چچا کا بیٹا ہے، اس لیے۔''

آپ ﷺ کا چہرہ اقدس متغیر ہو گیا اور فرمایا:

''زبیر کھیت کو خوب پلاؤ پھر روک لو حتیٰ کہ دیواروں تک پہنچ جائے۔''

حضرت زبیر کہتے ہیں:

''میرا خیال ہے یہ آیت مبارکہ اس معاملہ میں نازل ہوئی تھی۔'' (البخاری، کتاب المساقاۃ)

اس انصاری سے جو کچھ صادر ہوا اگر اسی طرح کے الفاظ حضور ﷺ کے بارے میں کسی سے صادر ہوں یا شریعت کے بارے میں تو اسے زندیق کی طرح قتل کر دیا جائے گا جیسا کہ امام قرطبی نے فرمایا اور ان کی مثل امام نووی نے علماء سے نقل کیا، کیونکہ وہ مرتد ہے اس پر مرتدین والے ہی احکام جاری ہوں گے۔

باقی اسے کیوں چھوڑ دیا گیا، ابتدائے اسلام کی وجہ سے تاکہ لوگوں میں الفت پیدا ہوا، احسن انداز اختیار کیا گیا، منافقین کی سازشوں کو ناکام بنانے کے لئے۔ فرمایا:

((لا يتحدث ان محمد ﷺ يقتل اصحابه))

''لوگ باتیں کریں گے محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کروا دیتا ہے۔''

اس لئے امام داودی نے فرمایا:

''وہ شخص منافق تھا یعنی ظاہراً مسلمان مگر باطناً اسلام کا دشمن تھا۔ باقی حدیث میں جو انصاری کا لفظ آیا ہے اس سے مراد انصار کے قبیلہ سے ہونا ہے نہ کہ مسلمانوں کا مددگار، اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے ایمان کی نفی پر قسم ارشاد فرمائی ہے جو رسول اللہ ﷺ کو حاکم نہ مانے اور مسلمان وہ ہے جو ظاہر و باطن سے فیصلہ کو مان لے اور دل میں تنگی نہ پاتے ہوئے کامل طور پر اسے تسلیم کر لے تو ساری گفتگو اس پر شاہد ہے کہ آپ ﷺ کی اطاعت، آپ ﷺ کے احکام کی بجا آوری اور آپ ﷺ کے فعل کی اقتداء

کرنا لازم ہے اور جو نہیں کرے گا وہ گمراہ و کافر ہے۔"

رسول اللہ ﷺ کی محبت سے، آپ ﷺ کی اتباع اور آپ ﷺ کے حکم کی اطاعت بھی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات کی اتباع کا حکم دیا ہے۔ جو شخص آپ کی راہ پر چلا، آپ ﷺ کی پیروی کی، آپ ﷺ کے طریقہ کو اپنایا، آپ ﷺ کے طریقہ پر عبادت کی، وہ فلاح و کامیابی پائے گا، اسے اللہ تعالیٰ کی محبت نصیب ہوگی، اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرمادے گا اور وہ حضور ﷺ کی سنگت پائے گا کیونکہ اتباع محبت ہی سے پھوٹتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا مبارک فرمان ہے:

((ورحمتي وسعت كل شيء فساكتبها للذين يتقون ويوتون الزكوٰة والذين هم بايتنا يومنون ○ الذين يتبعون الرسول النبي الامي الذى يجدونه مكتوبا عندهم في التورة والانجيل يا مرهم بالمعروف وينههم عن المنكر و يحل لهم الطيبت ويحرم عليهم الخبٰئث ويضع عنهم اصرهم والاغلل التي كانت عليهم فالذين امنوا به وعزروه ونصروه و اتبعوا النور الذى انزل معه اولئك هم المفلحون ○ قل يايها الناس انى رسول الله اليكم جميعا الذى له ملك السموات والارض لا اله الا هو يحيى و يميت فامنوا بالله ورسوله النبي الامي الذى يؤمن بالله و كلمته واتبعوه لعلكم تهتدون))(الاعراف:156-158)

"اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہے تو عنقریب میں اسے ان کے لیے لکھ دوں گا جو ڈرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ وہ جو غلامی کریں گے اس رسول بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے کی جسے لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس توریت اور انجیل میں۔ وہ انہیں بھلائی کا حکم دے گا اور برائی سے منع فرمائے گا اور ستھری چیزیں ان کے لئے حلال فرمائے گا اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا، ان پر سے وہ بوجھ اور گلے کے پھندے جو ان پر تھے، اتارے گا تو وہ جو اس پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم لائیں اور اسے مدد دیں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اترا وہی بامراد ہوئے۔ تم فرماؤ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کو ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول بے پڑھے غیب بتانے والے پر کہ اللہ اور اس کی باتوں پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی غلامی کرو کہ تم راہ پاؤ۔"

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں بیان فرمایا: میری وسیع رحمت کون پائے گا۔ فرمایا: یہ متقین مومنین کیلئے ہے۔

جنہوں نے رسول کریم ﷺ کی اتباع کی جن کی کتب سابقہ میں امی صفت تھی۔ آپ ﷺ معروف کا حکم دیتے ہیں، منکر سے روکتے ہیں، طیبات کو حلال اور خبائث کو حرام فرماتے ہیں، لوگوں سے شدت اور تنگی ختم کر کے آسانی اور خوشی عطا فرماتے ہیں۔ تو جن لوگوں نے آپ ﷺ کی تعظیم، توقیر، نصرت اور آپ ﷺ کی تعلیمات کی اتباع کر لی، وہی دنیا و آخرت میں کامیاب ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی، صفی ﷺ کو یہ اعلان کرنے کا حکم فرمایا کہ آپ ﷺ تمام لوگوں کے رسول ہیں اور آپ ﷺ کی ذات گرامی کو خاتم النبیین جیسی عظمت و عزت سے نوازا گیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو اپنی ذات اور اپنے رسول نبی امی ﷺ پر ایمان، آپ ﷺ کی اتباع، نقش قدم کی پیروی اور آپ ﷺ کے طریقہ کو اپنانے کا حکم دیا تا کہ وہ صراط مستقیم کو پا سکیں۔ اتباع، ایمان سے ظہور پذیر ہوئی ہے۔ پھر اقتداء کی صورت میں دائمی عمل بن جاتا ہے، آپ ﷺ کی بات سننا، آپ ﷺ کی فکر و رائے کا غلام بننا، آپ ﷺ کے طریقہ کو اپنانا اور بالکلیہ اس کا ہو جانا اور اقتداء میں خوب غلو سے کام لینا کیونکہ یہی اتباع کا معنی ہے جیسا کہ آ رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے آگاہ فرمایا ہے کہ میرے نبی مصطفیٰ ﷺ صرف وحی ہی کی اتباع کرتے ہیں۔ ارشاد فرمایا:

((ان اتبع الا مایوحی الی))(الانعام50، سورۃ یونس:15، الاحقاف:9)

''میں تو اسی کا تابع ہوں جو مجھے وحی آتی ہے۔''

دوسرے مقام پر فرمایا:

((قل لا اتبع اھواء کم))(الانعام:56)

''تم فرماؤ میں تمہاری خواہش پر نہیں چلتا۔''

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو آپ ﷺ کی اتباع کا حکم دے رکھا ہے، کیونکہ آپ ﷺ کی اتباع میں ہی اللہ تعالیٰ کی اس وحی کی اتباع ہے جو آپ ﷺ کی طرف کی گئی تو جس نے آپ ﷺ کی اتباع کر لی، اس نے اپنے رب عزوجل کی اتباع کر لی یہی وجہ ہے آپ ﷺ کی اتباع کی نصیحت کرتے ہوئے ایسے لوگوں کیلئے ہدایت اور فلاح کو ثابت فرمایا:

((واتبعوہ لعلکم تھتدون))

''اور ان کی غلامی کرو کہ تم راہ پاؤ۔''

((والذین یتبعون الرسول النبی الامی اولئک ھم المفلحون))

''جو لوگ رسول نبی امی کے تابع ہوئے وہ ہی کامیاب ہیں۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

((قل تعالوا اتل ماحرم ربکم علیکم وان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعو السبل فتفرق بکم عن سبیلہ ولکم وصکم بہ لعلکم تتقون))

(الانعام:151-153)

''آپ فرما دیجئے کہ آؤ میں تلاوت کرتا ہوں وہ چیزیں جو تم پہ تمہارے رب نے حرام کیں ہیں۔ یہ میرا سیدھا راستہ ہے کہ اس کی اتباع کرو مختلف راستوں کی اتباع نہ کرو وہ تمہیں راستہ سے بھٹکا دے گی، یہ نصیحت ہے تا کہ تم تقویٰ والے بن جاؤ۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کے وصال کے وقت کی وصیت پڑھنا چاہتا ہے، وہ ان مذکورہ آیات کو پڑھ لے:

((قل تعالوا اتل ماحرم))

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اس امت کا ہادی اور رہبر بنایا ہے۔ تاکہ امت آپ ﷺ کی اتباع و اطاعت اور آپ ﷺ کی راہ کو اپنا لے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((وانك لتهدى الى صراط مستقيم ○ صراط الله))(الشورىٰ:51,51)

''اور بے شک تم ضرور سیدھی راہ بتاتے ہو اللہ کی راہ۔''

تو جو آپ ﷺ کے پیچھے چلا، آپ ﷺ کے راستہ کی پیروی کی، آپ ﷺ کے طریق کو اپنایا وہ سعادت مند اور نجات پا گیا اور جس نے آپ ﷺ سے اعراض کیا، کسی اور کے طریق کو اپنا لیا اور کسی دوسرے کی راہ پر چل پڑا وہ گمراہ و ہلاک ہو گیا۔

((وان هذا صراطي مستقيما فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق بكم عن سبيله))(الانعام:152)

''اور یہ کہ یہ میرا سیدھا راستہ ہے تو اس پر چلو اور راہیں نہ چلو کہ تمہیں اس کی راہ سے جدا کر دیں گے۔''

صراط، واحد لایا گیا کیونکہ وہ واحد ہے اور طریق حق واحد ہی ہوتا ہے، سبل کو جمع لایا گیا کیونکہ وہ مختلف ہیں مثلاً: ظلمات و نور، نور واحد اور ظلمات کثیر ہیں اور ان کے اسباب متعدد ہیں، اللہ تعالیٰ متعدد ظلمات سے نور واحد کی طرف نکالتا ہے جبکہ طاغوت اپنے اتباع کرنے والوں کو نور واحد سے ظلمات متعددہ کی طرف لے جاتا ہے۔

((الله ولى الذين امنوا يخرجهم من الظلمت الى انور والذين كفروا اولياء هم الطاغوت يخرجونهم من النور الى الظلمت اولئك اصحب النار هم فيها خالدون))(البقرہ:257)

''اللہ مسلمانوں کا والی ہے، انہیں اندھیروں سے نور کی طرف نکالتا ہے اور کافروں کے حمایتی شیطان ہیں، وہ انہیں نور سے اندھیروں کی طرف نکالتے ہیں، یہی لوگ دوزخ والے ہیں، یہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔''

آپ ﷺ کی مبارک آواز ساری کائنات میں ہمیشہ یہ کہہ رہی ہے: فاتبعونی (میری اتباع کرو) تاکہ ''یحببکم اللہ ویغفرلکم ذنوبکم'' کو حاصل کر لو یہ ایسی سعادت ہے جس کا مقابلہ دنیا و آخرت کی کوئی سعادت نہیں کر سکتی۔ اللہ

تعالیٰ کا فرمان ہے:

((قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله ویغفرلکم ذنوبکم و الله غفور رحیم o قل اطیعوا الله والرسول فان تولوا فان الله لا یحب الکفرین))(آل عمران: 31-32)

''اے محبوب! تم فرمادو کہ لوگو! اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔تم فرمادو کہ حکم مانو اللہ اور رسول کا، پھر اگر وہ منہ پھیریں تو اللہ کو پسند نہیں آتے کافر۔''

شرعی ترازو ''فاتبعونی'' ہے، اسی سے مدعی ایمان اور محبت الٰہی کا وزن کیا جائے گا۔اس میں وہ متبع ہی کامیاب ہوگا جو اقوال، افعال، احوال اور اخلاق میں آپ ﷺ کی کامل اتباع کرنے والا ہوگا۔ہلاک ہوا جس نے اعراض کیا۔جس مبارک ترازو کا تذکرہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس پر عملی طور پر صحابہ پورے اترے ہیں۔آپ ﷺ ان کے امام اور وہ آپ ﷺ کے مقتدی، آپ ﷺ ان کے پیشوا اور وہ متبعین، آپ ان کے قائد اور وہ آپ ﷺ کے لشکر، آپ ﷺ ان کے سردار اور وہ معاون، آپ ﷺ ان کے امام اور وہ اقتداء کرنے والے، الغرض ہر شے میں ان کیلئے مقتدا اور اسوۂ آپ ﷺ کی ذات اقدس تھی، اس لئے آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا تھا کہ وہ آپ ﷺ کے افعال وافعال کو جانیں تاکہ اسی طرح ان کو بجالاسکیں۔

حضرت ابوحازم (سلمہ) بن دینار کہتے ہیں کہ لوگوں نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

''رسول اللہ ﷺ کا منبر کس سے بنایا گیا تھا؟''

انہوں نے فرمایا:

((مابقی فی الناس اعلم منی))

مجھ سے بہتر جاننے والا کوئی باقی نہیں رہا۔یہ جنگل کے جھاؤں سے بنایا گیا، فلاں نے رسول اللہ ﷺ کیلئے بنوایا تھا۔جب اپنی جگہ نصب ہو گیا تو آپ ﷺ نے اس پر قیام فرمایا، قبلہ رخ ہو کر تکبیر کہی، لوگوں نے آپ ﷺ کے پیچھے قیام کیا۔آپ ﷺ نے قرأت فرمائی، رکوع کیا، لوگوں نے رکوع کیا، پھر سر اقدس اٹھایا، پھر پیچھے ہٹ کر زمین پر سجدہ کیا، پھر منبر پر لوٹ آئے، پھر رکوع کیا، سر اقدس اٹھا کر پیچھے ہٹے، زمین پر سجدہ فرمایا حتیٰ کہ نماز مکمل فرمائی، پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اے لوگو!

((انی صنعت هذا لتا تموابی ولتعلموا صلاتی))(بخاری ، کتاب الصلاۃ)

''یہ میں نے اس لئے کیا ہے تاکہ تم میری اقتداء کرو اور میری نماز سے آگاہ ہو جاؤ۔''

حضرت مالک حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((صلوا کما رایتمونی اصلی))(بخاری، کتاب الاذان)

''اسی طرح نماز ادا کرو جس طرح مجھے ادا کرتے ہوئے دیکھتے ہو۔''

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے یوم نحر میں آپ ﷺ کو سواری سے رمی کرتے ہوئے اور یہ فرماتے ہوئے سنا:

((لتا خذوا مناسککم فانی لاادری لعلی لا احج بعد حجتی ھذا))

(مسلم، کتاب الحج)

''مناسک سیکھ لو! شاید میں اس حج کے بعد حج نہ کرسکوں۔''

اہل سنن اور امام احمد نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

((خذوا اعنی مناسککم))

''مجھ سے اچھی طرح مناسک حج سیکھ لو۔'' (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابی داؤد، مسند امام احمد بن حنبل)

صحابہ کرام اور اتباع واطاعت رسول:

صحابہ نے جب یہ جان لیا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ یہ نبی ﷺ ان کے مقتداء، سربراہ اور مخدوم ومتبوع ہیں اور ان کیلئے اللہ تعالیٰ کی منشاء کو واضح فرمانے والے ہیں تو انہوں نے آپ ﷺ کی اس درجہ اتباع کی اور اتنی کامل و اکمل کی کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کی اتباع کرنیوالوں میں سے کسی کا کوئی فعل ان تک نہیں پہنچ سکتا۔ اگر آپ ﷺ صراحتہً اپنے مبارک قول کے ذریعے اتباع کا حکم نہ بھی دیتے وہ تب بھی اتباع کرتے بلکہ ان کی اتباع کیلئے آپ ﷺ کا فعل ہی کافی ہے۔ اس کے علاوہ انہیں کسی اور شے کی ضرورت نہیں، جب وہ دیکھتے آپ ﷺ نے یہ عمل کیا ہے تو وہ کر گزرتے کسی اور وجہ سے نہیں صرف اس وجہ سے کہ آپ ﷺ نے کیا ہے حتیٰ کہ آپ ﷺ کے اس فعل کی علت وحکمت سے آگاہ نہ ہوتے۔

اس سلسلہ میں احادیث مسلسلہ کی روایت بھی قابل توجہ ہے اور یہ وہ روایات ہیں جنہیں صحابہ نے اس طریق وحالت وکیفیت میں بیان کیا جس میں انہوں نے اپنے محبوب آقا ﷺ سے سنا تھا۔ مثلاً تبسم، حرکت، فعل، قول، حالت یا قرات وغیرہ۔ محدثین کرام نے احادیث مسلسلہ ذکر کیں، بلکہ ان میں مستقل کتب تصنیف کیں، اگرچہ احادیث مسلسل صحیحہ کم ہیں۔

حضرت امیہ بن عبداللہ بن خالد کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

''ہم گھر اور خوف کی نماز قرآن میں پاتے ہیں مگر سفر کی قرآن میں نہیں پاتے۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے بھتیجے!

((ان اللہ عزوجل بعث الینا محمدا ﷺ ولا نعلم شیئا وانما نفعل کما راینا محمدا ﷺ یفعل)) (مسند احمد: 2-65)

''اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو ہماری طرف رسول بنا کر بھیجا، ہم کوئی شی نہیں جانتے تھے، ہم وہی کرتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کو کرتے دیکھتے ہیں۔''

نسائی کے الفاظ ہیں: ہم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا: قصر کیسے کریں حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان

ہے:

((فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰة ان خفتم))(النساء :101)

''تو تم پر گناہ نہیں کہ بعض نمازیں قصر سے پڑھو اگر تمہیں خوف ہو۔''

حضرت ابن عمر نے فرمایا: اے بھتیجے!

((ان رسول اللہ ﷺ اتانا ونحن ضلال فعلمنا فکان فیما علمنا ان اللہ عزوجل امرنا ان تصلی رکعتیں فی السفر))(نسائی ، کتاب الصلوٰۃ)

''رسول اللہ ﷺ ہم میں تشریف لائے ، ہم گمراہ تھے، آپ ﷺ نے ہمیں تعلیم دی، اس تعلیم میں یہ بھی تھا کہ سفر میں نماز دو رکعات ہیں۔''

حضرت عمر نے حجر اسود کو مخاطب کر کے کہا تھا:

((اما واللہ انی لاعلم انك حجر لا تضر ولا تنفع ولولا انی رایت رسول اللہ ﷺ استلمك ما استلمتك فاستلمه))

''اللہ کی قسم! میں جانتا ہوں تو پتھر ہے، نہ نقصان دے سکتا ہے اور نہ نفع۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اگر تجھے استلام کرتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو تجھے استلام نہ کرتا، پھر اسے استلام کیا۔''

بخاری و مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

((ولولا انی رایت رسول اللہ ﷺ یقبلك ما قبلتك))

''اگر میں رسول اللہ ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھتا تو میں تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا۔''

پھر فرمایا:

''ہمارا ان پتھروں سے کیا تعلق؟ ہم تو مشرکین کو ان کے ساتھ دیکھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک فرما دیا، پھر فرمایا:

((شی صنعه النبی ﷺ فلا نحب ان نترکه))(بخاری ، کتاب الحج)

''ہمارے نبی ﷺ نے جو کچھ کیا ہے ہم اسے چھوڑنا پسند نہیں کرتے۔''

بلکہ صحابہ تو یہ کہا کرتے: ہم آپ ﷺ کی اتباع میں وہ ضرور کریں گے جو آپ ﷺ نے کیا کیونکہ ہم گمراہ تھے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے سبب ہدایت دی ہے۔ ہم جاہل تھے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ذریعے تعلیم دی یہی وجہ ہے وہ متبع تھے مبتدع نہ تھے، وہ اقتداء کرنے والے تھے اختراع کرنے والے نہ تھے۔ رضی اللہ عنہم۔

حضرت عبداللہ بن عمر کا یہ ارشاد اسی حقیقت کو واضح کر رہا ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو نماز پڑھاتے تھے نعلین اتارتے اور بائیں طرف رکھ دیتے۔ صحابہ نے بھی نعلین اتار دیئے، نماز سے فارغ ہو کر پوچھا:

''صحابہ! تم نے جوتے کیوں اتارے؟''

عرض کیا:

((رائیناك خلعت فخلعنا))(مسند احمد 3-20)

''آپ ﷺ کو اتارتے ہوئے دیکھ کر ہم نے بھی اتار دیئے۔''

جب حضرت عبداللہ بن عمر سے حجر اسود کے استلام کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا:

((رایت رسول الله یستلمه ویقبله))(بخاری، کتاب الحج)

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسے استلام اور چومتے ہوئے دیکھا۔''

اس لئے حضرت ابن عمر پہلے حجر اسود کو استلام کرتے پھر اس پر دیر تک دونوں ہونٹ رکھ دیتے (جیسا کہ امام شافعی نے روایت کیا ہے) جب سے حضور ﷺ کو چومتے ہوئے دیکھا اسے چومنا کبھی ترک نہیں کیا حتیٰ کہ اژدھام کے وقت بھی، اگر چہ ان کے ناک سے خون جاری ہو جاتا، گویا حضرت ابن عمر اژدھام کو ترک بوسہ کیلئے عذر نہیں مانتے تھے۔(فتح الباری، باب تقبیل الحجر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں سے یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ، یوم آخرت اور آپ ﷺ کے ماننے والوں کے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے آپ ﷺ کی طرف لوٹایا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((یایھا الذین امنوا اطیعوا الله واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی الله والرسول ان کنتم یومنون بالله والیوم الاخر ذلك خیر واحسن تاویلا))(النساء:59)

''اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں۔ پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اللہ اور رسول کے حضور رجوع کرو۔ اگر اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو تو یہ بہتر ہے اور بہتر ہے انجام کے لحاظ سے۔''

یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا ہے، اللہ تعالیٰ کی اطاعت اس کی کتاب کی اور اس کے نبی (جو اس کے مبلغ ہیں) کی اتباع ہے، اس کے رسول کی اطاعت آپ ﷺ کی ظاہری حیات میں آپ ﷺ کے اوامر ونواہی کی اتباع اور بعد از اں وصال آپ ﷺ کی سنت کی پیروی ہے اور یہ تمام ایمان کی شرائط ہیں:

((یایھا الذین امنوا...... ان کنتم تومنون))

اور اس شرط کا جواب یہی ہے اور اس کے علاوہ کوئی معنی نہیں، تو جب آپس میں اور ان کے اور حکمرانوں کے درمیان نزاع ہو جائے تو کتاب اللہ اور ظاہری حیات میں اس کے رسول ﷺ کی طرف رجوع کریں تا کہ وہ فیصلہ فرمائیں یہ تو اس وقت ہے جب آپ ﷺ کے پاس ہوں اور اگر دور ہوں اور حکم نہیں جانتے تو کسی کو آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجیں یا خود حاضری دیں۔

اگر آپ ﷺ کی سنت سے آگاہ ہوں اس سے فیصلہ کر لیں اور یہی حکم وصال کے بعد ہے کیونکہ سنت موجود

ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اس کی کتاب قرآن کریم کی طرف ہے۔ یہ وہ فرض ہے جس میں کوئی جھگڑا نہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس بات کا حکم دے رکھا ہے۔ یہاں اس آیت میں قابل توجہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اطاعت کا ذکر فرمایا یا اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا تو اطاعت کا عطف اطاعت پر فرمایا تاکہ واضح رہے کہ اطاعت نبی مشروط نہیں کیونکہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے ارادے کو واضح فرماتے ہیں تو آپ ﷺ کا قول دین میں حجت کا درجہ رکھتا ہے، لیکن جب اولوالامر کی اطاعت کی بات کی تو اس کا عطف اطاعت رسول پر ڈالا کیونکہ اس کی اطاعت کا آپ ﷺ کی اطاعت کے تابع ہونا شرط ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے تنازع اور اختلاف کا بیان فرمایا کہ اس میں حکم کی طرف رجوع ضروری ہے تو وہاں اولوالامر کی بات نہیں کی صرف اتنا فرمایا:

((فردوہ الی اللہ والرسول))

''پس اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو۔''

درمیان میں ''واؤ'' عاطفہ کا ذکر کیا ''والی الرسول'' نہیں فرمایا کیونکہ رسول اللہ ﷺ جو فیصلہ دیں گے وہ اللہ ہی کا فیصلہ ہوگا جو آپ ﷺ پر وحی کیا گیا کیونکہ آپ ﷺ خواہش نفس سے بولتے ہی نہیں صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلی الہ وصحبہ اے اللہ! ہمیں بھی آپ ﷺ کے اتباع اور احباب میں شامل فرمادے۔

اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں پر حضور ﷺ کے احکام کو بجالانا اور آپ ﷺ کے نواہی سے رک جانا لازم فرمادیا ہے اور اس کی مخالفت کرنے والوں پر عذاب کی وعید سنائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((وما اتکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنہ فانتھوا واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب))(الحشر: 7)

''اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔''

یہاں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''وما اتکم الرسول'' آپ ﷺ کے ہر حکم کو شامل ہے۔ خواہ بصورت قول ہو یا فعل یا آپ ﷺ کی تصویب وتائید ہو اور ''وما نھکم'' ہر منع کو شامل ہے خواہ بصورت فعل ہو یا قول تو مسلمان پر حالت منع میں اجتناب اور حالت حکم میں اتباع واطاعت لازم ہے، ورنہ عاصی ہوگا اور جس نے بھی امر ونہی میں آپ ﷺ کی مخالفت ونافرمانی کی اسے اللہ کے اس شدید عذاب سے ڈرنا چاہیے جس پر آیت کا اختتام ہوا ہے، باقی یہاں یہ شرط کوئی نہیں کہ اس امر ونہی کا قرآن میں ہی ہونا ضروری ہے، بلکہ فرمایا جس کا حکم آپ ﷺ دیں یا جس سے آپ ﷺ منع فرمائیں کیونکہ حکم ''ما'' عام ہے اور سب کو شامل ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے سال رمضان میں مکہ کی طرف سفر فرمایا، آپ ﷺ نے اور صحابہ نے روزہ رکھا ہوا تھا۔ حتیٰ کہ مقام کراع الغمیم پر پہنچے، عرض کیا گیا: لوگوں پر روزہ شاق ہوگیا ہے اور وہ آپ ﷺ کے منتظر ہیں، آپ ﷺ نے عصر کے بعد پانی کا پیالہ طلب فرمایا اور اسے بلند فرمایا تاکہ لوگ دیکھ لیں، اس کے بعد آپ ﷺ نے پیا، پھر عرض کیا گیا: یارسول اللہ ﷺ! کچھ لوگوں نے ابھی روزہ رکھا

ہوا ہے۔ تو فرمایا:

((اولئك العصاة اولئك العصاة))(مسلم، کتاب الصیام)

"یہ عاصی ہیں۔ یہ عاصی ہیں۔"

آپ ﷺ نے قولاً افطار کا حکم نہیں دیا، بس آپ ﷺ سے لوگوں کی تکلیف بیان کی گئی تو آپ ﷺ نے افطار فرمادیا تو آپ ﷺ کا فعل، الفاظ امر سے بھی زیادہ بلیغ ٹھہرا، اس لئے جب انہوں نے افطار نہ کیا تو فرمایا: وہ عاصی ہیں کیونکہ انہوں نے آپ ﷺ کے امر بصورت فعل کی مخالفت کی تھی (اور وہ افطار تھا)۔

جس بات کا آپ ﷺ ہمیں حکم دیں اس کا حسب طاقت بجالانا لازم ہے اور جس سے منع فرمائیں اس سے کلی طور پر رک جائیں کیونکہ منہیات و ممنوعات تمام کے تمام قدرت میں ہوتے ہیں۔ للہذا ان میں تقسیم درست نہیں، رہا امر کا معاملہ تو اس میں بقدر طاقت رکھا جا سکتا ہے یعنی اس میں تخفیف ہے۔

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((دعوتی ماتر کتکم فانما اھلك من قبلکم سوالھم واختلافھم علی انبیاء وھم فاذا نھیتکم عن شیء فاجتنبوہ واذا امرتکم بشیء فاتوا منه ما استطعتم))(بخاری، کتاب الاعتصام)

وہ چھوڑ دو جسے میں چھوڑ دوں۔ تم سے پہلے لوگ انبیاء سے سوال اور اختلاف کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔ جب میں تمہیں کسی شی سے منع کروں تو اسے سے بچو اور جب کسی شی کے بجالانے کا کہوں تو اسے حتی المقدور بجالانے کی کوشش کرو۔"

صحابہ کرام نے اس آیت مبارکہ سے حجیت حدیث پر استدلال کیا۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے بال ملانے والیوں پر۔ بنو اسد کی خاتون کو یہ بات پہنچی (جس کا نام ام یعقوب تھا) وہ قرآن کا مطالعہ کرتیں تھیں۔ حضرت کے پاس آئیں اور کہا کہ مجھے آپ ﷺ کی بات پہنچی ہے۔ آپ نے فرمایا: میں لعنت کیوں نہ کروں جبکہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے اور یہ کتاب اللہ میں ہے، اس خاتون نے کہا:

((لقد رات ما بین لوحی المصحف فما وجدته))

"میں نے اول تا آخر قرآن پڑھا اس میں اسے میں نے کہیں نہیں پایا۔"

تو آپ نے فرمایا:

((لئن کنت قراتیه لقد وجدتیه وما اتکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنه فانتھوا))

"اگر تم قرآن کی یہ آیت پڑھ لیتیں تو پالیتی: جو رسول تمہیں دے لے لو اور جس سے روکیں رک جاؤ۔"

کوئی انسان جتنا بھی کمال حاصل کرلے اس کے تمام اوامر ونواہی کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا کیونکہ وہ معصوم نہیں اور نہ ہی اسے وحی آسمانی کی تائید حاصل ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے مختار و مصطفیٰ نبی ﷺ کی وحی وعصمت کیلئے مخصوص فرمالیا تو ہم پر آپ ﷺ کی اطاعت تامہ اور تسلیم کامل لازم فرمادی، آپ ﷺ کے اوامر کو بجالانا اور نواہی سے اجتناب ضروری قرار دے دیا۔ آپ ﷺ کو یہ اجازت دے دی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی منشاو مراد کو لوگوں پر واضح فرمائیں اور آپ ﷺ کو مہبط وحی بنایا تو اب تمام لوگوں پر آپ ﷺ کی اتباع اور امتثال لازم وفرض ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مصطفیٰ کریم ﷺ کو حکم، فیصل اور کامل ترازو بنایا تو جو آپ ﷺ عطا کریں لے لو اور جس سے روکیں رک جاؤ تو اس ترازو پر ہر مسلمان اپنے آپ کو پرکھ لے۔ اللہ تعالیٰ نے جب اپنے صفی نبی ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا تو کسی مقام ووقت یا حال وامر کا تعین نہیں فرمایا کہ فلاں جگہ اور موقع پر آپ ﷺ کی اتباع واطاعت کی جائے، بلکہ ان آیات مبارکہ کے سیاق سے یہی واضح ہورہا ہے کہ تمام امور، احوال، اوقات اور مقامات میں اطاعت لازم ہے، خواہ امور چھوٹے ہوں یا بڑے خواہ یہ تصرفات ہوں یا خواہشات، خواہ وہ عقیدہ ہو یا عمل، خواہ عبادت ہوں یا معاملات، یہ اخلاق ہوں یا اذواق، صلح ہو یا جنگ، خواہ امر ہو یا نہی، خواہ نیکی ہو یا برائی، یہ اطاعت ہو یا معصیت، یہ امور دنیا یا معیشت کے ہوں یا امر اخروی، ہر شے میں غضب، حلم، غنا وفقر، الغرض دنیا وآخرت کے ہر معاملہ میں آپ ﷺ ہی کی اتباع کی جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی ذات اقدس کو بے مثال رہنما، بے بدل قائد اور اسوۂ حسنہ بنایا ہے۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو یہ حکم دیا ہے کہ جب بھی میرا نبی ﷺ تمہیں بلائے تو فی الفور حاضر ہوجاؤ، سستی نہ کرو کیونکہ اس میں قبول کرنے والی زندگی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا مبارک فرمان ہے:

((یایها الذین امنوا استجیبوا لله وللرسول اذا دعا کم یحییکم واعلموا ان الله یحول بین المرء و قلبه وانه الیه تحشرون))(الانفال: 24)

”اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر حاضر ہوجاؤ۔ جب رسول تمہیں اس چیز کیلئے بلائیں جو تمہیں زندگی بخشے گی اور جان لو کہ اللہ کا حکم آدمی اور اس کے دلی ارادوں میں حائل ہوجاتا ہے اور یہ کہ تمہارا اسی کی طرف حشر ہوگا۔“

اس آیت میں الفاظ ”اذا دعا کم“ بڑے ہی توجہ کے لائق ہیں، ضمیر تثنیہ نہیں، واحد ہے تاکہ واضح ہوجائے یہ دعوت (بلانا) ایک ہی ہے، جس نے بھی رسول اللہ ﷺ کی آواز پر لبیک کہا اس نے حقیقتہً اللہ تعالیٰ ہی کے بلانے پر حاضری دی کیونکہ آپ ﷺ کی ذات اقدس اللہ تعالیٰ کی ہی پیغامبر ہے۔ جس نے بھی آپ ﷺ کی اطاعت کی اس نے آپ ﷺ کے بھیجنے والے کی اطاعت کی، جس نے آپ ﷺ کی آواز پر لبیک کہی اس نے اللہ کی بات کو قبول کیا، جب صحابہ سے آپ ﷺ کے بلانے پر کچھ تاخیر ہوئی تو آپ ﷺ نے متنبہ فرمایا کہ دیر نہ کیا کرو جلدی کیا کرو حتیٰ کہ وہ نماز میں تھے تب بھی فرمایا: تاخیر نہ کرو کیونکہ آپ ﷺ کی اطاعت اور آواز پر حاضر ہونا فی الفور لازم ہے، لیکن نماز ہے مثلاً: تو اس کیلئے کافی وقت ہوتا ہے تو اسے بھی آپ ﷺ کی اطاعت اور حکم پر چھوڑ دیا جائے۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابی بن کعب کے پاس تشریف لائے، وہ نماز ادا کررہے تھے، آپ نے آواز دی: اے ابی! انہوں نے جواب نہ دیا۔ جلدی سے نماز مکمل کرکے حاضر ہوکر عرض کیا:

((السلام عليك يا رسول الله))

''یارسول اللہ! سلام عرض ہے۔''

آپ ﷺ نے جوابِ سلام عنایت کیا اور فرمایا:

((مامنعك يا ابی اذا دعوتك ان تجيبنی؟))

''میں نے بلایا تم نہیں آئے کیا وجہ؟''

عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ

((كنت فی الصلوة))

''میں نماز میں تھا۔''

فرمایا:

((افلست تجد فيما اوحی الله الی ان، يايها الذين امنوا استجيبوا))

''کیا تم نے مجھ پر ہونے والی وحی میں یہ نہیں پایا: اے ایمان والو! فوراً حاضر ہو جاؤ۔''

عرض کیا: ہاں یارسول اللہ ﷺ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔ (مسند احمد 2-412)

حضرت ابوسعید بن معلٰی سے روایت ہے کہ میں نماز پڑھ رہا تھا، رسول اللہ ﷺ میرے پاس سے گزرے، مجھے بلایا، میں نماز مکمل کرکے حاضر ہوا فرمایا:

((مامنعك ان تاتی؟))

''آنے سے کس نے روکا؟''

عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ

((انی كنت اصلی))

''میں نماز ادا کررہا تھا۔''

فرمایا: کیا اللہ تعالٰی کا فرمان نہیں ہے؟

((يايها الذين امنوا استجيبوا لله وللرسول اذا دعا كم))(الانفال:24)

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر حاضر ہو جب رسول تمہیں اس چیز کیلئے بلائیں جس سے تمہیں زندگی ملے۔''

پھر فرمایا: میں تمہیں مسجد سے نکلنے سے پہلے قرآن کی عظیم سورت کی تعلیم دیتا ہوں، آپ ﷺ جب باہر تشریف لے جانے لگے تو میں نے عرض کیا تو آپ ﷺ نے مجھے الحمد للہ رب العالمین اور سبع مثانی کی تعلیم دی۔

(بخاری، کتاب التفسیر)

ان نصوص سے یہ احکامات ثابت ہوتے ہیں:

1: جب اس شخص پر حاضر ہونا فی الفور لازم ہے جو نماز (جو کہ مستقبل اور اہم عبادت ہے) میں ہے تو اس شخص پر کس قدر لزوم ہوگا جو نماز میں نہیں، پھر عمومی حالات میں جس سے اطاعت کا مطالبہ کیا گیا ہے اس پر کتنا لزوم ہوگا؟ یہ نص خواہ بصورت آیت قرآنی یا بصورت حدیث، آپ ﷺ کی اطاعت کے حتمی وجوب پر دال ہے یعنی آپ ﷺ کی اطاعت پر کسی دوسری طاقت کو مقدم نہیں کیا جا سکتا خواہ وہ کتنی اہم عبادت ہی کیوں نہ ہو، اس لئے کہ آپ ﷺ کی اطاعت مقدم ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کے بلاوے پر فی الفور حاضر ہونا مقدم ہے۔ آپ ﷺ کی اطاعت اور آپ ﷺ کے حکم کو بجالانا ایسی عبادت ہے کہ کوئی عبادت اس کا مقابلہ کر ہی نہیں سکتی جس طرح آپ ﷺ کی بات نہ ماننا اور بلاوے پر حاضر نہ ہونا اتنی بڑی معصیت ہے کہ اس کا مقابلہ کوئی معصیت نہیں کر سکتی ہے۔ اسی لئے حضور ﷺ نے ان صحابہ کرام کو عتاب فرمایا تا کہ آئندہ وہ معصیت میں نہ پڑ جائیں۔

2: متعدد علماء نے تصریح کی ہے کہ نماز کی حالت میں آپ ﷺ نے یاد فرمایا تو حاضری دی جائے اس سے نماز باطل نہیں ہوگی اگر چہ یہ حکم انہوں نے دیگر نصوص سے بھی لیا۔

3: اگر آدمی نماز میں ہے تب بھی حاضری فرض ہے، اگر حاضر نہیں ہوتا تو گناہگار ہوگا، اگر ایسی بات نہیں تو آپ ﷺ انہیں اللہ تعالیٰ کا حکم پڑھ کر نہ سناتے، ہاں یہ آپ ﷺ کے ساتھ ہی خاص ہے۔ ہاں نفل نماز میں والدہ کا بلانا بھی اسی کے ساتھ متصل ہے۔ جیسا کہ عابد جریج کے واقعہ میں ہے کہ انہیں تین دفعہ بلایا اتفاقاً وہ نماز میں تھے، انہوں نے ماں پر نماز کو ترجیح دی حتیٰ کہ ماں نے بددعا کی:

((اللهم لا تمته حتى تريه وجوه المومسات))(مسلم)

"یا اللہ! یہ موت سے پہلے زانیہ عورتوں کو دیکھے۔"

4: حضور ﷺ جب بھی طلب فرمائیں فی الفور حاضر ہونا لازم وفرض ہے، اگر فی الفور حاضر ہونا لازم نہ ہوتا تو ان دو صحابہ پر آپ ﷺ عتاب نہ فرماتے۔

اطاعت رسول......خالص ترین عبادت:

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صفی ﷺ کے بلاوے پر حاضر ہونا، دنیا و آخرت میں حیات ابدی پانے کا ذریعہ بنایا ہے، کیونکہ یہ اس اللہ کا حکم ہے جو بندے اور اس کے دل کے درمیان حائل ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آپ ﷺ سے صادر ہوتا ہے اسے وحی قرار دے دیا اور لوگوں پر آپ ﷺ کی اطاعت لازم فرمادی، حلال وحرام میں، صلح و جنگ، عقیدہ وعبادت اور اخلاق و معاملات میں حتیٰ کہ ہجرت بھی آپ ﷺ کی خاطر ہوتی اور جس نے آپ ﷺ کی طرف ہجرت کی اللہ نے اس کا اجر اپنے ذمہ لے لیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

((ومن يخرج من بيته مهاجراً الى الله ورسوله ثم يدركه الموت فقد وقع اجره على الله وكان الله غفورا رحيما))

(النساء:100)

''اور جو اپنے گھر سے نکلا اللہ و رسول کی طرف ہجرت کرتا پھر اسے موت نے آلیا تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ پر ہو گیا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

اگر آپ ﷺ کی اطاعت ایسی خالص عبادت نہ ہوتی جس پر مہاجر کو اجر دیا جاتا ہے تو آپ ﷺ کی طرف ہجرت جائز نہ ہوتی، جب ہم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کو دیکھتے ہیں:

((مهاجرا الى الله ورسوله))(النساء:100)

''جو اللہ و رسول کی طرف ہجرت کرتا ہے۔''

اور پھر فرمایا:

((فقد وقع اجره على الله))(النساء:100)

''اس کا ثواب اللہ کے ذمہ پر ہو گیا۔''

تو اس کے سوا ہمارے اوپر کوئی اور معنی آشکار نہیں ہوتا۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہاں مہاجر کا اجر اپنے ذمہ لیا ہے۔ اس صورت میں جب وہ مہاجر ابھی مدینہ طیبہ آپ ﷺ تک نہیں پہنچا بلکہ راستہ میں اس کا وصال ہو گیا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((انما الاعمال بالنيات وانما لكل امرى مانوى فمن كانت هجرته الى الله ورسوله فهجرته الى الله ورسوله و من كانت هجرته الى دنيا يصيبها او امراة يتزوجها فهجرته الى ماهاجر اليه))(بخاری، كتاب الايمان)

''اعمال کا مدار نیتوں پر ہوتا ہے اور ہر آدمی کے لیے وہ ہے جس کی اس نے نیت کی، جس نے ہجرت کی اللہ و رسول ﷺ کی طرف اس کی ہجرت اللہ و رسول ﷺ کی طرف ہے اور جس نے ہجرت کی دنیا یا کسی خاتون کی خاطر اس کی ہجرت اسی کی طرف ہے۔''

تو حکم کا ربط نیت سے ہے، جس کی ہجرت خالصۃً اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہو گی تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، اللہ تعالیٰ اس کی ہجرت کی وجہ سے اس کے گناہ معاف فرما دے گا، اسی لئے حضور ﷺ نے ہجرت پر صحابہ سے بیعت لی، جس کی ہجرت دنیا کی خاطر ہوتی دین کے لئے نہ تھی تو اس کیلئے کوئی اجر و ثواب نہیں۔ اگر چہ وہ ہجرت اولیٰ میں شامل ہوا ہو۔

جب آپ ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو طفیل بن عمرو آ گئے، ان کی قوم میں سے ایک آدمی بھی ساتھ تھا، مدینہ کی فضاء اسے موافق نہ آئی تو بیمار ہو گیا، پریشان ہو کر قینچی لی اور اس کے ساتھ اپنی انگلیوں کے جوڑ کاٹ دیئے، اس کے ہاتھ اس قدر زخمی ہو گئے حتیٰ کہ وہ فوت ہو گیا، طفیل بن عمرو نے اسے خواب میں دیکھا حالت اچھی

تھی لیکن ہاتھ ڈھانپے ہوئے تھے۔ پوچھا: رب کریم نے کیسا معاملہ فرمایا؟ کہا:

((غفر ی بھجرتی الی نبیه))

''میں نے اس کے نبی ﷺ کی طرف ہجرت کی تھی اس کے وسیلہ سے اللہ نے مجھے بخش دیا۔''

پوچھا: کیا وجہ میں تجھے ہاتھ ڈھانپے دیکھ رہا ہوں۔ اس نے کہا:

''مجھے فرمایا گیا جو تو نے خود فاسد کیا، ہم اس کو درست نہیں کریں گے۔''

یہ قصہ حضرت طفیل نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((اللھم ولیدیه فاغفر))(مسلم ، کتاب الایمان)

''اے اللہ! اسے اور اس کے ہاتھوں کو معاف فرما دے۔''

تو اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی طرف ہجرت کی وجہ سے معاف فرما دیا تو ہجرت کا کتنا بلند مقام ہے کہ اس کی وجہ سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، پھر یہ معلوم ہو رہا ہے کہ ہجرت اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے۔ تبھی تو یہ اس آدمی کے گناہوں کی بخشش کا ذریعہ بنی۔

یہ مسلم ہے کہ فتنوں کے دور میں لوگ اپنے آپ کو بھول جاتے ہیں، حوادثات فتن کی وجہ سے عبادات سے ہٹ کر دنیا کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں، ان کے اذہان اور عقول اپنے مولیٰ سے اور اس کا قرب پانے سے دور ہو جاتے ہیں کیونکہ جنگ، قتل، لوٹ مار، چوری ڈاکے انسانی ذہن کو پریشان کر دیتے ہیں جو شخص اس حال میں بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی ذات کی طرف متوجہ رہا، فتنے اسے پریشان نہ کر سکے، حوادثات اور مصائب اس کے ذہن کو پراگندہ کرانے میں کامیاب نہ ہو سکے، یقیناً ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں مگر ان کا عمل ان کے رب کے ساتھ تعلق میں کتنا مستحکم ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں اجر و ثواب کس قدر نصیب ہوگا، ان کے اس عمل کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا مگر وہ شخص جس نے اللہ کے رسول ﷺ کی طرف ہجرت کی۔

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((العبادة فی الھرج کھجرة الی))(مسلم، کتاب الفتن)

''حوادثات فتن میں عبادت، میری طرف ہجرت کے برابر ہے۔''

اس حدیث مبارکہ میں دور فتنہ میں عبادت پر ابھارا گیا ہے کہ اس کا فضل اور ثواب ایسے ہے جیسے کسی نے اللہ کے نبی ﷺ کی طرف ہجرت کی۔ اس نص نے تو نہایت اعلیٰ انداز میں ہجرت کی فضیلت واضح کی ہے۔ اور فتنوں کے دور میں عبادت کا مقدم ہونا بھی۔

ہم یہ جانتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی طرف فتح مکہ سے پہلے ہجرت لازم و فرض تھی۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دے دیا کہ غیر مہاجر کو دوست نہیں بنایا جائے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

((ان الذین امنوا وھاجروا وجھدوا باموالھم وانفسھم فی

سبیل اللہ والذین اووا ونصروا اولئك بعضهم اولیاء بعض والذین امنوا ولم یهاجروا ما لك من ولا یتهم من شی ء حتی یهاجروا وان استنصرو کم فی الدین فعلیکم النصر الا علی قوم بینکم وبینهم میثاق واللہ بما تعملون بصیر))(الانفال:72)

''بے شک جو ایمان لائے اور اللہ کے لئے گھربار چھوڑے اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے لڑے اور وہ جنہوں نے جگہ دی اور مدد کی وہ ایک دوسرے کے وارث ہیں اور وہ جو ایمان لائے اور ہجرت نہ کی تمہیں ان کا ترکہ کچھ نہیں پہنچتا، جب تک ہجرت نہ کریں اور اگر وہ دین میں تم سے مدد چاہیں تو تم پر مدد دینا واجب ہے مگر ایسی قوم پر کہ تم میں ان میں معاہدہ ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔''

ہجرت کا یہ مقام ہے۔ پہلے ہم رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کا مقام بھی جان چکے جس سے واضح ہو گیا کہ ہجرت قربات میں سے اعظم اور عبادات میں سے احسن ہے پھر ہمیں اس بات کا علم بھی ہو گیا کہ حضور ﷺ کی اطاعت کی عظمت کیا ہے اور یہ فی نفسہ مطلوب ہے۔

قرآن کریم کی متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ خصوصاً جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتا ہو اسے آپ ﷺ کی اطاعت کا پابند کر دیا گیا ہے۔ درج ذیل آیات میں مختلف الفاظ میں اطاعت کا حکم ہے:

((انما کان قول المومنین اذا دعوا الی اللہ ورسولہ لیحکم بینهم ان یقولوا سمعنا واطعنا واولئك هم المفلحون o ومن یطع اللہ ورسولہ ویخش اللہ ویتقه فاؤلئك هم الفائزون o واقسموا باللہ جهد ایمانهم لن امرتهم لیخرجن قل لا تقسموا طاعة معروفة ان اللہ خبیر بما تعملون))(النور:51-52)

''مسلمانوں کی بات تو یہی ہے جب اللہ اور رسول کی طرف بلائے جائیں کہ رسول ان میں فیصلہ فرمائے کہ عرض کریں: ہم نے سنا اور حکم مانا اور یہی لوگ مراد کو پہنچے اور جو حکم مانے اللہ اور اس کے رسول کا اور اللہ سے ڈرے اور پرہیزگاری کرے تو یہی لوگ کامیاب ہیں اور انہوں نے اللہ کی پکی قسمیں کھائیں کہ اگر تم انہیں حکم دو گے تو وہ ضرور جہاد کو نکلیں گے۔ تم فرماؤ: قسمیں نہ کھاؤ موافق شرع حکم برادری چاہیے۔ اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔''

ان تمام آیات میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا حکم ہے۔ کسی آیت کے الفاظ یہ ہیں:

((قل اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول))(النور:54)

"تم فرماؤ حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا۔"

کسی جگہ الفاظ یہ ہیں:

((واطیعو اللہ ورسولہ))(الانفال:46)

"حکم مانو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کا۔"

اطاعت رسول کا عطف اللہ کی اطاعت پر:

کئی آیات میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا عطف اطاعت اللہ پر ہے، لیکن اس کی دو صورتیں ہیں:

1: اطاعت رسول ﷺ کا اطاعت اللہ پر عطف۔

2: اسم رسول ﷺ کا اسم جلالت پر عطف۔

اطاعت رسول ﷺ کا اطاعت اللہ پر عطف: اس پر متعدد آیات دال ہیں:

((قل اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول فان تولوا فانما علیہ ماحمل وعلیکم ما حملتم وان تطیعوہ تھتدوا وما علی الرسول الا البلغ المبین))(النور:54)

"تم فرماؤ حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا، پھر اگر تم منہ پھیرو تو رسول کے ذمہ وہی ہے جو اس پر لازم کیا گیا اور تم پر وہ ہے جس کا بوجھ تم پر رکھا گیا اور اگر رسول کی فرمانبرداری کرو گے تو راہ پاؤ گے اور رسول کے ذمہ نہیں مگر صاف پہنچا دینا۔"

تو آپ ﷺ کی اطاعت، سراپا ہدایت اور آپ ﷺ کی معصیت سراپا گمراہی اور ضلالت ہے:

((انما یرید الشیطن ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوۃ فھل انتم منتھون ٥ واطیعو اللہ واطیعوا الرسول واحذروا فان تولیتم فاعلموا انما علی رسولنا البلغ المبین))(المائدہ:91-92)

"شیطان یہی چاہتا ہے کہ تم میں بیر اور دشمنی ڈلوا دے شراب اور جوئے میں اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روکے تو کیا تم باز آئے اور حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ہوشیار رہو۔ پھر اگر تم پھر جاؤ تو جان لو کہ ہمارے رسول کا ذمہ صرف واضح طور پر حکم پہنچا دینا ہے۔"

((یایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الاخر ذلک خیرو احسن تاویلا))(النساء:159)

"اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں۔ پھر اگر تم

میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اللہ اور رسول کے حضور رجوع کرو اگر اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے اور اس کا انجام سب سے اچھا۔''

اللہ تعالیٰ نے یہاں اطاعت رسول ﷺ کا عطف اپنی اطاعت پر فرمایا ہے، اولوالامر کی اطاعت کو، اطاعت رسول ﷺ میں ہی شامل کر دیا ہے کیونکہ ان کی مستقبل اطاعت نہیں، ان کی اطاعت اس میں ہوگی جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے تابع ہوگی، اسی لئے تنازع کے وقت معاملہ کو ان کی طرف لوٹانے کا حکم نہیں بلکہ اللہ کی کتاب کی طرف اور اس کے رسول ﷺ کی طرف (آپ ﷺ کی ظاہری حیات میں) اور وصال کے بعد آپ ﷺ کی سنت کی طرف لوٹانے کا حکم ہے۔

((یایها الذین امنوا اطیعوا الله و اطیعوا الرسول و لا تبطلوا اعمالکم))(محمد: 33)

''اے ایمان والو! اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور اپنے عمل باطل نہ کرو۔''

((و اطیعوا الله و اطیعوا الرسول فان تولیتم فانما علی رسولنا البلغ المبین))(التغابن 12)

''اور اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو، پھر اگر تم منہ پھیرو تو جان لو کہ ہمارے رسول پر صرف صریح پہنچا دینا ہے۔''

''واحذروا'' کے الفاظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شدید دھمکی ہیں اور ''فان تولیتم'' اور ''فان تولوا'' آپ ﷺ کی اطاعت سے اعراض اور مخالفت کے خطرناک ہونے پر دال ہیں اور واضح کر رہے ہیں کہ کسی کے اعراض و انکار سے نبی اکرم ﷺ کو کوئی نقصان نہیں، کیونکہ آپ ﷺ کی ذمہ داری تو بات دلائل سے واضح کرنا تھی جو آپ ﷺ نے کر دی نقصان تو خود اعراض، مخالفت اور نافرمانی کرنے وال کو ہے، جب عاقل اور صاحب فہم کو اس بات کا علم ہو گیا کہ جو ہستی آپ ﷺ سے اعراض و مخالفت پر عذاب کی وعید سنا رہی ہے وہ اللہ تعالیٰ ہے تو جو آپ ﷺ کی اطاعت کو قبول کرے گا اور دل و جان سے فدا ہوگا، آپ ﷺ کی مخالفت و نافرمانی سے بچے گا اسے اللہ تعالیٰ کیا مقام عطا فرمائے گا۔ یہی وجہ ہے جب عاصی اور کفار (جنہوں نے دنیا میں رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی ہوگی) دوزخ میں داخل ہوں گے تو وہ یہ تمنا کریں گے کہ کاش! ہم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی ہوتی تو آج یہ عذاب الیم نہ دیکھتے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے:

((ان الله لعن الکفرین و اعد لهم سعیراً ○ خلدین فیها ابدا لا یجدون ولیا و لا نصیرا ○ یوم تقلب وجوههم فی النار یقولون یلیتنا اطعنا الله و اطعنا الرسولا ○ و قالوا ربنا انا اطعنا سادتنا و کبراء نا فاضلونا السبیلا ○ ربنا اتهم ضعفین من العذاب

والعنھم لعنا کبیرا))(الاحزاب:64-68)

''بے شک اللہ نے کافروں پر لعنت فرمائی اور ان کیلئے بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے۔اس میں ہمیشہ رہیں گے،اس میں نہ کوئی حمایتی پائیں گے نہ مددگار۔جس دن ان کے منہ الٹ الٹ کر آگ میں تلے جائیں گے،کہتے ہوں گے:ہائے کسی طرح ہم نے اللہ کا حکم مانا ہوتا اور رسول کا حکم مانا ہوتا اور کہیں گے:اے ہمارے رب!ہم اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کے کہنے پر چلے تو انہوں نے ہمیں راہ سے بہکا دیا۔اے ہمارے رب!انہیں آگ کا دوگنا عذاب دے اور ان پر بڑی لعنت کر۔''

تو آیات سابقہ میں اطاعت کا عطف اطاعت پر ہے جو واضح کر رہا ہے کہ آپ ﷺ کی اطاعت مستقل طور پر لازم ہے یعنی وہ عمل جو آپ ﷺ نے جاری فرمایا اور قرآن میں وہ نہیں بلکہ وہ زائد ہے تو اس میں اطاعت لازم ہوگی اور لفظ اطاعت کا اطاعت پر عطف اسی راز اور حقیقت کو واضح کر رہا ہے۔مثلاً:عورت اور اس کی پھوپھی،عورت اور اس کی خالہ کو نکاح میں جمع کرنا حرام،نکاح متعہ،ہر ذی ناب درندے اور ذی مخلب پرندے،وحشی حمار کا کھانا حرام ہیں،اس طرح بہت بیوع حرام ہیں،تلی وجگر اور مچھلی و مکڑی کا کھانا حلال ہے۔اس لئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت آپس میں متلازم ہیں۔ان میں جدائی نہیں،ان میں سے جس نے کسی کا انکار کیا اس نے دوسری سے انکار اور کفر کیا،ان دونوں کو مانے بغیر ایمان درست نہیں،اس لئے اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات میں ایمان اور اطاعت کے درمیان ربط و اتصال بیان فرمایا ہے۔تو اطاعت،ایمان کے لوازمات میں سے ہے۔جیسا کہ محبت،ایمان کا لازم ہے۔اسی لئے جب اطاعت کا باعث محبت ہے تو وہ اولیٰ ہوگی اس بات سے کہ باعث خوف ہو،اگرچہ دونوں کا وجود اجتماعی طور پر ضروری ہے۔

ان آیات نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ آپ ﷺ کی اطاعت مستقل طور پر مطلوب ہے۔اس لئے یہ ثمرات و فوائد مرتب ہوتے ہیں جیسا کہ آرہا ہے اور اس کے ترک پر عذاب و گرفت ہے۔

پھر تم نے یہ بھی دیکھا کہ ان آیات میں اطاعت صرف امت مسلمہ کو ہی حکم نہیں بلکہ تمام مخلوق کو ہے کہ اگر انہوں نے اطاعت نہ کی تو ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت،دائمی جہنم اور عذاب الیم ہے،کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے بجائے اپنے لیڈروں اور قائدین کی اتباع کی،ہاں ساتھ امت کو بھی اطاعت کا حکم ہے۔دوسروں کو پہلے ایمان پر اطاعت کا ہے لیکن امت کو آپ ﷺ کی اتباع اور اطاعت کا حکم ہے۔

اسم رسول ﷺ کا اسم جلالت پر عطف: اس کی بھی متعدد صورت ہیں:

1: صیغہ طلب۔

2: صیغہ مضارع بمعنی امر۔

3: اسم رسول کا اسم جلالت پر عطف اور اطاعت کا حکم بصیغہ امر۔

1: صیغہ طلب: بعض آیات میں صیغہ طلب ہے اور عطف اسم رسول کا اسم جلالت پر ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((قالت الاعراب امنا قل لم تومنوا ولکن قولوا اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم وان تطیعوا اللہ ورسولہ لایلتکم من اعمالکم شیئا ان اللہ غفور رحیم))(الحجرات: 14)

''دیہاتی بولے: ہم ایمان لائے تم فرماؤ تم ایمان تو نہ لائے، ہاں یوں کہو کہ ہم اسلام لائے اور ابھی ایمان تمہارے دلوں میں کہاں داخل ہوا؟ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو گے تو تمہارے کسی عمل کا تمہیں نقصان نہ ہوگا۔ بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

یہاں ایمان ہی اطاعت اور رسول اللہ ﷺ کے امر کو قبول کرنا ہے، اگر وہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرلیں اور آپ ﷺ کے اس حکم کو مان لیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ تو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال میں کوئی کمی نہیں فرمائے گا بلکہ ان کو فلاح کبیر بصورت گناہوں کی بخشش اور ان پر رحمت عطا فرمائے گا۔ ان تمام مذکورہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے لفظ ''رسول اللہ'' کا عطف لفظ ''اللہ'' پر حکم اطاعت میں اشتراک کی وجہ سے فرمایا ہے اور یہ آپ ﷺ کا انتہائی اکرام ہے کیونکہ ہمارے علم کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اپنے مبارک اسم کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کے نام نامی ﷺ کے سوا کسی نبی کے نام کو متصل نہیں فرمایا تو یہ بات واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کی اطاعت کی اہمیت اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے حکم پر دلالت کررہی ہے جیسا کہ یہ بات بھی آشکار ہورہی ہے کہ آپ ﷺ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں داخل ہے اور اس اطاعت کا حکم اللہ تعالیٰ نے دے رکھا ہے۔

سنت نبویہ کا تعلق قرآن کریم سے تین طرح کا ہے۔ ان آیات سے متعلقہ دو ہیں:

1۔ ایک حکم قرآن میں ہو اور انہی الفاظ سے وہ سنت میں بھی بیان ہو۔

2۔ قرآن میں الفاظ حکم مجمل تھے۔ مثلاً: واقیموا الصلوۃ، واتوا الزکوۃ، احل اللہ البیع وحرم الربوا'' تو سنت نے اسے واضح کردیا، یا سنت قرآن کے عام کو خاص اور اس کے مطلق حکم کو مقید کردیتی ہے، تو سنت کے ساتھ استدلال قرآن کریم کے ساتھ ہی استدلال ہے کیونکہ یہ اس کے تابع اور حکم قرآن سے باہر نہیں۔

2: **صیغہ مضارع بمعنی امر:** کچھ آیات میں مضارع کا صیغہ ہے اور وہ بھی معنی امر پر ہی محمول ہے، لیکن لفظ رسول کا عطف اسم جلالت پر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((ومن یطع اللہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبین والصدیقین والشھداء والصلحین وحسن اولئک رفیقا))(النساء: 69)

''اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ۔ یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔''

دوسرے مقام پر فرمایا:

((ومن یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزا عظیما))(الاحزاب: 71)

''اور جو اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے اس نے بڑی کامیابی پائی''۔

تیسرے مقام پر فرمایا:

((ومن یطع اللہ ورسولہ یدخلہ جنت تجری من تحتھا الانھر ومن یتول یعذبہ عذابا الیما))(الفتح :17)

''اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے اللہ اسے باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں رواں اور جو پھر جائے گا اسے دردناک عذاب فرمائے گا''۔

چوتھے مقام پر فرمایا:

((ومن یطع اللہ ورسولہ یدخلہ جنت تجری من تحتھا الانھر خلدین فیھا وذلک الفوز العظیم))(النساء:13)

''اور جو حکم مانے اللہ اور اس کے رسول کا اللہ اسے باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں رواں، ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہی بڑی کامیابی ہے''۔

پانچویں مقام پر ہے:

((والمومنون والمومنت بعضھم اولیاء بعض یامرون بالمعروف و ینھون عن المنکر و یقیمون الصلوۃ ویوتون الزکوٰۃ و یطیعون اللہ و رسولہ اولئک سیر حمھم اللہ ان اللہ عزیز حکیم))(التوبہ :71)

''مومن مرد اور عورتیں آپس میں دوست ہیں، نیکی کا حکم کرتے اور برائی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں کہ عنقریب اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے گا۔ بلاشبہ وہ غالب حکمت والا ہے''۔

سچے اور مستحق رحمت اہل ایمان کی صفت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت اختیار کرتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاع وخبر ہے جو ان صفات کو اپنانے کا حکم بھی ہے۔

3: **صیغہ امر:** اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((واطیعوا اللہ ورسولہ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم و اصبروا ان اللہ مع الصبرین))(الانفال: 46)

''اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور آپس میں جھگڑو نہیں کہ پھر بزدلی کرو گے اور تمہارا دبدبہ جاتا رہے گا اور صبر کرو، بے شک اللہ صبر والوں کے ساتھ ہے''۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

((یایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ ورسولہ ولا تولوا عنہ وانتم تسمعون))(الانفال:20)

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور سن سنا کر اس سے نہ پھرو۔''

تیسرے مقام پر فرمایا:

((فاتقوا اللہ واصلحوا ذات بینکم واطیعوا اللہ ورسولہ ان کنتم مومنین))(الانفال:1)

''تو اللہ سے ڈرو اور اپنے آپس میں میل (صلح صفائی) رکھو اور اللہ اور رسول کا حکم مانو، اگر ایمان رکھتے ہو۔''

چوتھے مقام پر ہے:

((واطیعوا اللہ والرسول لعلکم ترحمون))(آل عمران:132)

''اور اللہ ورسول ﷺ کے فرمانبردار رہو اس امید پر کہ تم رحم کیے جاؤ۔''

پانچویں مقام پر ہے:

((قل اطیعوا اللہ والرسول فان تولوا فان اللہ لا یحب الکفرین))(آل عمران:32)

''تم فرمادو کہ حکم مانو اللہ اور رسول کا، پھر اگر وہ منہ پھیریں تو اللہ کو پسند نہیں کافر۔''

چھٹے مقام پر ہے:

((اشفقتم ان تقدموا بین یدی نجوکم صدقۃ فان لم تفعلوا وتاب اللہ علیکم فاقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ واطیعوا اللہ ورسولہ واللہ خبیر بما تعملون))(المجادلہ:13)

''کیا تم اس سے ڈرے کہ تم اپنی عرض سے پہلے کچھ صدقے دو، پھر جب تم نے یہ نہ کیا اور اللہ نے اپنی مہر سے تم پر رجوع فرمائی تو نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کے فرمانبردار رہو اور اللہ تمہارے کاموں کو جانتا ہے۔''

سورۃ الاحزاب میں خطاب خصوصاً خواتین کو صیغہ امر میں ہے اور لفظ رسول کا عطف اسم جلالت پر ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

((واقمن الصلوۃ واتین الزکوٰۃ واطعن اللہ ورسولہ))(الاحزاب 33)

''اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو۔''

ان آیات میں مختلف امور مثلاً: عبادات، معاملات، صلح، جنگ، خدمت خلق حضور سے عرض و نیاز کا حکم ہے۔

رسول اللہ کی اطاعت جنات کے لیے بھی لازم ہے:

سابقہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو عموماً اور اس امت کو خصوصاً آپ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا ہے جیسا کہ خواتین کیلئے بھی مخصوص حکم آیا:

((واطعن الله ورسوله))

''تم اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسول کی۔''

اسی طرح جنات کیلئے بھی حکم وارد ہے، تاکہ جن وانس دونوں کو حکم ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

((واذ صرفنا اليك نفرا من الجن يستمعون القران فلما
حضروه قالوا انصتوا فلما قضي ولوا الي قومهم منذرين o
قالوا يقومنا انا سمعنا كتبا انزل من بعد موسي مصدقا لما بين
يديه يهدي الي الحق والي طريق مستقيم o يقومنا اجيبوا
داعي الله وامنوا به يغفرلكم من ذنوبكم ويجركم من عذاب
اليم o ومن لا يحب داعي الله فليس بمعجز في الارض
وليس له من دونه اولياء اولئك في ضلل مبين))

(الاحقاف:29-32)

''اور جب کہ ہم نے تمہاری طرف کتنے جن پھیرے کان لگا کر قرآن سنتے، پھر جب وہاں حاضر ہوئے آپس میں بولے: خاموش رہو، پھر جب پڑھنا ہو چکا اپنی قوم کی طرف ڈر سناتے پلٹے، بولے: اے ہماری قوم! ہم نے ایک کتاب سنی کہ موسیٰ کے بعد اتاری گئی اگلی کتابوں کی تصدیق فرماتی حق اور سیدھی راہ دکھاتی۔ اے ہماری قوم! اللہ کے منادی کی بات مانو اور اس پر ایمان لاؤ کہ وہ تمہارے کچھ گناہ بخش دے اور تمہیں دردناک عذاب سے بچا لے اور جو اللہ کے منادی کی بات نہ مانے وہ زمین میں قابو سے نکل کر جانیوالا نہیں اور اللہ کے سامنے اس کا کوئی مددگار نہیں، وہ کھلی گمراہی میں ہیں۔''

ان آیات میں مطیع مومن کا ثواب اور جزاء، گناہوں کی بخشش اور عذاب الیم سے محفوظ ہونا بیان ہوا ہے اور جو اطاعت کو قبول نہیں کرے گا وہ زمین میں عاجز کرنے والے نہیں اور اس کا کوئی مددگار نہیں جو اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا لے کیونکہ وہ واضح طور پر گمراہ ہے۔ جنات نے دوسروں کو بھی شوق وخوف سے دعوت دی، ان میں سے بہت نے قبول کر لیا اور وہ وفد در وفد آپ ﷺ کی خدمت میں آتے رہے جیسا کہ متعدد روایات میں موجود

ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی فرضیت پر ایک اہم چیز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے بارے میں تمام انبیاء علیہم السلام سے عہد لیا ہے اور وہ عہد آپ ﷺ پر بصورت ایمان آپ ﷺ کی نصرت وتائید اور آپ ﷺ کی اتباع ہے۔ جیسا کہ ان انبیاء علیہم السلام کو یہ بھی حکم تھا کہ وہ اپنی اپنی امت (جو آپ ﷺ کو پائیں) کو آپ ﷺ پر ایمان، آپ ﷺ کی مدد، آپ ﷺ کی اتباع واطاعت کرنے کا کہیں۔

اللہ تعالیٰ کا مبارک فرمان ہے:

((و اذ اخذ اللہ میثاق النبین لما اتیتکم من کتب و حکمۃ ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم لتومنن بہ و لتنصرنہ قال ء اقرار تم و اخذ تم علی ذلکم اصری قالوا اقررنا قال فاشھدوا و انا معکم من الشھدین))(آل عمران: 81)

''اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب وحکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔ فرمایا کیوں تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا؟ سب نے عرض کی کہ ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا: تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں آپ تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔''

حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے اور یہ حضرت قتادہ، حضرت سدی اور امام حسن وطاوس سے بھی ہے، جیسا کہ طبری، ابن کثیر اور سیوطی نے اسے تفسیر کے تحت نقل کیا ہے:

((ما بعث اللہ نبیا من الانبیاء الا اخذ میثاقہ لیومنن بمحمد ﷺ و ینصرنہ ان خرج وھم احیاء))

''اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے یہ عہد لیا کہ اگر آپ ﷺ اس کی زندگی میں تشریف لائیں تو آپ ﷺ پر ایمان لائیں اور آپ ﷺ کی مدد کریں۔''

اس آیت کریمہ میں ''النبیین'' کا لفظ اہم ہے۔ یہ ہر نبی اور رسول کو شامل ہے، کیونکہ ہر رسول، نبی ہے لیکن ہر نبی، رسول نہیں ہوتا کیونکہ نبی وہ ہوتا ہے جس پر وحی ہو مگر اسے تبلیغ کا حکم نہ ہو لیکن رسول کو وحی بھی ملتی ہے اور حکم تبلیغ بھی، تو لفظ نبی، رسول سے عام ہے، اس لئے جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی ختم نبوت کا ذکر فرمایا تو ''خاتم النبیین'' فرمایا تاکہ آپ ﷺ تمام انبیاء اور رسول کے خاتم ہوں، جب آپ ﷺ انبیاء کے خاتم ہوں تو رسولوں کے بھی خاتم ٹھہرے، یہ وہ راز ہے جو اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین میں رکھا ہے۔ ارشاد فرمایا:

((ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم

النبیین))(الاحزاب:40)

"محمد ﷺ تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں، ہاں! اللہ کے رسول ہیں اور سب سے آخری نبی۔"

تو آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں، تمام انبیاء اور مرسلین کے خاتم ہیں، اگر خاتم المرسلین کہا جاتا تو پھر آپ ﷺ کے بعد نبی آنے کا احتمال رہ جاتا، جب خاتم النبیین فرما دیا تو انبیاء اور مرسلین دونوں کیلئے آپ ﷺ خاتم قرار پائے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء علیہم السلام سے پختہ عہد لیا اس بات کا کہ وہ نبی مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لائیں گے اور ان کی مدد کریں گے، جب انہوں نے اس بات کا اقرار کر لیا تو انہیں اس پر گواہ بنایا اور خود بھی گواہ بنا جو سب سے بڑی گواہی ہے۔

اور یہ عہد اللہ نے صرف آپ ﷺ کے بارے میں ہی لیا ہے، کیونکہ آپ ﷺ کی رسالت عام ہے بخلاف دیگر انبیاء ورسل کے، ان کی نبوت ورسالت محدود ومخصوص تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے سابقہ تمام انبیاء کو آپ ﷺ کی ذات اقدس کے بارے میں، آپ ﷺ کے مقام بعثت، زمانہ، مقام نبوت، آپ ﷺ کی علامات وصفات سے آگاہ فرما رکھا تھا۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((انی عند اللہ لخاتم النبین و ان ادم لمنجدل فی طینتہ و ساخبر کم باول امری انا دعوۃ ابراھیم وبشارۃ عیسیٰ ورؤیا امی التی رأت حین والدتنی و قدخرج منھا نور ساطع اضاءت منہ قصور الشام))(مسند احمد:4-127)

"میں اللہ تعالیٰ کے ہاں خاتم النبیین تھا جب آدم ابھی مٹی میں تھے، میں تمہیں ابتدائی معاملہ کی خبر دیتا ہوں، میں ابراہیم کی دعا، عیسیٰ کی بشارت اور اپنی والدہ کا خواب ہوں جو انہوں نے ولادت کے وقت دیکھا تھا، ایک نور نکلا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔"

اسے امام احمد، ابن حبان، حاکم نے صحیح کہا، ذہبی نے حکم ثابت رکھا، بزار، طبرانی، ابن سعد، بیہقی اور بخاری نے تاریخ میں اور بغوی نے نقل کیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا یہ ہے:

((ربنا وابعث فیھم رسولا منھم))(البقرہ:129)

"اے رب ہمارے! اور بھیج ان میں ایک رسول انہیں میں سے۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت یہ ہے:

((ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد))(الصف:6)

''اور اس رسول کی بشارت سناتا ہوا جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا نام احمد ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے ہمیں آگاہ فرمادیا ہے کہ آپ ﷺ کا تذکرہ سابقہ کتب میں موجود تھا اور وہ لوگ آپ ﷺ کے بارے میں علم رکھتے تھے جیسا کہ بہت سے احبار اور رہبان نے اس کے بارے میں بتایا۔

معراج کی رات انبیاء کا سلام اسی عہد کو واضح کرتا ہے۔ ہر نبی نے آپ ﷺ کو مرحبا یا نبی الصالح، الاخ الصالح کہا جبکہ حضرت آدم اور حضرت ابراہیم علیہما السلام نے مرحبا یا نبی الصالح وابن الصالح کہا، یہ ان کا اعتراف اور آپ ﷺ کی تعظیم کا اظہار تھا۔ جیسا کہ حدیث حضرت مالک بن صعصہ اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہما میں ہے۔

اس کا سب سے واضح ثبوت معراج کی رات تمام انبیاء علیہم السلام کا بیت المقدس میں امام بننا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''وہاں انبیاء علیہ السلام جمع تھے۔''

((فحانت الصلاة فاممتهم))(مسلم، كتاب الايمان)

''نماز کا وقت ہوا تو میں نے انہیں جماعت کروائی۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((ثم دخلت بيت المقدس فجمع لي الانبياء عليهم السلام فقد منی جبریل حتی امتهم))(نسائي، كتاب الصلاة)

''پھر میں بیت المقدس میں داخل ہوا، تمام انبیاء علیہم السلام کو میرے لئے جمع کیا گیا تھا، مجھے جبریل نے آگے کیا، میں نے ان کی امامت کی۔''

ہم امام اور مقتدی کے تعلق سے اچھی طرح آگاہ ہیں، مقتدی، امام کے رکوع سے پہلے رکوع نہیں کرتا، امام کے سجدہ سے پہلے سجدہ نہیں کرتا کیونکہ امام اقتداء کے لیے بنایا جاتا ہے، جب وہ تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو، جب وہ رکوع کرے تم رکوع کرو، جب وہ سجدہ کرے تم سجدہ کرو، تو ہم انبیاء علیہم السلام کی متابعت سے آگاہ ہو چکے، باقی یہ بھی ساتھ ذہن میں ہونا چاہیے کہ امام افضل ہوا کرتا ہے خصوصاً ایسے مقام پر تو وہی امام ہوگا جو تمام سے اخیر، افضل، اکمل اور اعم ہو، یہی وجہ ہے کہ جبریل نے آپ ﷺ کو آگے کیا تھا۔ اگر ان انبیاء علیہم السلام میں سے کوئی بھی اپنی ظاہری حیات میں ہوتے تو آپ ﷺ کی بعثت کے بعد وہ آپ ﷺ کی ہی اتباع کرتے جیسا کہ آیت مبارکہ میں عہد و میثاق سے واضح ہے، اس لئے آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((لو كان موسى حياً ما وسعه الا ان يتبعني))(مسند احمد 3-338)

''اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو میری ہی اتباع کرتے۔''

بعض روایات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور بعض میں حضرت یوسف علیہ السلام کا تذکرہ بھی ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے بارے میں تمام انبیاء علیہم السلام سے عہد لیا، اس بناء پر تمام انبیاء نے یہ عہد اپنی اپنی امت سے لیا۔ آپ ﷺ پر ایمان، آپ ﷺ کی مدد اور آپ ﷺ کی اتباع کرنا، اس کو اطاعت، فرمانبرداری اور اتباع کہا جاتا

ہے، ورنہ آپ ﷺ پر ایمان لانے اور آپ ﷺ کی مدد کرنے کا کیا معنیٰ؟ قطع نظر اہل کتاب کے انہوں نے ضد، عناد اور حسد کی وجہ سے آپ ﷺ کا انکار کیا ورنہ حقیقت کو وہ بھی پہچان چکے تھے اور آپ ﷺ کا یقین تھا کیونکہ آپ ﷺ کو اس طرح پہچانتے تھے، جیسے وہ اپنی اولاد کو پہچانتے تھے خود اللہ تعالیٰ نے اس سے آگاہ فرمادیا ہے۔ جب انبیاء علیہم السلام پر آپ ﷺ کی اتباع واطاعت لازم ہے تو آپ ﷺ کی اتباع واطاعت میں امت آپ ﷺ کے متبعین کا اور ان لوگوں کا جو آپ ﷺ کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں کیا حال ہوگا؟ بلاشبہ ان لوگوں پر آپ ﷺ کی اتباع اور فرمانبرداری واطاعت اور محبت زیادہ ضروری ولازم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں سے کسی کو یہ مقام نہیں عطا فرمایا جو اس نے اپنے نبی اور صفی حبیب ﷺ کو عطا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے دین، فرض اور کتاب کو بلند مقام عطا فرماتے ہوئے آپ ﷺ کو اپنے دین کا علم بتایا، آپ ﷺ کی اطاعت فرض فرمائی اور آپ ﷺ کی معصیت کو حرام قرار دیا، آپ ﷺ کی فضیلت کو اس طرح واضح فرمایا کہ اپنی ذات پر ایمان کو، حضور ﷺ کی ذات پر ایمان سے متصل فرمایا، حضور ﷺ پر ایمان لانے کا حکم دیا اور اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرمادیا کہ جو آپ ﷺ کی ذات اقدس پر ایمان نہیں لائے گا وہ کافر اور دائمی دوزخی ہے، یہاں خصوصی توجہ کے لائق یہ بات ہے کہ اکثر آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے ساتھ ایمان لانے کے ساتھ ہی آپ ﷺ پر ایمان کو متصلاً بیان فرمایا ہے:

((یایھا الذین امنوا امنوا باللہ ورسولہ والکتب الذی نزل علی رسولہ والکتب الذی انزل من قبل ومن یکفر باللہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الاخر فقد ضل ضلا لا بعیدا))

(النساء:136)

"اے ایمان والو! ایمان رکھو اللہ اور اللہ کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اپنے اس رسول پر اتاری اور اس کتاب پر جو پہلے اتاری اور جو نہ مانے اللہ اور اس کے فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں اور قیامت کو تو وہ ضرور دور کی گمراہی میں پڑا۔"

اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے سچے مومن کی یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتا ہے:

((انما المومنون الذین امنوا باللہ ورسولہ واذا کانوا معہ علی امر جامع لم یذھبوا حتی یستاذنوہ))(النور62 اور الحجرات:15)

"ایمان والے تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر یقین لائے اور جب رسول کے پاس کسی ایسے کام میں حاضر ہوئے ہوں جن کیلئے جمع کیے گئے ہوں تو نہ جائیں جب تک ان سے اجازت نہ لے لیں۔"

تو جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے لیکن اس کے رسول ﷺ پر نہ لائے وہ مومن نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ پر ایمان کا

تقاضا اس کی طرف رہنمائی کرنے والے کی تعریف وثناء اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو بجالانا ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے حکم کو بجالانا، اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانا اور آپ ﷺ کے حکم کی بجا آوری آپ ﷺ کی اطاعت ہی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود اس بات کا حکم دیا ہے، جو آپ ﷺ پر ایمان نہیں لائے گا اس نے نہ تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی، نہ وہ اللہ تعالیٰ کا حکم بجالایا۔ ایسا شخص تو اس شخص کا نافرمان ہے جو اللہ عزوجل کی طرف رہنمائی کررہی ہے اور وہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمت کا انکار کررہا ہے۔

اور یہ اس لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان باللہ اور ایمان بالرسول کو نفع بخش تجارت اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات بھی بتایا ہے۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

((یایھا الذین امنوا ھل ادلکم علی تجارۃ تنجیکم من عذاب الیم ٥ تومنون باللہ و رسولہ و تجاھدون فی سبیل اللہ باموالکم وانفسکم ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون ٥ یغفر لکم ذنوبکم ویدخلکم جنت تجری من تحتھا الانھر ومسکن طیبۃ فی جنت عدن ذالك الفور العظیم))(الصف:10-12)

''اے ایمان والو! کیا میں بتادوں وہ تجارت جو تمہیں دردناک عذاب سے بچالے، ایمان رکھو اللہ اور اس کے رسول پر اور اللہ کی راہ میں اپنے مال وجان سے جہاد کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو۔ وہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں رواں اور پاکیزہ محلوں میں جو بسنے کے باغوں میں ہیں، یہی بڑی کامیابی ہے۔''

اور اس لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو ڈرسنایا ہے جو اس کے رسول ﷺ پر ایمان نہیں لاتے کہ اگر وہ آپ ﷺ پر ایمان لے آئیں یہ ان کیلئے بہتر ہے۔ ارشاد فرمایا:

((یایھا الناس قد جاء کم الرسول بالحق من ربکم فامنوا خیرا لکم وان تکفروا فان للہ ما فی السموات والارض وکان اللہ علیما حکیما))(النساء:170)

''اے لوگو! تمہارے پاس یہ رسول حق کے ساتھ تمہارے رب کی طرف سے تشریف لائے تو ایمان لاؤ اپنے بھلے کے لیے اور اگر تم کفر کرو تو بے شک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ علم وحکمت والا ہے۔''

جب اللہ تعالیٰ نے جنات کا ایک گروہ آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا، انہوں نے قرآن سنا اور اپنی قوم کی طرف انہیں ڈرانے کیلئے گئے تو انہوں نے کہا:

((یقومنا اجیبوا داعی اللہ وامنوا بہ یغفر لکم من ذنوبکم ویجرکم من عذاب الیم ۝ ومن لا یجب داعی اللہ فلیس بمعجز فی الارض ولیس لہ من دونہ اولیاء اولئک فی ضلل مبین))(الاحقاف: 31-32)

''اے ہماری قوم! اللہ کے منادی کی بات مانو اور اس پر ایمان لاؤ کہ وہ تمہارے کچھ گناہ بخش دے اور تمہیں دردناک عذاب سے بچالے اور جو اللہ کے منادی کی بات نہ مانے وہ زمین میں قابو سے نکل کر جانے والا نہیں اور اللہ کے سامنے اس کا کوئی مددگار نہیں اور ایسے لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو یہ حکم دیا کہ آپ ﷺ یہ اعلان فرمادیں کہ میری دعوت تمام لوگوں کیلئے ہے اور ان کو اس پر ایمان لانا اور اس کی اتباع لازم وضروری ہے:

((قل یایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا الذی لہ ملک السموت والارض لا الہ الاھو یحی ویمیت فامنوا باللہ ورسولہ النبی الامی الذی یومن باللہ وکلمتہ واتبعوہ لعلکم تھتدون))(الاعراف: 158)

''تم فرماؤ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کو ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، زندہ کرتا اور موت دیتا ہے تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول امی غیب بتانے والے پر کہ اللہ اور اس کی باتوں پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی غلامی کرو کہ تم راہ پاؤ۔''

((الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التورۃ والانجیل یامرھم بالمعروف وینھھم عن المنکر ویحل لھم الطیبت ویحرم علیھم الخبئث ویضع عنھم اصرھم والاغلل التی کانت علیھم فالذین امنوا بہ وعزروہ ونصروہ واتبعوا النور الذی انزل معہ اولئک ھم المفلحون))

(الاعراف: 157)

''وہ جو غلامی کریں گے اس رسول بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے کی جسے لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس توریت اور انجیل میں، وہ انہیں بھلائی کا حکم دے گا اور برائی سے منع فرمائے گا اور ستھری چیزیں ان کے لئے حلال فرمائے گا اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا اور ان پر سے وہ بوجھ اور گلے کے پھندے جو ان پر تھے اتارے گا تو وہ جو اس پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اسے مدد دیں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اترا وہی بامراد ہوئے۔''

وہ کیسے آپ ﷺ پر ایمان نہیں لائیں گے حالانکہ ان سے آپ ﷺ کے بارے میں عہد لیا گیا ہے:

((یایها الذین امنوا اتقوا الله و امنوا برسوله یوتکم کفلین من رحمته ویجعل لکم نورا تمشون به ویغفر لکم والله غفور رحیم))(الحدید:28)

''اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ وہ اپنی رحمت کے دو حصے تمہیں عطا فرمائے گا اور تمہارے لئے نور کر دے گا جس میں چلو گے اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

((امنوا بالله ورسوله وانفقوا مما جعلکم مستخلفین فیه فالذین امنوا منکم وانفقوا لهم اجر کبیر ○ ومالکم لا تومنون بالله والرسول یدعوکم لتومنوا بربکم وقد اخذ میثاقکم ان کنتم مومنین))(الحدید:7-8)

''اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی راہ میں وہ کچھ خرچ کرو جس میں تمہیں اوروں کا جانشین کیا تو جو تم میں ایمان لائے اور اس کی راہ میں خرچ کیا ان کیلئے بڑا ثواب ہے اور تمہیں کیا ہے کہ اللہ پر ایمان نہ لاؤ حالانکہ یہ رسول تمہیں بلا رہے ہیں، اپنے رب پر ایمان لاؤ اور بے شک وہ تم سے پہلے ہی عہد لے چکا ہے، اگر تمہیں یقین ہو۔''

ایک مقام پر کفار کا رد اور انہیں آپ ﷺ کی ذات پر ایمان لانے کا حکم یوں دیا:

((زعم الذین کفروا ان لن یبعثوا قل بلی و ربی لتبعثن ثم لتنبون بما عملتمو ذالك علی الله یسیر ○ فامنوا بالله و رسوله والنور الذی انزلنا والله بما تعملون خبیر))(التغابن :7-8)

''کافروں نے بکا کہ وہ ہرگز نہ اٹھائے جائیں گے، تم فرماؤ: کیوں نہیں میرے رب کی قسم! تم ضرور دوبارہ زندہ کیے جاؤ گے، پھر تمہارے کام تمہیں جتا دیے جائیں گے اور یہ اللہ کو آسان ہے تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اس نور پر جو ہم نے اتارا اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔''

لہٰذا اس شخص کو اللہ تعالیٰ نے کافر قرار دیا ہے جو اس کے رسول ﷺ پر ایمان نہیں لاتا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

((ومن لم یومن بالله ورسوله فانا اعتدنا للکفرین سعیرا))(الفتح:13)

''اور جو ایمان نہ لائے اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر تو بے شک ہم نے کافروں کیلئے بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے۔''

اسی لئے جو لوگ اللہ تعالیٰ اور آپ ﷺ کی ذات اقدس پر ایمان نہیں لائے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جہاد کا حکم دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے لوگوں سے جہاد کا حکم دیا ہے:

((حتی یشھدوا ان لا الہ الا اللہ وان محمد رسول اللہ۔))

(البخاری، کتاب الایمان)

''یہاں تک کہ وہ اعلان کریں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔''

اس حدیث میں لفظ شہادت آیا ہے اور یہ قول سے کہیں بڑھ کر ہے، کیونکہ توحید اور آپ ﷺ کی رسالت کی گواہی سے ہر مخالف و معارض کی نفی ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے ان دونوں شہادتوں کی سب سے پہلے (مسلمان کرتے وقت) دعوت دی جاتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو فرمایا:

((ادعھم الی شھادۃ ان لا الہ الا اللہ وانی رسول اللہ))

(البخاری، کتاب الزکاۃ)

''لوگوں کو اس بات کی دعوت دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں (محمد) اللہ کا رسول ہوں۔''

بخاری و مسلم میں یہ الفاظ بھی ہیں:

((فلیکن اول ماتدعوھم الیہ عبادۃ اللہ فاذا عرفوا اللہ فاخبر ھم))

''پہلے ان کو عبادت الٰہی کی دعوت دو، جب اللہ کو پہچان لیں تو پھر دیگر باتوں کے بارے میں بتاؤ۔''

اس سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے رسول مصطفیٰ ﷺ کی رسالت کا اذعان و یقین ہی مراد ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے مبلغ تو آپ ﷺ ہی ہیں، اسی لئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ان من سمع بہ ﷺ ثم لم یومن بہ ﷺ الا ادخلہ اللہ تعالیٰ النار))

(مسلم، کتاب الایمان)

''جس نے میرے بارے میں سن لیا مگر ایمان نہ لایا تو اسے اللہ تعالیٰ دوزخ میں لے جائے گا۔''

یہ تمام نصوص شریفہ، حضور ﷺ کی اطاعت کے لزوم اور آپ ﷺ کے اقوال مبارکہ کے حجت ہونے پر شاہد ہیں کیونکہ آپ ﷺ پر ایمان کہ آپ ﷺ رسول ہیں، یہ اس ایمان کی فرع ہے جو اللہ تعالیٰ کے الٰہ ہونے پر ہے کیونکہ اس ایمان کو بھی اللہ تعالیٰ نے ہی لازم فرمایا ہے تو جس طرح رسول پر ایمان بغیر ایمان باللہ صحیح نہیں، اسی طرح وہ ایمان بغیر اطاعت صحیح نہیں کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر ایمان لانا لازم فرمایا ہے اس طرح آپ ﷺ کی اطاعت بھی لازم فرمائی ہے۔ پھر جو اللہ کی طرف رہنمائی کر رہا ہے وہی اس کی طرف داعی ہے تو اگر آپ ﷺ کی اطاعت درست نہیں۔ ایمان بھی درست نہ ہوگا اگر ایمان فرض و ضروری ہے تو اطاعت بطریق اولیٰ فرض و لازم ہوگی۔

جب آسمانوں، زمین اور پہاڑوں نے امانت اٹھانے سے معافی مانگ لی تو اسے حضرت آدم علیہ اسلام نے اٹھالیا، اللہ تعالیٰ نے ان کی پشت سے ان کی اولاد کو پیدا فرما کر ان سے یہ عہد لیا کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں گے اور اس کے ساتھ کسی کو کبھی بھی شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

((واذ اخذ ربك من بنى ادم من ظهور هم ذريتهم واشهد هم على انفسهم الست بربكم قالوا بلى شهدنا))(الاعراف:172)

''اور اے محبوب! یاد کرو جب تمہارے رب نے اولادِ آدم کی پشت سے ان کی نسل نکالی اور انہیں خود اُن پر گواہ کیا گیا، میں تمہارا رب نہیں؟ سب بولے: کیوں نہیں، ہم گواہ ہوئے۔''

یہ عالم خلق میں ہوا، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں عالم شہادت و وجود کی طرف پیدا فرمایا۔ اس پر حدیث قدسی شاہد ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:
''اہل نار پر روز قیامت عذاب کم کر دیتا ہوں کیا وہ تمام دنیا فدیہ میں دیدے گا؟ بندہ کہے گا: ''ہاں''
اللہ فرمائے گا: میں نے تجھ سے اس سے بہت آسان شے کا ارادہ کیا تھا جب تو صلب آدم تھا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا تو تُو نے میرے ساتھ شریک نہ بنانے سے انکار کر دیا تھا۔''

(بخاری، کتاب الرقاق)

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت حضرت آدم و حوا علیہما السلام کو زمین پر اتار دیا اور انسان کے ساتھ اس کا نفس ہے جو اسے برائی کی دعوت دیتا ہے۔ شیطان بھی حضرت آدم اور ان کی اولاد کا دشمن بن گیا۔ پھر انسان کے ساتھ اس کی چاہتیں خواہشات اور شہوات ہیں، پھر اس پر بھول بھی طاری ہوتی ہے۔ ان تمام نے مل کر انسان کو اس عہد قطعی سے غافل کر دیا جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کیا تھا کہ میں تجھ پر ایمان لاؤں گا اور شریک نہیں ٹھہراؤں گا، اطاعت کروں گا نافرمانی نہیں کروں گا تو اس سے بھول جانے والے انسان کیلئے کسی یاد دہانی کروانے والے کی ضرورت ہے جو اس معاہدہ کو یاد کرواتا رہے، اس پر ایمان کی گواہی دیتا رہے اور توحید کی جس کے بارے میں بات ہوئی تھی۔ جیسا کہ کسی ایسے منذر کی ضرورت ہے جو شرک جیسی لعنت سے بچائے اور اس کفر سے جس سے منع کیا گیا تھا، اللہ تعالیٰ سے دور ہونے سے بچائے جن کا انجام دوزخ کا عذاب ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ، اس لئے اللہ تعالیٰ رسول بھیجے بغیر کسی پر عذاب نہیں فرماتا تاکہ حجت قائم ہو جائے اسے وعدہ یاد دلا دیا جائے اور عذاب سے بچ جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا))(بنی اسرائیل:15)

''اور ہم عذاب کرنے والے نہیں جب تک رسول نہ بھیج لیں۔''

دوسرے مقام پر فرمایا:

((وما كان ربك مهلك القرى حتى يبعث فى امها رسولا يتلوا

علیهم ایتنا وما کنا مهلکی القری الا واهلها ظلمون))(القصص 59)

''اور تمہارا رب شہروں کو ہلاک نہیں کرتا جب تک ان کے اصل مرجع میں رسول نہ بھیجے جو ان پر ہماری آیتیں پڑھے اور ہم شہروں کو ہلاک نہیں کرتے مگر جب کہ ان کے مساکن ستم گار ہوں۔''

یہ تمام اس لئے ہے تا کہ لوگ پھر عذر نہ کر سکیں۔عہد پر طویل زمانہ گزر جانے کی وجہ سے وہ ہم عہد بھول گئے اس لئے ہر امت اور ہر بستی میں رسول بھیجے، ورنہ اللہ تعالیٰ کی حجت مخلوق پر قائم تھی، بصورت قدرت کی نشانیاں، آیات بینات اور اس کا عدم سے وجود میں لانا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((قل فلله الحجة البالغة فلو شاء لهدكم اجمعين))(الانعام:149)

''تم فرماؤ: اللہ ہی کی حجت پوری ہے تو وہ چاہتا تو سب کی ہدایت فرماتا۔''

اللہ تعالیٰ نے خود واضح فرمادیا کہ رسولوں کے بعد لوگوں کے پاس کوئی عذر نہ ہوگا:

((لئلا یکون للناس علی الله حجة بعد الرسل))(النساء:165)

''کہ رسولوں کے بعد اللہ کے یہاں لوگوں کو کوئی عذر نہ رہے۔''

رسولوں کا آنا جیسے انسان پر حجت ہے اسی طرح جنات کیلئے بھی ہے۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

((یمعشر الجن والانس الم یاتکم رسل منکم یقصون علیکم ایتی ینذونکم لقاء یومکم هذا قالوا شهدنا علی انفسنا وغرهم الحیوة الدنیا و شهدوا علی انفسهم انهم کانوا کفرین))(الانعام:130)

''اے جنوں اور آدمیوں کے گروہ! کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہ آئے تھے تم پر میری آیتیں پڑھتے اور تمہیں یہ دن دیکھنے سے ڈراتے۔کہیں گے: ہم نے اپنی جانوں پر گواہی دی اور انہیں دنیا کی زندگی نے فریب دیا اور خود اپنی جانوں پر گواہی دیں گے کہ وہ کافر تھے۔''

لیکن وقت فوت ہونے کے بعد اعتراف فائدہ مند نہیں ہوگا۔جب اللہ نے انسانوں میں سے رسول بنائے اور انہیں لوگوں کی طرف پیغام دے کر بھیجا تو لوگوں پر ان کے ساتھ کفر کو حرام قرار دے دیا، جب اللہ نے رسولوں کو منتخب کر لیا، ان پر وحی نازل فرمائی حتیٰ کہ وہ اس کے پیغامبر اور اس کی شریعت لوگوں تک پہنچانے والے بن گئے، ان کو مخصوص صفات عطا کر دی گئیں، ان کے دعویٰ کے صدق پر دلائل و براہین قائم کر دیئے گئے۔ان کی تصدیق نہ کرنے والا کافر، ان کے اقوال کی تصدیق کرنے والا مومن، جو ان کے احکام بجالائے گا وہ مطیع، جو ان کی مخالفت کرے گا وہ مخالفت کی نوعیت کے لحاظ سے عاصی ہوگا، یہ مطیع و عاصی، ثواب و عقاب کے اعتبار سے ہے، لیکن جب تعلق کی وجہ محبت و چاہت ہو تو وہ شان کے لحاظ سے اعلیٰ مقام کے لحاظ سے بلند اور قدر کے اعتبار سے عظیم درجہ پر فائز ہوگی، صحابہ کرام کا تعلق رسول اللہ ﷺ سے یہی محبت والا تھا، جب اللہ تعالیٰ نے تمام امم سابقہ پر اپنے اپنے رسول کی اطاعت لازم فرمائی ہے تو حضور نبی اکرم ﷺ کی اطاعت کا مقام کتنا بلند ہوگا؟ آپ ﷺ پر تو سلسلہ نبوت

ورسالت کو اور تمام ادیان کو آپ کے دین پر ختم کر دیا گیا، اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق پر آپ ﷺ پر ایمان اور آپ ﷺ کی اطاعت، اتباع اور نصرت لازم فرمادی، آپ ﷺ تمام مخلوق سے افضل، تمام انبیاء و رسول سے اشرف، تمام رسولوں اور کائنات کے سردار اور ثقلین کے نبی ہیں۔

کتاب اللہ میں متعدد مقامات پر حضور ﷺ کی نافرمانی، آپ ﷺ سے آگے بڑھنا، آپ ﷺ سے تنازع اور مخالفت کو حرام فرمایا گیا بلکہ اس شخص کے ایمان کی نفی فرمادی جو آپ ﷺ کے حکم وامر کو تسلیم نہیں کرتا اور اس شخص کو کافر کہا گیا جو آپ ﷺ سے مخاصمت اور مخالفت کرتا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر دو اہم احسان فرمائے ہیں، ایک تو انہیں ایمان کی توفیق عطا فرمائی اور دوسرے اپنے نبی، صفی اور حبیب ﷺ کو رسول اسلام بنا کر مبعوث فرمایا، ان دونوں چیزوں کا اللہ تعالیٰ احسان جتایا ہے۔ ہر مسلمان صاحب ایمان کیلئے ان دونوں احسانوں کا ہونا لازم وضروری ہے، اگر ان میں ایک نہ ہو تو ایمان صحیح نہیں۔

اپنے نبی ﷺ کو بصورت احسان بیان فرمایا:

((لقد من الله علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیکم ایتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتب والحکمة وان کانوا من قبل لفی ضلل مبین))(آل عمران: 164)

''بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے اور وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔''

اللہ تعالیٰ نے ایمان کو بطور احسان فرمایا:

((یمنون علیك ان اسلموا قل لا تمنوا علی اسلامکم بل الله یمن علیکم ان ھدکم للایمان ان کنتم صدقین))(الحجرات: 17)

''وہ تم پر احسان جتاتے ہیں کہ مسلمان ہو گئے تم فرماؤ اپنے اسلام کا احسان مجھ پر نہ رکھو بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمہیں اسلام کی ہدایت کی اگر تم سچے ہو۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

((ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم ایتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتب والحکمة وان کانوا من قبل لفی ضلل مبین))(الجمعہ: 2)

''وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا کہ ان پر اس کی آیتیں پڑھتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب وحکمت کا علم عطا فرماتے ہیں اور بے شک وہ اس سے پہلے

ضرور کھلی گمراہی میں تھے۔''

لوگ گمراہی میں تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے سبب انہیں ہدایت عطا فرمائی اور ان کی ہدایت کیا ہے؟ فقط آپ ﷺ کی اتباع، اطاعت، فرمانبرداری اور آپ ﷺ کے احکام کا نفاذ، اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی ذات اقدس کو اہل ایمان پر احسان فرمایا کیونکہ اس نے انہیں ہدایت آپ ﷺ کے واسطہ سے دی ہے۔

یہ دونوں احسانات آپس میں متلازم ہیں اور کسی بھی مومن مسلم کا دل ان دونوں سے خالی نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' ہے، یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے بندوں پر احسان ہیں اور پہلی نعمت (توحید) دوسری کے واسطہ اور سبب سے ہے اور وہ رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس ہے جنہوں نے اس کی دعوت دی:

((وانك لتهدی الی صراط مستقیم ٥ صراط الله)) (الشوریٰ 52-53)

''اور بے شک تم ضرور سیدھی راہ بتاتے ہو اللہ کی راہ۔''

صراط مستقیم سے مراد اللہ کا راستہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بندوں کے دلوں میں ہدایت پیدا فرمانے والا ہے۔ اسی لئے اس کی دعوت دینے والے اور اس کی اثر دعوت پر احسان جتلایا۔ صحابہ کرام نے اس احسان کو مانا، جانا اور اس کی خوب قدر کی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کی مجلس میں تشریف لائے اور فرمایا:

((ما اجلسكم ؟))

''یہاں کیوں اکٹھے ہو؟''

عرض کیا:

((جلسنا نذكر الله ونحمده علی ما هدانا لينه و من علينا بك))

''ہم اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس پر شکر کرنے کیلئے اکٹھے ہوئے ہیں کہ اس نے ہمیں اپنے دین کی ہدایت بخشی اور آپ ﷺ کی صورت میں احسان فرمایا۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

((ان الله عزوجل يباهی بكم الملائكة)) (النسائی، کتاب ادب القاضی)

''اللہ جل شانہ تم پر فرشتوں میں فخر فرما رہا ہے۔''

ایک موقعہ پر جب آپ ﷺ نے تمام مال غنیمت تالیف قلب کی خاطر کچھ لوگوں کو عنایت فرما دیا تو انصار کو نہ دیا، بعض نئے مسلمانوں نے نہ ملنے پر افسوس کا اظہار کیا تو آپ ﷺ نے خطبہ دیا، اس میں مختلف چیزوں کا تذکرہ کیا جس کے جواب میں صحابہ نے بار بار یہی کلمات کہے: ہمارا کچھ نہیں۔

((الله و رسوله امن))

''یہ تمام اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا احسان ہے۔''

جیسا کہ حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم سے مروی روایت میں تفصیل موجود ہے۔

(البخاری، کتاب المغازی)

جب آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کا خصوصی احسان ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ احسان بھی جتایا ہے تو آپ ﷺ کی اتباع واطاعت اور فرمانبرداری کا کیا مقام ہوگا؟ حالانکہ آپ ﷺ کی ذات اقدس تو ایسا سراپا احسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے جتایا ہے، اوراسی طرح آپ ﷺ کی نافرمانی، حکم کی مخالفت اور اس سے دوری کتنی بڑی اور قابل مذمت ہوگی حالانکہ آپ ﷺ وہ احسان ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خصوصی رحمت فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کتاب اللہ میں اہل ایمان اور اہل نفاق کی رسول اللہ ﷺ کے وعدہ کی نسبت مثال بیان فرمائی ہے۔ اہل نفاق جس قدر تکذیب کرتے اسی قدر حضور ﷺ کے وعدہ کو محض دھوکہ قرار دیتے اور بزدلی دکھاتے ہوئے فرار کی راہ اپناتے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا ہوتا وہ اس کے خلاف تھا، اہل ایمان کا عمل اس کے برعکس تھا، آپ ﷺ کا وعدہ ان کے ایمان باللہ، تعلیم وانقیاد اور آپ ﷺ کی اطاعت میں اضافہ کا سبب بنتا۔ اللہ تعالیٰ ارشادگرامی ہے:

((ھنا لك ابتلی المومنون وزلزلوا زلزالا شدیدا ٥ واذ یقول المنفقون والذین فی قلوبھم مرض ما وعدنا اللہ ورسولہ الا غرورا ٥ واذ قالت طائفہ منھم یاھل یثرب لا مقام لکم فارجعوا ویستاذن فریق منھم النبی یقولون ان بیوتنا عورۃ وما ھی بعورۃ ان یریدون الا فرارا ٥ ولو دخلت علیھم من اقطارھا ثم سئلوا الفتنۃ لا توھا وما تلبثوا بھا الا یسیرا ٥ ولقد کانوا عاھدوا اللہ من قبل لا یولون الا دبار وکان عھد اللہ مسؤلا ٥ قل لن ینفعکم الفرار ان فررتم من الموت اوالقتل واذا لا تمتعون الا قلیلا ٥ قل من ذالذی یعصمکم من اللہ ان ارادبکم سوء او ارادبکم رحمۃ ولا یجدون لھم من دون اللہ ولیا ولا نصیرا ٥ قدیعلم اللہ المعوقین منکم والقائلین لا خوانھم ھلم الینا ولا یاتون الباس الا قلیلا ٥ اشحۃ علیکم فاذا جاء الخوف رایتھم ینظرون الیك تدور اعینھم کالذی یغشی علیہ من الموت فاذا ذھب الخوف سلقوکم بالسنۃ حداد اشحۃ علی الخیر اولئك لم یؤمنوا فاحبط اللہ اعمالھم وکان ذالك علی اللہ یسیرا ٥ یحسبون الا حزاب لم یذھبوا ان یات الاحزاب یودوا لو انھم بادون فی الاعراب یسالون عن انبائکم ولو کانوا فیکم ما قاتلوا الا قلیلا))

(الاحزاب:11-20)

''وہ جگہ تھی کہ مسلمانوں کی جانچ ہوئی اور خوشی سے جھنجھوڑے گئے اور جب کہنے لگے منافق جن کے

دلوں میں روگ تھا: ہمیں اللہ ورسول نے وعدہ نہ دیا تھا مگر فریب کا اور جب ان سے ایک گروہ نے کہا: اے مدینہ والو! یہاں تمہارے ٹھہرنے کی جگہ نہیں، تم گھروں کو واپس چلو اور ان میں سے ایک گروہ نبی سے اذن مانگتا تھا یہ کہہ کر ہمارے گھر بے حفاظت ہیں اور وہ بے حفاظت نہ تھے، وہ تو نہ چاہتے تھے مگر بھاگنا اور اگر ان پر فوجیں مدینہ کے اطراف سے آتیں، پھر ان سے کفر چاہتیں تو ضرور ان کا مانگا دے بیٹھتے اور اس میں دیر نہ کرتے مگر تھوڑی اور بیشک اس سے پہلے وہ اللہ سے عہد کر چکے تھے کہ پیٹھ نہ پھیریں گے اور اللہ کا وعدہ پوچھا جائے گا۔ فرماؤ ہرگز تمہیں بھاگنا نفع نہ دے گا اگر موت یا قتل سے بھاگو اور جب بھی دنیا نہ برتنے دیئے جاؤ گے مگر تھوڑی۔ تم فرماؤ وہ کون ہے جو اللہ کا حکم تم پر سے ٹال دے اگر وہ تمہارا برا چاہے یا تم پر رحم فرمانا چاہے اور وہ اللہ کے سوا کوئی حامی نہ پائیں گے، نہ مددگار۔ بیشک اللہ جانتا ہے تمہارے ان کو جو اوروں کو جہاد سے روکتے ہیں اور اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں: ہماری طرف چلے آؤ اور لڑائی نہیں آتے مگر تھوڑے۔ تمہاری مدد میں کمی کرتے ہیں۔ پھر جب ڈر کا وقت آئے تم انہیں دیکھو گے تمہاری طرف یوں نظر کرتے ہیں کہ ان کی آنکھیں گھوم رہی ہیں جیسے کسی پر موت چھائی ہو، پھر جب ڈر کا وقت نکل جائے تمہیں طعنے دیں لگیں تیز زبانوں سے، مالِ غنیمت کے لالچ میں، یہ لوگ ایمان لائے ہی نہیں تو اللہ نے ان کے عمل اکارت کر دیئے اور یہ اللہ کو آسان ہے، وہ سمجھ رہے ہیں کہ کافرا بھی نہ گئے اور اگر لشکر دوبارہ آئیں تو ان کی خواہش ہوگی کہ کسی طرح گاؤں میں نکل کر تمہاری خبریں پوچھتے اور اگر وہ تم میں رہتے جب بھی نہ لڑتے مگر تھوڑے۔"

((لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة لمن كان يرجو الله واليوم الاخرو ذكر الله كثيرا ٥ ولما را المومنون الاحزاب قالوا هذا ما وعدنا الله ورسوله وصدق الله و رسوله وما زادهم الا ايمانا وتسليما ٥ من المومنين رجال صدقوا ماعاهدو الله عليه فمنهم من قضى نحبه ومنهم من ينتظر وما بدلوا تبديلا ٥ ليجزى الله الصدقين بصدقهم ويعذب المنفقين ان شاء او يتوب عليهم ان الله كان غفورا رحيما))

(الاحزاب:20-24)

"بے شک تمہیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے اس کیلئے کہ اللہ اور پچھلے دن کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت یاد کرے اور جب مسلمانوں نے کافروں کے لشکر دیکھے بولے: یہ ہے وہ جو ہمیں وعدہ دیا تھا اللہ اور اس کے رسول نے اور سچ فرمایا اللہ اور اس کے رسول نے اور اس سے انہیں نہ بڑھا مگر ایمان اور اللہ کی رضا پر راضی ہونا۔ مسلمانوں میں کچھ وہ مرد ہیں جنہوں نے سچا کر دیا جو عہد اللہ سے کیا تھا تو ان میں کوئی اپنی منت پوری کر چکا اور کوئی راہ دیکھ رہا ہے اور وہ ذرا نہ بدلے تا کہ اللہ سچوں کو ان کے سچ کا

صلہ دے اور منافقوں کو عذاب کرے اگر چاہے یا انہیں توبہ دے، بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

تو اللہ تعالیٰ نے صادقین کو یہ عزت بخشی کہ انہوں نے اپنا عہد نبھادیا اور منافقین جنہوں نے عہد توڑا اللہ تعالیٰ چاہے تو انہیں عذاب دے۔

جب آپ ﷺ کے بیان کردہ وعدہ کو تسلیم کرنا اہل ایمان کی صفت ہے اور ان کے ایمان وتسلیم میں اضافہ کا سبب ہے کیونکہ یہ آپ ﷺ کی اطاعت کا آپ ﷺ کیساتھ ایمان ومحبت کا مظاہرہ ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ان سخت حالات میں وعدہ کو وہی مانے گا جو کامل ایمان، کامل اطاعت، کامل محبت اور سچا تسلیم کرنے والا ہوگا۔ یہ شان صحابہ ہے کہ جو بھی آپ ﷺ نے خبر دی انہوں نے اس کی تصدیق کی۔ ان اخبارات میں سے جو آپ ﷺ نے دیں اور صحابہ نے دل وجاں سے مانیں فارس، شام، عراق اور یمن کی فتح اور غزوہ ہند کی خبریں تھیں، یہ تمام کی تمام صحابہ نے تسلیم کیں اور اس میں انہیں ذرہ بھر شک نہ تھا بلکہ ان پر کامل یقین تھا۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، ایک آدمی نے فاقہ کی شکایت کی، پھر دوسرا آیا اس نے لوٹ مار کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے مجھے فرمایا:

((یاعدی هل رایت الحیرة؟))

"کیا تو نے حیرہ شہر دیکھا ہے؟"

عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ میں دیکھا تو نہیں سنا ہے۔ فرمایا:

((ان طالت بك حیاة لترین الظعینة ترتحل من الحیرة حتی تطوف بالکعبة لا تخاف الا الله))

"اگر تیری زندگی طویل ہوئی تو تم دیکھو گے خاتون حیرہ سے چل کر کعبہ کا طواف کرے گی اور اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا۔"

میں نے دل میں سوچا قبیلہ طے کے بدکار کہاں ہوں گے جو پورے شہر لوٹ لیتے ہیں۔ فرمایا:

((ولئن طالت بك حیاة لتفتحن کنوز کسری))

"اگر تو زندہ رہا تو دیکھے گا کسریٰ کے خزانے فتح ہوجائیں گے۔"

میں نے کہا: کسری بن ہرمز؟ فرمایا: ہاں کسری بن ہرمز۔ پھر فرمایا: اگر تیری زندگی رہی تو تو دیکھے گا ایک آدمی سونا چاندی لئے پھرے گا کوئی زکوٰۃ لینے والا نہ ہوگا۔

حضرت عدی کا بیان ہے کہ میں نے تنہا عورت کو حیرہ سے سفر کرکے کعبہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھا اور اسے سوائے اللہ کے کسی کا خوف نہ تھا، میں ان لوگوں میں شامل تھا جن کے ہاتھوں کسریٰ بن ہرمز کے خزائن فتح ہوئے اور زندگی رہی تو وہ وقت بھی دیکھیں گے جب زکوٰۃ وصول کرنے والے نہ ہوں گے۔

(بخاری، المناقب)

یعنی انہیں تیسری خبر کے بارے میں بھی یقین تھا کہ اسی طرح واقع ہو کے رہے گی جیسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔

جب آپ ﷺ نے صحابہ کو دخول مکہ کی خبر دی جو خواب کی صورت میں تھی تو انہیں ذرہ بھر شک اس کے دخول میں نہ تھا اور نہ صحت خبر میں کوئی شک تھا۔ جب حدیبیہ کی صلح ہوئی اس معاہدہ میں تھا کہ اس سال آپ ﷺ مکہ نہیں جائیں گے آئندہ سال جائیں گے۔ بعض نے سمجھا دخول اسی سال ہوگا، ان پر وعدہ و خبر کا معاملہ دشوار گزراحتیٰ کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"کیا میں نے تمہیں یہ نہیں کہا تھا کہ تم عنقریب اس سال داخل ہوں گے۔"

انہوں نے عرض کیا: نہیں، پھر سوچا تو واقعتہً آپ ﷺ نے یہی فرمایا تھا:

((انکم ستدخلو نہا))

"تم عنقریب داخل ہوں گے۔"

اس پر اللہ تعالیٰ نے خواب کی تصدیق فرمادی اس میں دخول کے وعدہ کے علاوہ دیگر بشارات بھی تھیں:

((لقد صدق اللہ رسولہ الرء یا بالحق لتدخلن المسجد الحرام انشاء اللہ امنین محلقین رء وسکم ومقصرین لا تخافون فعلم مالم تعلموا فجعل من دون ذالك فتحا قریباً o ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ و کفی باللہ شھیدًا))(الفتح: 27-28)

"بے شک اللہ نے سچ کر دیا اپنے رسول کا سچا خواب، بے شک تم ضرور مسجد حرام میں داخل ہو گے اگر اللہ چاہے امن و امان سے، اپنے سروں کے بال منڈاتے یا ترشواتے، بے خوف۔ اس نے جانا جو تمہیں معلوم نہیں تو اس سے پہلے ایک نزدیک آنے والی فتح رکھی۔ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے اور اللہ کافی ہے گواہ۔"

تو وہ مکہ میں دخل ہوئے حالت امن میں، انہیں خوف نہ تھا، حلق کروا کر یا قصر کروا کر اور اس داخلہ سے پہلے صلح کروائی جو فتح قریب عظیم تھی اس کے بعد دین کے غلبہ کی بشارت کا ظہور ہوا اور اس پر اللہ تعالیٰ کی گواہی تھی، آپ ﷺ نے ہمیں حوض کوثر کے بارے میں آگاہ فرمایا امید ہے ہماری ملاقات آپ ﷺ سے وہاں ہوگی۔

حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آٹھ سال بعد شہداء احد کی نماز جنازہ پڑھی جیسے کوئی زندہ اور اموات کو الوداع کر رہا ہو، پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا:

((انی بین ایدیکم فرط وانا علیکم شھید وان موعد کم الحوض وانی لانظر الیہ من مقامی))(بخاری، کتاب المغازی)

''میں تمہارا پہلے جا کر انتظار وانتظام کرنے والا ہوں، میں تم پر گواہ ہوں، ملاقات کی جگہ حوض ہے اور میں اسے یہاں سے دیکھ رہا ہوں۔''

جب آپ نے ہمارے ساتھ آگے جا کر انتظام کا وعدہ فرمایا تو آپ ﷺ ہم سے پہلے وصال فرما گئے وعدہ کی جگہ حوض ہے اور ہم امید رکھتے ہیں کہ ہم آپ ﷺ سے ملیں گے اور آپ ﷺ کے مبارک ہاتھوں سے مبارک مشروب پئیں گے جس کے بعد ہم پیاس نہیں محسوس کریں گے۔ اے اللہ! ہم سب کو وہ مبارک موقع عطا فرما۔!

اللھم آمین

بہترین نمونہ:

اللہ تعالیٰ اپنے نبی صفی ﷺ کو اتنا کامل بنایا، اتنے خصائص عطا فرمائے جو کسی اور انسان اور انبیاء علیہم السلام میں سے کسی کو عطا نہیں فرمائے۔ آپ ﷺ کی اعلیٰ واکمل تربیت فرمائی۔ اتنا بلند مرتبت بنایا کہ روز قیامت تمام انبیاء علیہم السلام آپ ﷺ کے جھنڈا کے نیچے ہوں گے، آپ ﷺ اللہ کی حفاظت سے محفوظ اور اس کی عصمت سے معصوم ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام انسانوں کیلئے سب سے اعلیٰ رہنما بنایا اور اسوۂ حسنہ قرار دے دیا اور آپ ﷺ کی اتباع واطاعت ہر ایک پر لازم فرمادی اور تمام پر لازم کر دیا کہ وہ ہر شے میں آپ ﷺ کو رہنما کامل تصور کریں، کیونکہ آپ ﷺ ہر شے میں کامل ہیں، انسان فطرتاً تقلید اور اتباع پر پیدا کیا گیا ہے، اس امت سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس پر اس کی نہایت شفقت ہے کہ اس نے اس کے لئے اعلیٰ رہنما بنایا تاکہ یہ گمراہ نہ ہو اور نہ بھٹکتی پھرے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے خوب آسانی عطا فرمائی اور اعلیٰ رہنما کی طرف ان کو متوجہ فرمادیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

((لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الاخرو ذکر اللہ کثیرا))(الاحزاب: 21)

''بیشک تمہیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے اس کیلئے کہ جو اللہ اور قیامت کے دن پر یقین رکھتا ہو اور اللہ کو بہت یاد کرے۔''

یہ آیت مبارکہ حضور ﷺ کی اقتداء میں بنیادی حیثیت اور اصلِ عظیم کا درجہ رکھتی ہے کہ آپ ﷺ کے اقوال، افعال اور اخلاق میں پیروی کی جائے، ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اقتداء و پیروی کرنے والے کی صفات بھی بیان فرمادیں کہ یہ انعام اس کے لئے ہے جو اللہ تعالیٰ کا امیدوار ہو، یوم آخرت کو مانے اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرے اور جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ رکھے، یوم آخرت کا اسے کوئی خوف نہ ہو اور صفت منافقین قلت ذکر سے متصف ہو، نہ اس کیلئے آپ ﷺ مقتداء ہیں، نہ اسوہ یہ اسوہ ہر جگہ ہے گھر، مسجد، راستہ، صلح، جنگ، جنگ میں اقدام وادبار فعل، ترک، آزادی مجبوری، خلق، اللہ تعالیٰ سے اتصال، لباس بلکہ ہر شے میں ہے لیکن اسی کیلئے جو مذکورہ صفات کا حامل ہو۔

حافظ ابن کثیر اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

''یہ آیت کریمہ حضور ﷺ کے اقوال، افعال اور احوال میں اقتداء پر اصل کبیر ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے غزوۂ احزاب کے موقع پر صبر، استقامت، جہاد و مجاہدہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے کشادگی کے انتظار میں آپ ﷺ کی اقتداء کا حکم دیا۔ صحابہ کرام نے اسی طریق کو اپنایا، اسی شاہراہ پر وہ چلے، اسی ترازو کو انہوں نے لازم پکڑا اور جہاں تک ممکن تھا اسی کو نبھایا۔

جب آپ ﷺ نے سونے کی انگوٹھی پہنی تو انہوں نے پہن لیں اور جب آپ ﷺ نے اسے اتارا تو انہوں نے بھی اتار پھینکا، نماز میں آپ ﷺ نے نعلین اتارے، صحابہ نے بھی اتار دیئے، عرض کیا: آپ ﷺ کے اتارنے کی وجہ سے ہم نے اتار دیئے۔

حضور ﷺ نے وصال کے روزے رکھے، انہوں نے بھی رکھنے شروع کر دیئے حتیٰ کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''میں تمہاری طرح نہیں ہوں مجھے میرا رب رات کو کھلاتا پلاتا ہے لہٰذا یہ میرے ساتھ مخصوص ہیں۔''

آپ ﷺ کی وجہ سے سفر میں روزہ رکھا، آپ ﷺ کے افطار پہ افطار کر لیا، بعض کے بارے میں پتہ چلا کہ انہوں نے افطار نہیں کیا تو فرمایا: وہ عاصی ہیں۔

بعض نے آپ ﷺ کا گریباں کھلا دیکھا تو ساری زندگی گریباں کھلا رکھا، رکنین کو لمس کرتے ہوئے دیکھا تو س کے سوا انہوں نے کسی کو لمس نہ کیا، سبتی نعلین پہنے ہوئے دیکھا تو دوسرے جوتے نہ پہنے، مثالیں تو بہت ہیں، ہم یہاں صرف دو مثالیں بیان کرتے ہیں۔ صلح حدیبیہ کے بعد اسی میدان میں آپ ﷺ نے قربانی اور حلق کروا کر احرام اتارنے کا حکم دیا، صحابہ نے تاخیر کی، جب آپ ﷺ نے اس شے پر خود عمل فرمایا تو فی الفور انہوں نے عمل کیا اور کوئی بھی پیچھے نہ رہا۔

1: واقعہ حدیبیہ میں جب آپ ﷺ صلح نامہ سے فارغ ہوئے تو صحابہ کو فرمایا:

''اٹھو قربانی کرو اور حلق کرواؤ۔''

تو ان میں سے کوئی آدمی نہ اٹھا حتیٰ کہ تین دفعہ فرمایا۔ جب کوئی نہ اٹھا تو آپ ﷺ حضرت ام سلمہ کے ہاں تشریف لے گئے اور صحابہ کے بارے میں بتایا تو انہوں نے عرض کیا:

''یا نبی اللہ ﷺ! آپ ﷺ تشریف لے جائیں، کچھ نہ فرمائیں، اپنی قربانی ذبح فرما دیں اور حجام کو بلوا کر حجامت بنوا لیں۔''

آپ ﷺ نکلے کسی سے کلام نہ فرمایا حتیٰ کہ قربانی دی اور حجام کو بلوا کر حلق فرمایا۔ جب صحابہ نے دیکھا تو وہ کھڑے ہو گئے، قربانیاں ذبح کیں اور ایک دوسرے کی حجامت کرنے لگ گئے حتیٰ کہ ممکن تھا کہ غم کی وجہ سے جلدی میں کسی کو قتل کر دیتے۔

صحابہ کے فی الفور حکم نہ بجالانے کی کئی حکمتیں ہو سکتی ہیں:

1: انہوں نے محسوس کیا ہو کہ حکم ندب ہے لازم نہیں۔

2: شاید وحی نازل ہو جائے جس سے صلح باکل ٹھہرے۔

3: اس میں اس کا اضافہ ہو جائے کہ مسلمان اس سال مکہ جائیں گے تاکہ عمرہ کے ارکان ادا کر سکیں۔

4: صورت حال نے انہیں مبہوت کر ڈالا تھا کہ ہم قوت کے باوجود اپنے آپ کو کمزور تصور کر رہے ہیں۔

5: مطلق امر تھا اور یہ فی الفور کا تقاضا نہیں کرتا۔

6: انہوں نے یہ محسوس کیا کہ آپ ﷺ ہمیں رخصت پر عمل کرنے کا حکم دے رہے ہیں اور آپ ﷺ عزیمت پر عمل کرتے ہوئے آئندہ سال تک احرام میں رہنا چاہ رہے ہیں۔ جب صحابہ نے دیکھا آپ ﷺ نے احرام کھول دیا ہے تو انہوں نے فی الفور احرام کھول دیئے کیونکہ اس کے بعد انتظار کا کوئی مقصد ہی نہیں قول کے ساتھ فعل قول سے ابلغ ہوتا ہے۔

لوگ حج کے مہینوں میں عمرہ کو بہت بڑا گناہ تصور کرتے تھے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔ (بخاری، کتاب الحج)

حجۃ الوداع آپ ﷺ کا آخری حج تھا۔ آپ ﷺ نے اس میں تمام جاہلیت کی رسوم پر ضرب کاری لگائی تھی، مثلاً: ننگے ہو کر طواف سے منع فرمادیا، مزدلفہ میں وقوف ختم کر کے عرفات میں وقوف کا حکم دیا، اس طرح آپ ﷺ نے چاہا کہ شیطان نے لوگوں میں جو یہ بات پیدا کر دی ہے کہ ان دنوں عمرہ سخت گناہ ہے اسے ختم کیا جائے۔ صحابہ نے حج کا احرام باندھ رکھا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا جس نے طواف اور سعی کر لی ہے اور قربانی ساتھ نہیں لایا وہ احرام کھول دے اور اس عمل کو عمرہ قرار دیدے، لوگ متردد ہوئے جیسا کہ سیدہ عائشہ سے مروی روایت میں ہے۔ (مسلم، کتاب الحج)

عرض کیا: ہمارے لئے اب سب کچھ حلال ہوگا؟

فرمایا: سب کچھ حلال ہے۔

حضرت جابرؓ سے مروی حدیث میں ہے کہ صحابہ نے عرض کیا: ہم منیٰ اس حال میں جائیں گے کہ منی ٹپک رہی ہوگی۔ آپ ﷺ نے اپنے احرام نہ کھولنے کی وجہ بیان فرمائی کہ اگر میرے ساتھ قربانی نہ ہوتی تو میں بھی احرام کھول دیتا اگر آئندہ سال عمل کا موقعہ ملا تو میں ھدی ساتھ نہیں لاؤں گا۔

مسلم کے الفاظ ہیں: تم جانتے ہو میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا خوف رکھتا ہوں، تم سب سے زیادہ سچا اور نیک ہوں، اگر میرے ساتھ ھدی نہ ہوتی تو میں احرام کھول دیتا لہٰذا تم احرام کھول دو تو صحابہ نے یہ کہتے ہوئے ''سمعنا واطعنا'' احرام کھول دیئے۔ بخاری و مسلم کی ایک روایت کے الفاظ ہیں:

((افعلوا ما امرتکم فلو لا انی یسقت الھدی لفعلت مثل الذی امرتکم بہ ولکن لا یحل منی حرام حتی یبلغ الھدی محلہ))

''جو میں کہہ رہا ہوں کرو۔ اگر میں نے ھدی ساتھ نہ لائی ہوتی تو میں بھی احرام کھول دیتا لیکن میرے لئے احرام کھولنا حلال نہیں جب تک ھدی قربان گاہ تک نہ پہنچ جائے۔''

تو ان سب نے احرام کھول دیئے، جن لوگوں نے ھدی ساتھ لائی تھی انہوں نے بھی آپ ﷺ کے حکم کے

مطابق کیا، مثلاً: حضرت ابوبکر، حضرت علی، حضرت زبیر، حضرت ابوموسیٰ، حضرت طلحہ ھدی ساتھ لائے تھے یا وہ صحابہ جنہوں نے یہ کہہ کر احرام باندھا ہمارا احرام وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ کا ہے تو جب آپ ﷺ نے فرمایا: جس کے ساتھ ھدی نہیں وہ احرام کھول دے تو انہوں نے بھی احرام کھول دیا، الغرض آپ ﷺ نے حکم دیا جس نے ہدی ساتھ نہیں لائی وہ احرام حج کو عمرہ کے ساتھ بدل دے تاکہ جو غلط رسم پیدا ہو چکی ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ غلط عمل ہے ختم کر دی جائے، صحابہ میں تردد ہوا کیونکہ آپ ﷺ نے احرام نہیں کھولا اور صحابہ کی عادت تھی کہ عمل آپ ﷺ کے بعد کیا کرتے۔ جب آپ ﷺ نے حکمت بیان فرما دی (قربانی کا ساتھ لانا) اور فرمایا:

"اگر ہدی ساتھ نہ لایا ہوتا تو میں بھی احرام کھول دیتا۔"

جب انہیں اس حکمت کا علم ہو گیا تو انہوں نے آپ ﷺ کے حکم کی فی الفور تعمیل کر دی، اس لئے انہوں نے اسے عجیب سمجھتے ہوئے عرض کیا تھا:

"ہمارے لئے سب کچھ حلال ہے، مثلاً: لباس، خوشبو اور بیوی۔"

تو ان کے تعجب میں اور اضافہ ہو گیا تو جب آپ ﷺ نے حکمت بیان فرما دی تو انہوں نے فی الفور اسے قبول کر کے عمل کر لیا۔

آپ ﷺ نے اپنے طریق پر چلنے اور اپنی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے پر ابھارا، سنت اور آپ ﷺ کے طریق کے خلاف چلنے والے کا رد فرمایا خواہ وہ عمل کرنے والا اس فعل کا موجد اور مخترع ہو یا ایجاد تو کسی غیر نے کیا اور وہ اس پر عمل پیرا ہو۔ ام المومنین سیدہ عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من احدث فی امرنا ما لیس منه فهو رد))(بخاری، کتاب الصلح)

"جس نے ہمارے معاملہ میں ایسی چیز ایجاد کی جو اس میں سے نہیں تو وہ مردود ہے۔"

مسلم کے الفاظ ہیں:

((من عمل عملا لیس علیه امرنا فهو رد))(مسلم، کتاب الاقضیه)

"جس نے ایسا کام کیا جو ہمارے امر کے مطابق نہیں وہ مردود ہے۔"

پہلی روایت میں عمل کی بات نہ تھی دوسری میں عمل کو بھی شامل ہے، تمام لوگوں پر یہ لازم ہے کہ ہر آدمی آپ ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات پر چلے اس کے سوا جو کچھ ہے وہ مردود اور غیر مقبول ہے۔

اطاعت رسول اطاعت الٰہی ہے:

معاملہ اپنی بلندی کو پہنچ چکا، مقام تو خوب بلند ہو گیا، جب اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرما دیا کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے کیونکہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ہی رسول بنایا، اس نے آپ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا، اس نے آپ ﷺ کی فرمانبرداری کا حکم دیا، اس نے آپ ﷺ کی نافرمانی اور آپ ﷺ کے احکام کی مخالفت حرام قرار دی، آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق اس کا پیغام پہنچانے والے ہیں، آپ ﷺ ہی کی ذات اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان واسطہ ہے، اللہ تعالیٰ کی شریعت آپ ﷺ نے ہی بیان کی، پھر اس کی شرح اور تفصیل

کی، اللہ تعالیٰ کی طرف ہادی آپ ﷺ ہی کی ذات ہے، آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبشر ونذیر ہیں۔ یہی وجہ ہے جس نے آپ ﷺ کی اطاعت کی اس نے آپ ﷺ کو رسول بنانے والے کی اطاعت کی جس نے آپ ﷺ کی نافرمانی کی اس نے آپ ﷺ کے بھیجنے والے کی نافرمانی کی۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا مبارک فرمان ہے:

((من یطع الرسول فقد اطاع اللہ ومن تولی فما ارسلنک علیھم حفیظا))(النساء:80)

''جس نے رسول کا حکم مانا اس نے اللہ کا حکم مانا اور جس نے منہ پھیرا تو ہم نے تمہیں ان کے بچانے کو نہ بھیجا۔''

اس آیت میں ''یطع'' مضارع ہے جو حال ومستقبل پر دال ہے۔''اطاع'' ماضی جو وقوع وثبوت پر دال ہے، جس نے اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اس سے پہلے ثابت ہوگئی، کیونکہ آپ ﷺ کو رسول اللہ نے بنایا اور آپ ﷺ کی اطاعت کا حکم بھی اس نے دیا لہٰذا جس نے آپ ﷺ کی اطاعت کی فی الحقیقت اس نے آپ ﷺ کی اطاعت سے پہلے آپ ﷺ کے بھیجنے والے کی اطاعت کی اور جس نے آپ ﷺ کی نافرمانی کی اس نے فی الحقیقت آپ ﷺ کی معصیت سے پہلے آپ ﷺ کے بھیجنے والے کی معصیت کی کیونکہ وہ آپ ﷺ کا بھیجنے والا ہے اور اس نے آپ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا ہے اور آپ ﷺ کی معصیت کو حرام قرار دیا۔

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ اطاعت الٰہی کا حکم نقل کرنے والی بھی آپ ﷺ ہی کی ذات اقدس ہے اور اللہ تعالیٰ ہی آپ ﷺ کی اطاعت کا حکم فرمانے والا ہے۔ اب آپ ﷺ نے اپنی اطاعت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا جو حکم نقل فرمایا ہے جو شخص اسے نہیں مانتا تو وہ اس شخص کی مانند ہوگا جو آپ ﷺ کے اس حکم کی اطاعت نہیں کرتا جو آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے بارے میں نقل کیا ہے، تو جس نے اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت نہ کی اس نے اللہ تعالیٰ کی بھی اطاعت نہ کی، یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے منشاء ومراد مخلوق پر واضح کرنے کیلئے آپ ﷺ کو منتخب فرمایا، اور اس نے ہر ہر مخلوق کی طرف الگ الگ رسول نہیں بھیجا (حالانکہ اس پر قادر ہے) اس نے تمام مخلوق کی طرف فقط ایک ہی رسول بھیجا اور اس کی اطاعت وفرمانبرداری کا حکم فرمایا۔

امام ابن جریر طبری کہتے ہیں:

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام مخلوق پر حضور ﷺ کو رسول بنانے کی حکمت ہے گویا اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے: انہیں بتاؤ اے لوگو! تم میں سے جو حضرت محمد ﷺ کی اطاعت کرے گا اس نے آپ ﷺ کی اطاعت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر لی، ان کی بات مانو، ان کے حکم کی اطاعت کرو کیونکہ جب بھی یہ تمہیں کوئی حکم دیں گے تو میرا ہی ہوگا، اگر کسی سے منع کریں گے تو وہ منع میری طرف سے ہوگا، کوئی ہرگز یہ بات نہ کہے:

((انما محمد بشر مثلنا یرید ان یتفضل علینا))

’’حضورﷺ ہماری طرح بشر ہیں اور ہم پر فضیلت جتانے کیلئے کوشاں ہیں۔‘‘

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’ومن تولی‘‘ اے محمدﷺ! جس نے آپﷺ کی اطاعت سے اعراض کیا تو ہم نے آپﷺ کو ان کے اعمال پر محافظ و محاسب بنایا، ہم نے آپﷺ کو تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کیلئے بھیجا، ان کے اعمال کی ذمہ داری اور ان کا محاسبہ ہمارا کام ہے، بہت سی احادیث مروی ہیں جن میں یہی معنی وحقیقت کا بیان ہے۔

1: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہﷺ صحابہ میں تشریف لائے اور فرمایا:

’’کیا تم نہیں جانتے میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔‘‘

عرض کیا:

’’کیوں نہیں! ہم آپﷺ کو اللہ کا رسول مانتے ہیں۔‘‘

فرمایا: کیا تم نہیں جانتے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں نازل فرمایا ہے:

((من اطاعنی فقد اطاع الله))

’’جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔‘‘

عرض کیا:

’’کیوں نہیں! ہم اعلان کرتے ہیں جس نے آپﷺ کی اطاعت کی اس نے بلاشبہ اللہ کی اطاعت کی، آپﷺ کی اطاعت، اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہی ہے۔‘‘

فرمایا:

’’اللہ کی اطاعت یہ ہے کہ تم میری اطاعت کرو اور میری اطاعت یہ ہے کہ تم ائمہ کی اطاعت کرو۔ اگر وہ بیٹھ کر نماز پڑھائیں تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔‘‘ (مسند احمد: 2-93)

حافظ ابن حجر حدیث ابو ہریرہ کے تحت لکھتے ہیں:

’’آپﷺ کا یہ جملہ ’’من اطاعنی فقد اطاع اللہ‘‘ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ماخوذ ہے: ’’من یطع الرسول فقد اطاع اللہ‘‘ یعنی میں وہی حکم دیتا ہوں جو اللہ نے دیا تو جس نے بھی میرے حکم پر عمل کیا، اس نے مجھے حکم دینے والے کے حکم کو مان لیا، یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تالیٰ نے میری اطاعت کا حکم دیا ہے تو جس نے میری اطاعت کر لی تو اس نے اللہ کے اس حکم کو مان لیا جو اس نے میری اطاعت کا دیا تھا۔ اسی طرح معصیت کا معاملہ ہے، اطاعت، حکم کو بجالانا جس سے منع کیا اس سے رک جانا ہے اور معصیت اس کے برعکس ہے، جو حضورﷺ کا مطیع ہے وہ اللہ تعالیٰ کا مطیع ہے، جو اللہ تعالیٰ کا مطیع بننا چاہتا ہے، اس پر آپﷺ کی اطاعت لازم ہے کیونکہ آپﷺ اس کے پیغامبر اور اس کے راستہ کے ہادی ہیں۔ جو آپﷺ کی اطاعت نہیں کرے گا تو اس نے اپنے رب کی اطاعت نہیں کی جیسا

کہ جس نے آپ ﷺ کی اطاعت کی مگر رب تعالیٰ کی اطاعت نہ کی اس نے آپ ﷺ کی بھی اطاعت نہیں کی۔"

2: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((فمن اطاع محمدا فقد اطاع الله و من عصى محمدا فقد عصى الله و محمد فرق بين الناس))(بخاری، کتاب الاعتصام)

"جس نے محمد ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی، جس نے محمد ﷺ کی نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور محمد ﷺ لوگوں کے درمیان وجہِ امتیاز ہیں۔"

3: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من اطاعنى فقد اطاع الله و من عصانى فقد عصى الله))

(بخاری، کتاب الجہاد)

"جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی، جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔"

رسول اللہ کی بیعت اللہ کی بیعت ہے:

جیسے اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے، اسی طرح آپ ﷺ کی بیعت کو اپنی بیعت فرما دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

((ان الذين يبا يعونك انما يبايعون الله يدالله فوق ايديهم فمن نكث فانما ينكث على نفسه و من اوفى بما عهد عليه الله فسيو تيه اجراً عظيماً))(الفتح:10)

"وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے، تو جس نے عہد توڑا اس نے اپنے بڑے عہد کو توڑا اور جس نے پورا کیا وہ عہد جو اس نے اللہ سے کیا تھا تو بہت جلد اللہ اسے بڑا ثواب دے گا۔"

براہِ راست کس کی بیعت ہو رہی تھی اور کون بیعت لے رہا تھا؟ رسول اللہ ﷺ، مگر اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے: "انما یبایعون اللہ" انہوں نے اللہ کی بیعت کی، پھر فرمایا: ومن اوفی بما عہد علیہ اللہ۔

حالانکہ بیعت لینے والے تو رسول اللہ ﷺ ہیں یہ تمام اسرار اور رموز ہیں اور حضور ﷺ کے مقام کی بلندی و عظمت کی رفعتیں ہیں۔ جو ہر عاقل مومن صاحب قلب سلیم، فہم ثاقب اور روشن عقل والے پر مخفی نہیں، ان سے اسے آپ ﷺ کے احترام و مقام کا علم ہو جائے گا۔

آپ ﷺ نے مسلمانوں سے بیعت کی، اس بیعت کی روایات میں مختلف الفاظ ہیں وہ بیعت، اسلام، عدم شرک باللہ، ایمان، ہجرت، فروغ اسلام، امامت صلاۃ، ادائیگی زکوٰۃ، ہر مسلمان کی خیر خواہی، عدم زنا و سرقہ، صبر،

سمع واطاعت، توحید، جہاد، عدم فرار وغیرہ پر تھی، پھر جس طرح آپ ﷺ نے مردوں سے بیعت لی اسی طرح خواتین سے بھی لی، ان تمام پر وفا اور عدم نقض لازم تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے حدیبیہ کے موقعہ پر بیعت رضوان کرنے والوں کے بارے میں فرمایا: یہ اہل جنت ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس میں داخل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((لقد رضی اللہ عن المومنین اذیبا یعونك تحت الشجرة فعلم ما فی قلوبهم فانزل السكینة علیهم واثابهم فتحا قریبا o ومعانم كثیرة یاخذونها وكان اللہ عزیزا حكیما))(الفتح: 18-19)

"بے شک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ اس پیڑ کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے تو اللہ نے جانا جو ان کے دلوں میں ہے تو ان پر اطمینان اتارا اور انہیں جلد آنے والی فتح کا انعام دیا اور بہت سی غنیمتیں ان کو دیں اور اللہ عزت و حکمت والا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رضا سے نوازا، ان پر سکینہ کا نزول فرمایا، فتح قریب، مغانم کثیر، عزت، رفعت اور نصرت کی خوشخبری دی اور یہ بھی خبر دی کہ ان کے دلوں میں ایمان، صدق، وفا اور سمع واطاعت موجزن ہے۔ تمام انعامات صحابہ نے پائے صرف اس لئے کہ انہوں نے آپ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے بیعت کی اور سمع و اطاعت اختیار کی، سمع واطاعت اختیار کرنے والے سچے لوگوں کو ہی اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے نوازتا ہے اور مخلوق کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی سنت مختلف نہیں ہے۔

صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دینے والے:

راستے اور شاہراہیں بہت ہیں لیکن سب کی سب دوزخ لے جاتی ہیں سوائے ایک راستہ کے جو چلنے والے کو جنت اور اللہ تعالیٰ کی رضا تک لے جاتا ہے۔ اے مسلم! ابتداء اس کی تو ہے اور انتہا اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس، سب سے قریبی اور چھوٹا راستہ خط مستقیم ہوا کرتا ہے اور وہ صراط مستقیم ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے در کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے تمام دروازے بند فرما دیئے ہیں۔ آپ ﷺ کو ایسا ہادی بنا دیا کہ اتباع کرنے والے کو پکڑ کر مولیٰ کے دروازے تک پہنچا دیں۔ اب "باب الہدایت" آپ ﷺ ہی ہیں، جو رہنمائی چاہتا ہے وہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرے، جو اس سے اعراض وغرور کرے گا وہ ہلاک و برباد ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اس صراط مستقیم کی رہنمائی فرمانے والا فقط اپنے نبی ﷺ کو بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

((وكذلك اوحینا الیك روحاً من امرنا ما كنت تدری ما الكتب ولا الایمان ولكن جعلنه نورا نهدی به من نشاء من عبادنا وانك لتهدی الی صراط مستقیم o صراط اللہ الذی له

ما فی السموات و ما فی الارض الا الی اللہ تصیر الامور))

(الشوریٰ:52-53)

''اور یونہی ہم نے وحی بھیجی ایک جان فزا چیز اپنے حکم سے، اس سے پہلے نہ تم کتاب جانتے تھے، نہ احکام شرع کی تفصیل، ہاں ہم نے اسے نور کیا جس سے ہم راہ دکھاتے ہیں اپنے بندوں سے جسے چاہتے ہیں اور بے شک تم ضرور سیدھی رہ بتاتے ہو، اللہ کی راہ، اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے۔ خبردار سب کام اللہ کی طرف پلٹتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی نصیحت ان الفاظ میں بیان فرمائی:

((وان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعو السبل فتفرق بکم عن سبیلہ ذلکم وصکم بہ لعلکم تتقون))(الانعام:153)

''اور یہ ہے میرا سیدھا راستہ، تو اس پر چلو اور رستوں پر نہ چلو کہ تمہیں اس راہ سے جدا کر دیں گی۔ یہ تمہیں حکم فرمایا کہ کہیں تمہیں پرہیز گاری ملے۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک خط کھینچا اور فرمایا:

''یہ اللہ کا راستہ ہے۔''

پھر دائیں بائیں خط کھینچے اور فرمایا: ان تمام راستوں پر شیطان ہے جو ان کی طرف بلا رہا ہے۔ پھر مذکورہ آیت پڑھی۔ (مسند احمد 1-435)

ایک اور مقام پر فرمایا:

((الر o کتب انزلنہ الیک لتخرج الناس من الظلمت الی النور باذن ربھم الی صراط العزیز الحمید o اللہ الذی لہ ما فی السموات وما فی الارض وویل للکفرین من عذاب شدید))

(ابراہیم:1)

''ایک کتاب ہے کہ ہم نے تمہاری طرف اتاری کہ تم لوگوں کو اندھیروں سے اجالے میں لے آؤ ان کے رب کے حکم سے، اس کی راہ کی طرف جو عزت والا سب خوبیوں والا ہے۔ اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں اور کافروں کی خرابی ہے ایک سخت عذاب سے۔''

تو اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرمادیا کہ آپ ﷺ ہی صراط مستقیم کی طرف ہادی ہیں، جو بھی آپ ﷺ کی آواز پر لبیک کہے گا وہی نفع پائے گا اور مقصد میں کامیاب ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((یٰس o والقران الحکیم o انک لمن المرسلین o علی صراط مستقیم))(یٰسین:1-4)

''حکمت والے قرآن کی قسم! بے شک تم سیدھی راہ پر بھیجے گئے ہو۔''

ایک جگہ فرمایا:

((وانك لتدعوهم الى صراط مستقيم))(المومنون:73)

''اور بے شک تم انہیں سیدھی راہ کی طرف بلاتے ہو۔''

اسی لئے اللہ نے باقی تمام دروازے بند فرما دیئے صرف بابِ رسول ﷺ ہی کھلا رکھا ہے۔ آپ ﷺ کو سراپا ''ہدایت'' قرار دے دیا ہے۔ تمام راستے بند کر کے صرف آپ ﷺ کا راستہ کھلا رکھا ہے، اب جو بھی ہدایت چاہتا ہے در مصطفیٰ ﷺ پر آئے، اللہ تعالیٰ اس پر ہدایت کی بارش فرما دے گا۔ جو اللہ کی راہ کو پانا چاہتا ہے وہ حضور ﷺ کی آواز پر لبیک کہے، اسے اللہ تعالیٰ پہلے دین میں پھر جنت میں داخل فرما دے گا، جو کسی اور کی راہ پر چلے گا وہ راستہ ہی غلط ہے، وہاں ہلاکت کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((قل اطيعوا الله واطيعوا الرسول فان تولوا فانما عليه ما حمل وعليكم ما حملتم وان تطيعوه تهتدوا وما على الرسول الا البلغ المبين))(النور:54)

''تم فرماؤ حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا۔ پھر اگر تم منہ پھیرو تو رسول ﷺ کے ذمہ وہی ہے جو اس پر لازم کیا گیا اور تم پر وہ ہے جس کا بوجھ تم پر رکھا گیا اور اگر رسول کی فرمانبرداری کرو گے راہ پاؤ گے اور رسول کے ذمہ نہیں مگر صاف پہنچا دینا۔''

نبی اکرم ﷺ نے خود بھی بیان فرما دیا ہے کہ داعی میں ہوں جو میرے بلاوے پر آئے گا وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور جس نے اللہ کی نافرمانی کر دی وہ ہلاک ہو گیا۔

1: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میری اور تمہاری مثال اس شخص کی ہے جس نے آگ جلائی، کیڑے مکوڑے اس میں گرنا شروع ہو گئے اور وہ انہیں آگ سے بچاتا ہے۔''

((وانا اخذ بحجز كم عن النار وانتم تفلتون من يدى))

(مسلم، کتاب الفضائل)

''میں تمہیں آگ سے پیچھے دھکیل رہا ہوں اور تم چھڑا کر اس میں گر رہے ہو۔''

یہ تو ہاتھوں سے نکل کر جا رہے ہیں یا تو عاصی ہیں جو ابتداءً جنت میں داخل نہ ہوں گے یا ہلاک ہونے والے ہیں جو ہمیشہ ہلاکت میں رہیں گے (والعیاذ باللہ تعالیٰ) ہر ایک کا معاملہ اپنی اپنی نافرمانی اور مخالفت کے مطابق ہوگا اور آپ ﷺ کی آواز پر لبیک کہنے والا انجات پا جائے گا۔

2: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میرا ہر امتی جنت میں جائے گا مگر جس نے انکار کیا۔''

صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ!

((ومن ابی))

''آپ ﷺ کا انکار کس نے کیا؟''

فرمایا:

((من اطاعنی دخل الجنة ومن عصانی فقدابی))

(بخاری، کتاب الاعتصام)

''جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے میرا انکار کیا۔''

تو جن لوگوں نے آپ ﷺ کی دعوت کا انکار کیا اور آپ ﷺ کے احکام کی نافرمانی کی وہ جہنمی ٹھہرے۔

3: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میری مثال اس شخص کی ہے جس نے آگ جلائی، جب اس کا ارد گرد روشن ہو گیا تو کیڑے مکوڑے اس میں گرنا شروع ہو گئے تو وہ انہیں پکڑ پکڑ کر آگ سے بچاتا ہے۔''

فرمایا: میری اور تمہاری مثال اسی طرح کی ہے،

((انا اخذ بحجز کم عن النار هلم عن النار هلم عن النار فتغلبونی تقحمون فیها))(بخاری، کتاب الرقاق)

''میں تمہیں پکڑ کر آگ سے پیچھے کھینچنے والا ہوں اور آگے سے بچو! آگ سے بچو! لیکن تم چھڑا چھڑا کر دوزخ میں گرنے کی کوشش میں ہو۔''

4: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اما السید فهو رب العالمین واما البنیان فهوالا سلام والطعام الجنة و محمد الداعی فمن اتبعه کان فی الجنة ومن لم یتبعه عذب))

''اللہ رب العالمین مالک ہے، عمارت اسلام ہے، کھانا جنت اور حضور ﷺ کی ذات گرامی دعوت دینے والی ہے جو اتباع کرے گا وہ جنت میں جائے گا اور جو اتباع نہ کرے گا اسے عذاب دیا جائے گا۔''

اسے امام احمد، ترمذی اور ابن خزیمہ نے روایت کر کے صحیح قرار دیا۔ (مسند احمد 1-399)

5: اسی طرح کی روایات حضرت ربیعہ اجرشی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہیں۔

(مسند احمد 1-267)

تو جس نے بھی آپ ﷺ کی اطاعت کی اور آپ ﷺ کے بلاوے پر حاضر ہو گیا وہ جنت میں داخل ہو گیا اور جس نے نافرمانی کی اور اعراض کیا وہ جہنمی ہو گیا، ایسا شخص اس سرکش اونٹ کی طرح ہے جو اپنے مالک کو کاٹ لیتا ہے۔

6: حاکم اور ترمذی میں ہے:

((فالله هو الملك والدار الاسلام والبيت الجنة وانت يا محمد رسول من اجابك دخل الاسلام ومن دخل الاسلام دخل الجنة ومن دخل الجنة اكل منها))(ترمذی ، کتاب الامثال)

"مالک اللہ ہے، دار اسلام ہے، بیت، جنت ہے اور اے محمد ﷺ! آپ ﷺ رسول ہیں۔ جس نے آپ ﷺ کی بات مان لی وہ مسلمان ہو گیا اور مسلمان جنت میں اور جو جنت میں جائے گا اس سے لطف اندوز ہوگا۔"

7: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ آرام فرماتے تھے، فرشتے آئے، ایک نے کہا: آپ ﷺ سوئے ہوئے ہیں۔ دوسرے نے کہا: نہیں صرف آنکھ سوئی ہوئی ہے، دل بیدار ہے۔ پھر انہوں نے کہا: اس شخصیت کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی آدمی گھر بنائے، اس میں دستر خوان لگوائے اور داعی کو بھیجے (آؤ کھانا کھاؤ) جس نے داعی کے بلاوے کو مان لیا، وہ گھر میں داخل ہو کر کھانا کھائے گا اور جس نے بلاوے کو نہ مانا وہ نہ گھر میں داخل ہوگا اور نہ کھانا کھائے گا، پھر انہوں نے کہا: اس کی تطبیق کیا ہے؟ کہنے لگے: دار سے مراد جنت ہے، داعی نبی ﷺ کی ذات ہے، جس نے ان کی اطاعت کر لی اس نے اللہ کی اطاعت کر لی جس نے ان کی نافرمانی کی، اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور آپ ﷺ کی ذات اقدس لوگوں کے درمیان امتیاز ہے۔ (بخاری، کتاب الاعتصام)

رسول اللہ ﷺ بشیر و نذیر بن کر آئے:

قرآن کریم کی متعدد آیات میں حضور سرور کائنات ﷺ کا یہ بلند مقام بھی بیان ہوا ہے کہ انسانیت کو متنبہ فرمانے والے ہیں، اگر وہ نافرمان رہی، سیدھے راستہ سے بھٹکی رہی، اپنے رب عزوجل سے بیگانہ ہوئی، اللہ پر ایمان نہ لائی، اپنے رب اور اپنے نبی ﷺ کی نافرمانی کی اور ان کی اطاعت نہ کی، بلکہ ان سے کفر کیا تو وہ عذاب الیم سے نہیں بچ سکتی، اس طرح یہ بھی بیان ہوا کہ آپ ﷺ کس طرح انجام سے متنبہ فرماتے ہیں اور اس کے مراحل کیا ہیں۔ جیسا کہ مومنین، متقین، صادقین، صابرین، صالحین اور عاجزی کرنے والوں کو نعیم مقیم، جنات اور ان کے اجر و ثواب کی بشارت دیتے ہیں اور ایسے ہی منافقین و کافرین کو عذاب الیم و شدید سے آگاہ کرتے ہیں۔ تمام تو نہیں کچھ آیات کا تذکرہ کرتے ہیں تاکہ آپ ﷺ کے اس عظیم مقصد پر کچھ روشنی کا کام دے۔

ایک مقام پر فرمایا:

((یایها النبی انا ارسلنك شاهدا و مبشرا و نذيرا ○ وداعيا الى

اللہ باذنہ و سراجا منیرا o و بشر المومنین بان لھم من اللہ فضلا کبیرا o))(الاحزاب:45-47)

''اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی)! بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب اور ایمان والوں کو خوشخبری دو کہ ان کیلئے اللہ کا بڑا فضل ہے۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

((قل انما انذرکم بالوحی ولا یسمع الصم الدعاء اذا ما ینذرون))(الانبیاء:45)

''تم فرماؤ کہ میں تم کو صرف وحی سے ڈراتا ہوں اور بہرے پکارنا نہیں سنتے جب ڈرائے جائیں۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو وحی سے نوازا تاکہ اس کے ذریعے تمام لوگوں کو متنبہ فرمائیں اور آپ ﷺ کے بعد یا آپ ﷺ کی ظاہری حیات کے مبلغین بھی یہ کام سرانجام دے سکیں۔ ارشاد فرمایا:

((قل ای شیء اکبر شھادۃ قل اللہ شھیدا بینیی وبینکم واوحی الی ھذا القران لا نذرکم بہ ومن بلغ))(الانعام:19)

''تم فرماؤ سب سے بڑی گواہی کس کی؟ تم فرماؤ کہ اللہ گواہ ہے مجھ میں اور تم میں اور میری طرف اس قرآن کی وحی ہوئی ہے کہ میں اس سے تمہیں ڈراؤں اور جن جن کو پہنچے۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

((انا ارسلنک شاھدا و مبشرا و نذیرا o لتومنوا باللہ ورسولہ وتعزروہ وتوقروہ وتسبحوہ بکرۃ واصیلا))(الفتح:8-9)

''بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر اور خوشی اور ڈر سناتا تاکہ اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی تعظیم وتوقیر کرو اور صبح وشام اللہ کی پاکی بولو۔''

اس لئے اللہ تعالیٰ کے حکم پر آپ ﷺ نے اپنی یہ عظیم شان بیان فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((قل لا املک لنفسی نفعاً ولا ضراً الا ماشاء اللہ ولو کنت اعلم الغیب لا ستکثرت الخیر وما مسنی السوء ان انا الا نذیر و بشیر لقوم یؤمنون))(الاعراف:188)

''تم فرماؤ میں اپنی جان کے بھلے برے کا خود مختار نہیں مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں غیب جان لیا کرتا تو یوں ہوتا کہ میں بہت بھلائی جمع کر لیتا اور مجھے کوئی برائی نہ پہنچتی۔ میں تو یہی ڈر اور خوشی سنانے والا ہوں انہیں جو ایمان رکھتے ہیں۔''

بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو بشارت، نذارت اور شہادت میں آپ ﷺ کی رسالت میں منحصر فرما دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

((وما ارسلنك الا كآفة للناس بشيرا و نذيرا ولكن اكثر الناس لا يعلمون))(سبا :28)

''اور اے محبوب! ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے، خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا لیکن بہت لوگ نہیں جانتے۔''

دوسرے مقام پر ہے:

((وما ارسلناك الا مبشرا و نذيرا))(الاسرا:105، الفرقان:56)

''اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر خوشی اور ڈر سناتا۔''

فرمان الٰہی ہے:

((انا ارسلنك بالحق بشيرا و نذيرا ولا تسئل عن اصحب الجحيم))(البقرة:119)

''بے شک ہم نے تمہیں حق کے ساتھ بھیجا خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا اور تم سے دوزخ والوں کا سوال نہ ہوگا۔''

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((انا ارسلنك بالحق بشيرا و نذيرا وان من امة الا خلا فيها نذير))(فاطر :24)

''اے محبوب! بیشک ہم نے تمہیں حق کے ساتھ بھیجا خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا اور ہر امت میں ایک ڈر سنانے والا گزر چکا۔''

اللہ تعالیٰ نے سورۂ مدثر میں فرمایا:

((يايها المدثر o قم فانذر o))(المدثر : 1-2)

''اے بالا پوش اوڑھنے والے! کھڑے ہو جاؤ پھر ڈر سناؤ۔''

آپ ﷺ کے نذیر ہونے پر احادیث کثرت کے ساتھ وارد ہیں، یہ بھی بیان ہوا کہ آپ ﷺ نے قوم کی غمخواری کرتے ہوئے انہیں صحیح رہنمائی فرمائی تو جس نے آپ ﷺ کی اطاعت کی اور مخالفت سے بچا وہ دنیا و آخرت میں کامیاب ٹھہرا اور جس نے مخالفت و نافرمانی کی وہ ہلاک ہوگیا۔

حضرت قیصر بن مخارق اور حضرت زہیر بن عمرو سے روایت ہے کہ جب مذکورہ آیت نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے پہاڑی پر چڑھ کر آواز دی:

''اے بنوعبد مناف! میں تمہیں متنبہ کر رہا ہوں، میری اور تمہاری مثال اس آدمی کی ہے جو دشمن کو دیکھے وہ جلدی سے اپنے خاندان میں پہنچنے کی کوشش کرتا ہے کہیں دشمن پہلے نہ پہنچ جائے اور وہ پکارتا ہے: خبردار! دشمن آرہا ہے۔'' (مسلم، کتاب الایمان)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میری مثال اور اس کی مثال جس کی طرف مجھے اللہ نے مبعوث فرمایا اس شخص کی ہے جو کہے: اے میری قوم! میں نے ان آنکھوں سے دشمن دیکھا ہے۔ میں تمہیں دشمن سے آگاہ کر رہا ہوں۔ پس نجات کا سوچ لو اور اس قوم میں سے ایک گروہ اس کی بات مان لیتا ہے اور دوسری جگہ چلا جاتا ہے، وہ نجات پا جاتے ہیں، دوسرا طبقہ بات نہیں مانتا وہ وہیں رہتا ہے، دشمن صبح کے وقت حملہ کر کے انہیں برباد کر دیتا ہے۔''

((فذالك مثل من اطاعنى فاتبع ما جئت به و مثل من عصا نى و كذب بما جئت به من الحق))(بخاری، کتاب الاعتصام)

''یہ مثال اس شخص کی ہے جس نے میری اطاعت کر کے میری تعلیمات کی اتباع کی اور مثال ہے اس آدمی کی جس نے میری نافرمانی کی اور میری لائی ہوئی حق تعلیمات کی تکذیب کی۔''

پہلے طبقے کے عمل کو اطاعت اور دوسرے کے عمل کو تکذیب سے تعبیر کیا ہے، تاکہ واضح ہو جائے کہ اطاعت تصدیق کے بعد اور تکذیب عصیان کا سبب ہے جیسا کہ امام طیبی نے فرمایا اور فرمایا:

''آپ ﷺ نے اپنے آپ کو رجل سے تشبیہ دی، اپنے ڈرانے کو عذاب قریب سے، آدمی کے قوم کو ڈرانے کو صبح کے لشکر سے تشبیہ دی، اپنی امت میں سے اطاعت اور نافرمانی کرنے والوں کو اس شخص کے ساتھ تشبیہ دی جو ڈرانے والے کی تصدیق یا تکذیب کرتا ہے۔'' (فتح الباری 317.117)

تو جو شخص دشمن سے ظاہری، باطنی، اعلانیہ اور خفیہ سلامتی اور نجات چاہتا ہے وہ نذیر کی اطاعت کرے، اگر اس کی اطاعت کرے گا تو محفوظ ہو جائے، رسول اللہ ﷺ اپنی امت کیلئے سب سے بڑھ کر سچے نذیر ہیں کیونکہ آپ ﷺ سے بڑھ کر امت پر کوئی زیادہ شفیق نہیں ہو سکتا بلکہ آپ ﷺ کی کوئی نظیر ہی نہیں، اسی لئے آپ ﷺ نے اپنی امت کو ہر معصیت سے ڈرایا اور انہیں ہر اطاعت کی رغبت دلائی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

((قو انفسكم و اهليكم نارا))

''اپنے آپ کو اپنے اپنے گھر والوں کو جہنم سے بچاؤ۔''

حضور ﷺ نے تمام قریش کو جمع فرمایا، خواہ وہ عام تھے یا خاص۔ فرمایا:

''اے بنو کعب بن لوی! اپنے آپ کو آگ سے بچا لو۔ اے بنو مرہ بن کعب! اپنے آپ کو آگ سے بچا لو۔ اے بنو عبد شمس! اپنے آپ کو آگ سے محفوظ کر لو۔ اے بنو عبد مناف! اپنے آپ کو آگ سے بچا

لو۔اے عباس بن عبد المطلب! میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے کسی طرح نہیں بچا سکتا،اے فاطمہ! اپنے آپ کو آگ سے بچالے کیونکہ میں تمہارے بارے میں کسی شے کا مالک نہیں ہوں سوائے اس کے کہ

((ان لكم رحما سابلها ببلالها))(مسلم، كتاب الايمان)

''تمہارا رشتہ ہے اسے میں چھانٹ دوں گا۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

((و انذر عشير تك الاقربين))(الشعراء:214)

''اور اے محبوب! اپنے قریب تر رشتہ داروں کو ڈراؤ۔''

تو آپ ﷺ نے صفا پر تشریف فرما ہو کر آواز دی:

''اے بنی فہر! اے بنی عدی!''

یہ قریش کے خاندان تھے۔حتیٰ کہ تمام جمع ہو گئے جو آدمی خود نہ آسکا اس نے نمائندہ بھیج دیا تا کہ بات کا پتہ چل جائے،ابولہب اور قریش بھی آئے،آپ ﷺ نے فرمایا:

''اگر میں کہوں اس پہاڑ کی دوسری طرف لشکر تم پر حملہ آور ہو رہا ہے،کیا تم میری تصدیق کرو گے۔؟''

انہوں نے کہا:

((مجر بنا عليك الاصدقا))

''ہم نے بار بار تجربہ کیا آپ ﷺ سچے ہیں۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

((فانى نذير لكم بين يدى عذاب شديد))

''میں تمہیں عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔''

ابولہب کہنے لگا:

((تباّلك سائر اليوم الهذا جمعتنا))

''تیرے لئے ہلاکت ہو اس لئے سارا دن جمع کئے رکھا۔''

اس وقت اللہ کا کلام نازل ہوا:

((تبت يدا ابى لهب و تب ○ ما اغنى عنه ما له وما كسب))

(اللھب:1-20،البخاری،کتاب التفسیر)

''تباہ ہو جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ تباہ ہو ہی گیا،اسے کچھ کام نہ آیا اس کا مال اور نہ جو کمایا۔''

رسول اللہ شارع بن کر تشریف لائے:

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو جو عظیم درجات عطا فرمائے ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ ﷺ اشیاء کو حلال

وحرام قرار دے سکتے ہیں۔ آپ ﷺ کا یہ وصف سابقہ کتب میں بھی تھا۔ باقی آپ ﷺ اپنی طرف سے تو کچھ نہیں کریں گے بلکہ اللہ تعالیٰ کی وحی اور رہنمائی میں ہی تعلیمات عطا فرمائیں گے کیونکہ خواہش نفس سے آپ ﷺ کلام ہی نہیں فرماتے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کے اجمال کی تفصیل کا بیان آپ ﷺ کے سپرد فرما رکھا ہے۔ حالانکہ اس کے بیان کی ذمہ داری اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔

ارشاد فرمایا:

((لا تحرك به لسانك لتعجل به ٥ ان علينا جمعه وقرانه ٥ فاذا قرانه فاتبع قرانه ٥ ثم ان علينا بيانه))(القيمة:16-19)

''تم یاد کرنے کی جلدی میں قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دو۔ بیشک اس کا محفوظ کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔ تو جب ہم اسے پڑھ چکیں تو اس وقت اس پڑھے ہوئے کی اتباع کرو۔ بے شک اس کی باریکیوں کا تم پر ظاہر فرمانا ہمارے ذمہ ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے قرآن کا بیان آپ ﷺ کے سپرد فرمایا ہے۔ اس کے لئے یہ آیت پڑھئے:

((وانزلنا اليك الذكر لتبين للناس ما نزل اليهم ولعلهم يتفكرون))(النحل :44)

''اور اے محبوب! ہم نے تمہاری طرف یہ یادگار اتاری کہ تم لوگوں سے بیان کر دو جو ان کی طرف اترا تاکہ وہ غور وفکر کریں۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

((وما انزلنا عليك الكتب الا لتبين لهم الذى اختلفوا فيه وهدى ورحمة لقوم يومنون))(النحل:64)

''اور ہم نے تم پر یہ کتاب نہ اتاری مگر اس لئے کہ تم لوگوں پر روشن کر دو جس بات میں اختلاف کریں اور ہدایت اور رحمت ایمان والوں کے لئے۔''

اور آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی رہنمائی اور وحی کے بغیر نہ کوئی حکم دیتے ہیں اور نہ تفصیل فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((انا انزلنا اليك الكتب بالحق لتحكم بين الناس بما ارىك الله ولا تكن للخائنين خصيما))(النساء:105)

''اے محبوب! بے شک ہم نے تمہاری طرف سچی کتاب اتاری کہ تم لوگوں میں فیصلہ کرو جس طرح تمہیں اللہ دکھائے اور خیانت کرنے والوں کی طرف سے نہ جھگڑو۔''

ایک اور مقام پر ہے:

((قل انما اتبع ما یوحی الی من ربی))(الاعراف:203)

''تم فرماؤمیں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف میرے رب سے وحی ہوتی ہے۔''

ایک اور جگہ ہے:

((ان اتبع الا ما یوحی الی))(الانعام6۔ یونس15۔ الاحقاف 9)

''میں تو اسی کا تابع ہوں جو مجھے وحی آتی ہے۔''

حالانکہ بیان وتفصیل کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے، نبی ﷺ تو اس کے حکم اور رہنمائی میں بیان فرمانے والے ہیں کیونکہ اپنے نفس کی طرف سے آپ ﷺ نطق تک نہیں فرماتے، یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ طیبات کو حلال، خبائث کو حرام اور سابقہ امتوں پر جو بوجھ تھے ان سے اپنی امت کو تخفیف عطا فرماتے ہیں۔

آپ ﷺ کا دین سراپا آسانی ہے۔اللہ تعالیٰ نے اسی شان کو یوں فرمایا ہے:

((الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التورۃ والانجیل یامرھم بالمعروف وینھھم عن المنکر ویحل لھم الطیبت ویحرم علیھم الخبٰئث ویضع عنھم اصرھم والاغلل التی کانت علیھم فالذین امنوا بہ وعزروہ ونصروہ واتبعوا النور الذی انزل معہٗ))(الاعراف:157)

''وہ جو غلامی کریں گے اس رسول بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے کی جسے لکھا ہوا پائیں اپنے پاس توریت اور انجیل میں، وہ انہیں بھلائی کا حکم دے گا اور برائی سے منع فرمائے گا اور ستھری چیزیں ان کے لئے حلال فرمائے گا اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا اور ان پر سے وہ بوجھ اور گلے کے پھندے جو ان پر تھے اتارے گا تو وہ جو اس پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اسے مدد دیں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اترا۔''

سنت نبویہ بھی حجت ہے۔امام شافعی نے فرمایا: سنت کی تین اقسام ہیں:

1: قرآن میں ایک حکم ہے۔سنت نے بھی اس کو بیان کر دیا۔

2: قرآن میں حکم، مجمل، عام، مطلق ہے مگر سنت نبویہ نے اس کے اجمال کو دور کر دیا، اسے مخصوص یا مقید کر دیا۔

3: سنت ایسا حکم بیان کرتی ہے جو زائد ہے اور قرآن نے اسے بیان نہیں کیا۔

اسی قسم سے ہے وحشی گدھا کا حرام ہونا، نکاح متعہ کا حرام ہونا، مفتر کا حرام ہونا، بہت کی بیوع کا حرام ہونا، ذی ناب درندے اور ذی مخلب پرندے کا حرام ہونا، عورت اور اس کی پھوپھی، عورت اور اس کی خالہ کو ایک وقت میں نکاح میں جمع کرنا حرام ہونا وغیرہ جیسا کہ مچھلی، مکڑی، تلی، جگہ، غیر محرم کا شکار محرم کے لئے جو اس نے اپنے لئے شکار کیا تھا، سمندر کا مردار اور کئی بیوع کی آپ ﷺ نے اجازت دی، نوافل عبادات کی تعلیم دی خواہ وہ نماز ہو یا روزہ، دیگر اخلاق، معاملات اور قومی و بین الاقوامی معاملات پر آپ ﷺ نے ہدایات دیں، ادیان سابقہ کے

احکام میں جو سختیاں تھیں سنت کے ذریعے ان میں تخفیف کر دی، مثلاً: کپڑے یا بدن کو نجاست لگ جانے کے بعد دھونا حالانکہ مثلاً یہود میں اس کا کاٹنا ضروری تھا۔

سنت نبوی، قرآن کے مجمل احکام کو بیان کر دیتی ہے۔ مثلاً: قرآن نے ''اقیموا الصلاۃ'' کہا تو سنت نے اس کی کیفیت، فرائض، واجبات، اوقات اور رکعتیں بتائیں۔ قرآن نے زکوۃ کے بارے میں فرمایا: ''واتوا الزکوۃ'' تو سنت نے اس کی تفصیلات سے آگاہ کیا۔ اس طرح بقیہ عبادات کا معاملہ ہے۔

اس طرح قرآن نے قطع ید کا حکم دیا:

((والسارق والسارقة فاقطعوا ايديهما جزاء بما كسبا))

(المائدہ:38)

''اور جو مرد یا عورت چور ہو تو اس کا ہاتھ کاٹو یہ ان کے کیے کا بدلہ ہے۔''

تو سنت نے واضح کیا کہ کہاں سے ہاتھ کاٹا جائے اور کتنی چوری میں کاٹا جائے۔ اس طرح زنا کی سزا قرآن نے بیان کی:

((الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة))

(النور:2)

''جو عورت بدکار ہو اور جو مرد تو ان میں ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ۔''

تو سنت نے واضح کیا کہ یہ سزا اس زانی کی ہے جو غیر شادی شدہ ہو لیکن اگر شادی شدہ ہو تو اسے رجم کیا جائے گا۔

تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اپنا شارح بنایا اور اپنی رہنمائی میں دین کا شارع بھی اور آپ ﷺ خواہش نفس سے نہیں بولتے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اطاعت لازم فرما دی، جو آپ ﷺ کی اطاعت نہیں کرتا وہ ان قرآنی مجمل احکام پر کس طرح عمل کرے گا؟ وہ نماز کیسے ادا کرے گا، کیسے روزہ رکھے گا، کیسے زکوۃ دے گا، حج کا کیا طریقہ اپنائے گا، اپنے اور دیگر لوگوں کے ساتھ معاملات کیسے کرے گا؟ بیان کرنا اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی ذمہ داری ہے، ہمارا کام اسے تسلیم کرنا، اطاعت کرنا اور حکم کو بجالاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آیت اعراف میں تین الفاظ ذکر کیے ''یحل (حلال کرتے ہیں)، یحرم (حرام کرتے ہیں)، یضع (دور کر دیتے ہیں)'' یہ تینوں شارع حقیقی کے خصائص ہیں، لیکن رسول اللہ ﷺ اپنی طرف سے نہیں کرتے جیسا کہ ہم نے بیان کر دیا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کی طرف وحی فرماتا ہے۔ مثلاً: بنی اسرائیل پر گوشت حرام تھا، الا ما حرم اسرائیل علی نفسہ، لیکن حضور ﷺ نے اسے مباح قرار دیا حالانکہ قرآن مجید میں اس بارے میں کچھ نہیں ملتا سوائے ان کلمات کے ''ویحل لھم الطیبات''، مثلاً: توبہ ہے۔ بنی اسرائیل کے ہاں قتل کے بعد مقبول ہوتی جبکہ ہمارے دین میں استغفار اور ندامت توبہ ہے۔ اس طرح ان کے ہاں نجاست والی جگہ کو کاٹنا پڑتا مگر ہمیں دھو لینے کی اجازت ہے۔ یہ تمام اللہ تعالیٰ کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے جو اس نے اپنے نبی ﷺ پر وحی فرمائی اور

آپ ﷺ نے انہیں جاری فرمایا، ہم پر سمع واطاعت اور فرمانبرداری لازم ہے۔

صحابہ کرام اور محبت واطاعت رسول

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آپ ﷺ سے محبت، توقیر، احترام، اطاعت، حکم کی بجا آوری، خیر خواہی، دوستوں سے محبت، دشمنوں سے نفرت، اگر چہ وہ لوگوں میں کتنا محبوب معزز کیوں نہ ہوتا، آپ ﷺ کی سنت کی تعظیم، اس کا دفاع، آپ ﷺ کے اخلاق اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات پر عمل ان کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ اس میں ان کا کوئی ثانی نہیں۔

یہاں تمام کے احوال کے ذکر کی گنجائش تو نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ کی توقیر، احترام اور قربانی میں ان میں سے بعض مظاہر کا تذکرہ کر رہے ہیں۔

حضرت عروۃ بن زبیر، حضرت مسور بن مخرمۃ اور حضرت مروان رضی اللہ عنھم سے بیان کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ حدیبیہ کیلئے نکلے (اس میں ہے) عروہ بن مسعود نے کہا:

”اے محمد! میں دیکھ رہا ہوں لوگ آپ کو چھوڑ جائیں گے اور بھاگ جائیں گے۔“

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

((امصص بظر اللات انحن نفر عنه و ندعه؟))

”جا کر اپنے بت لات کی شرمگاہ چوم، کیا ہم آپ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگنے والے ہیں؟“

کہنے لگا: یہ کون ہے؟ بتایا گیا: ابو بکر ہیں۔ کہنے لگا: قسم خدا کی! اگر اُس احسان کا بدلہ میں نے چکا دیا ہوتا جو تیرا مجھ پر ہے تو میں ضرور تجھے جواب دیتا۔

پھر اس نے آپ ﷺ سے گفتگو شروع کی، دوران گفتگو وہ آپ ﷺ کی مبارک داڑھی پر ہاتھ رکھتا، حضرت مغیرہ بن شعبہ آپ ﷺ کے پاس تلوار لئے کھڑے تھے اور انہوں نے خود پہنا ہوا تھا، جب عروۃ نے آپ ﷺ کی داڑھی مبارک کی طرف ہاتھ بڑھایا تو انہوں نے اس کے ہاتھ پر تلوار کا دستہ مارا اور کہا:

((اخر يدك عن لحية رسول الله))

”آپ ﷺ کی داڑھی مبارک سے ہاتھ کو پیچھے رکھ۔“

عروہ نے پوچھا: یہ کون ہے؟ کہنے لگے: میں مغیرہ بن شعبہ ہوں۔ عروہ نے کہا: اے دھوکہ باز! میں تیرے بارے میں بات نہیں کر رہا۔

پھر عروہ نے اپنی آنکھوں سے صحابہ کے معاملات کو دیکھا اور کہا:

((فو الله ما تنخم رسول الله نخامة الا وقعت في كف رجل منهم فدلك بها وجهه و جلده))

”خدا کی قسم! آپ ناک چھنکتے تو ان کے ہاتھوں پر ہوتا، ہر کوئی لے کر اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتا۔“

((واذا امرھم ابتدروا امرہ))

''جب کوئی حکم دیتے تو بجالانے میں بہت جلدی کرتے۔''

((واناتوضا کادوا یقتتلون علی وضوله))

''جب وضوفرماتے تو آپ ﷺ کے بچے ہوئے پانی کو حاصل کرنے میں قریب تھا لڑ پڑتے۔''

((واذا تکلموا خفضوا اصواتھم عندہ))

''گفتگو کے وقت آپ ﷺ کے پاس آواز کو پست رکھتے۔''

عروۃ نے واپس جا کر قوم سے کہا: میں بڑے بڑے بادشاہوں مثلاً قیصر، کسریٰ اور نجاشی کے درباروں میں گیا ہوں۔

((واللہ ان رایت ملیکا قط یعظمه اصحابه ما یعظم اصحاب محمد محمدا))(بخاری، کتاب الشروط)

''اللہ کی قسم! میں نے کسی بادشاہ کی ایسی تعظیم نہیں دیکھی جو محمد کے غلام محمد کی کرتے ہیں۔''

اس واقعہ میں تعظیم صحابہ کے کئی مظاہر ہیں، عروہ کے دعویٰ (صحابہ بھاگ جائیں گے) کا رد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کس انداز سے کیا اور واضح کیا کہ اسلام کی قربت، رشتہ داری سے کہیں توی ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ نے عروہ کے ہاتھ سے ضرب لگائی حالانکہ وہ ان کا سگا چچا تھا اور پھر گفتگو کے دوران داڑھی کی طرف ہاتھ بڑھانا عربوں کا معمول بھی تھا لیکن حضرت مغیرہ کو گوارا نہ ہوا۔

پھر عروہ نے صحابہ کی تعظیم کے جو مظاہر دیکھے ان کا تبرک لینا اور آپ ﷺ کی توقیر اور احترام کرنا یہ سب کا سب ایسی محبت و تعظیم ہے جس کی مثال پیش ہی نہیں کی جاسکتی۔ مثلاً: ناک مبارک سے تبرک لینا، وضو کے پانی کے لئے قتال، خدمت اقدس میں آواز کا پست رکھنا اور تعظیم کی خاطر چہرہ اقدس کی طرف نظر بھر کر نہ دیکھنا وغیرہ۔

حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول ﷺ کو سرخ رنگ کے خیمہ میں دیکھا:

((رایت بلالا اخذ وضو رسول اللہ ورایت الناس یبتدون ذاك الوضوء فمن اصاب منه شیا تمسح به ومن لم یصب منه شیاء اخذ من بلل ید صاحبه))(بخاری، کتاب الصلاۃ).

''میں نے بلال کو آپ ﷺ کے وضو سے بچا ہوا پانی پکڑے دیکھا، لوگ اس سے پانی حاصل کر رہے تھے، جسے کچھ ملتا وہ اسے جسم پر مل لیتا اور جسے نہ ملتا وہ دوسرے کے ہاتھ سے اس کی تری حاصل کر رہا تھا۔''

اس کی متعدد سندیں اور متعدد روایات ہیں۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی محبوب نہ تھا،

میرے نزدیک آپ ﷺ سے بڑھ کر کوئی بڑا نہ تھا:

((ما كنت اطيق ان املا عيني منه اجلالا له وسئلت ان اصفه ما اطقت لا نی لم اكن املا عيني منه))(مسلم ، كتاب الايمان)

''میں آپ ﷺ کے اجلال واکرام کی وجہ سے آپ ﷺ کو نظر بھر کر نہیں دیکھ سکا۔ اگر کوئی مجھ سے آپ ﷺ کے سراپا کے بارے میں پوچھے تو میں نہیں بتا سکوں گا کیونکہ میں آپ ﷺ کو نظر بھر کر دیکھ ہی نہیں سکا۔''

یہ حال صرف حضرت عمرو العاص کا نہیں بلکہ تمام صحابہ کا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((لم يكن شخص احب اليهم من رسول الله ﷺ))(ترمذی ، كتاب الادب)

''صحابہ کو آپ ﷺ سے بڑھ کر کوئی محبوب نہ تھا۔''

ترمذی نے روایت کر کے اسے صحیح کہا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ اپنے قرض کی ادائیگی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

((والله ان مجلس بني سلمة لينظرون اليه هو احب اليهم من عيونهم ما يقربونه مخافة ان يوذوه))(دارمی: 1-28)

''اللہ کی قسم بنوسلمہ کے لوگ آپ ﷺ کو تک رہے تھے، آپ ﷺ کی ذات انہیں ان کی آنکھوں سے بھی محبوب تھی لیکن وہ اس خوف کی وجہ سے قریب نہ آئے کہیں تکلیف نہ ہو۔''

دارمی اور احمد نے اسے رجال صحیح سے روایت کیا، حافظ ابن حجر نے اسے حسن کہا۔ (فتح الباری 7-398)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((لقد رايت رسول الله والحلاق يحلقه و اطاف به اصحابه فما يريدون ان تقع شعرة الا في يدرجل))(مسلم، كتاب الفضائل)

''میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہیں۔ حجام آپ ﷺ کی حجامت کر رہا ہے۔ صحابہ حلقہ بنا کر ارد گرد بیٹھے ہیں، کوئی بال زمین پر نہ گرنے دے رہے تھے بلکہ اپنے ہاتھوں پر لے لیتے۔''

ان کے مظاہر محبت میں سے، آپ ﷺ پر فدا ہونا، آپ ﷺ کا دفاع کرنا، آپ ﷺ کی ہر تکلیف کو اپنے اوپر لینا، آپ ﷺ کی خدمت کی سعادت حاصل کرنے کیلئے ہر بڑی قربانی دینا ان کیلئے نہایت آسان تھا۔ یہ موضوع بڑا وسیع ہے۔

انہی مظاہر میں سے احد کے دن حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے:

((يا نبي الله بابي انت وامي لا تشرف لا يصبك سهم من سهام

القوم نحری دون نحرك))(بخاری ، كتاب المغازی)

''اے نبی اللہ! میرے والدین آپ ﷺ پر فدا ہوں۔ آپ ﷺ نہ جھانکیں کہیں دشمن کا تیر نہ لگ جائے، میرا سینہ آپ ﷺ کے سینہ کے سامنے حاضر ہے۔''

حضرت ابودجانہ نے بھی احد کے دن آپ ﷺ کا اس قدر دفاع کیا۔

((حتی صار ظهره كالقنفذمن السهام))

''حتیٰ کہ ان کی پشت تیر لگنے کی وجہ سے چھلنی ہوگئی۔''

اور بہت سے انصاری صحابہ نے دفاع کرتے ہوئے جان دے دی۔

محبت وتعظیم صحابہ کا ایک مظاہرہ یہ بھی تھا، حضرت جابر سے مروی ہے:

((عدم ابتداء بالا كل قبله ﷺ))(مسند احمد 3-351)

''صحابہ آپ ﷺ سے پہلے کھانا شروع نہیں کرتے تھے۔''

اس روایت کو حاکم نے صحیح کہا اور ذہبی نے اس حکم کو ثابت رکھا ہے۔

محبت وتعظیم کا یہ عالم تھا کہ جس جگہ رسول اللہ ﷺ کا دست مبارک لگ جاتا اس کا بھی احترام کرتے۔

حضرت عثمان بن عفان کا بیان ہے:

((ما تغنيت ولا تمنيت ولامست ذكرى بيميني منذ بايعت بها رسول الله ﷺ))(ابن ماجه، كتاب الطهارت)

''نہ میں نے گانا گایا اور نہ میں نے زنا کیا، نہ میں نے اس دائیں ہاتھ سے ذکر کو مس کیا۔ جب سے میں نے اس ہاتھ سے رسول ﷺ کی بیعت کی ہے۔''

حضرت عمران بن حصین سے بھی اس طرح منقول ہے، حاکم نے اسے صحیح کہا اور ذہبی نے اس حکم کو ثابت رکھا۔(المستدرک 4-109)

ان کی محبت وتعظیم کا ایک مظاہرہ یہ بھی تھا کہ اپنے والدین اور اپنی جان کو حضور ﷺ پر فدا کرتے، مثلاً: کہتے:

((جعلنی الله فداك او فداك ابى وامى و بابى انت وامى))

''مجھے اللہ آپ ﷺ پر فدا فرمائے۔ ہمارے والدین آپ ﷺ پر فدا ہوں۔''

حضور ﷺ سے ان کی محبت وتعظیم کا ایک مظاہرہ یہ بھی تھا:

((انا قدموا من سفر بدووا به فنظروا اليه وسلموا عليه قبل ان يذهبوا الى بيوتهم))

''جب کسی سفر سے واپس ہوتے تو اپنے گھر جانے سے پہلے آپ ﷺ کی زیارت کرتے، سلام عرض کرتے، پھر گھر جاتے۔''

جیسا کہ حضرت عمران بن حصین سے ترمذی اور حاکم نے نقل کیا ہے۔
ترمذی نے اسے حسن اور حاکم نے صحیح کہا۔ (مستدرک 3-111)
آپ ﷺ سے محبت و احترام کا یہ تعلق تھا کہ آپ ﷺ کے چہرہ اقدس کی تکریم کرتے مثلاً: حضرت سلمہ کا قول ہے:

((و الذی کرم وجه محمد ﷺ)) (المسلم کتاب الجهاد)

''قسم اس ذات اقدس کی جس نے آپ ﷺ کے چہرہ انور کو یہ بزرگی بخشی۔''

ان کے مظاہر محبت میں سے ایک یہ بھی ہے۔ ہجرت کے موقع پر جب آپ ﷺ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے مہمان بنے تو وہ آپ ﷺ کے نچلی منزل پر ٹھہرنے سے پریشان ہوئے اور ساری رات بیوی کے ساتھ اوپر والی منزل میں ایک کونے میں بسر کی اس خوف سے کہ کہیں ہماری حرکت سے رسول اللہ ﷺ کو اذیت نہ ہو حتیٰ کہ عرض کیا:

((لا اعلو سبقیفة انت تحتها حتی تحول))(مسلم، کتاب الاشربه)

''جس چھت کے نیچے آپ ﷺ ہوں میں وہاں اوپر نہیں رہ سکتا تو رسول اللہ ﷺ پھر اوپر تشریف فرما ہو گئے۔''

صحابہ کی محبت یہ بھی تھی اگر بچے زیارت رسول اللہ ﷺ کیلئے چند دن نہ جاتے تو ان کی مائیں ان سے ناراض ہوتیں اور انہیں ڈانٹتیں جیسا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی والدہ نے انہیں ڈانٹا:

((لا نهِ لم یر رسول ﷺ عدة ایام))(مسلم ، کتاب الجهاد)

''کیونکہ انہوں نے چند دنوں سے آپ ﷺ کی زیارت کا شرف نہیں پایا تھا۔''

ترمذی نے اسے روایت کیا اور حسن کہا، اسے امام احمد اور امام نسائی نے السنن الکبری میں ذکر کیا۔
یہ بھی محبت کا ہی مظہر ہے کہ جب ازواج مطہرات کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور آخرت کو ہی پسند کیا۔

حضرت ابوبکر صدیق نے جیش اسامہ کو روانہ کیا اور اس جھنڈے کو نہ کھولا جسے خود رسول اللہ ﷺ نے باندھا تھا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کی اشیاء کی تعظیم کرتے حتیٰ کہ کسی مشرک کو چھونے نہ دیتے جیسا کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد ابوسفیان سے کیا، جب فتح مکہ سے پہلے ان کے ہاں آیا تو آپ ﷺ کی بچھی ہوئی چادر لپیٹ لی تا کہ وہ اس پر نہ بیٹھ جائے۔

حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کا یہ احترام کیا کہ ابوسفیان کی بیوی ہندہ کو اس سے قتل نہ کیا کہ یہ عورت ہے اور رسول اللہ ﷺ کی تلوار سے قتل کرنا مناسب نہیں۔
یہ بھی تعظیم ہی کا مظاہرہ تھا کہ بعض صحابہ کرام نے بال نہ مونڈوائے کیونکہ انہیں رسول ﷺ نے مس فرمایا تھا۔

صحابہ کی محبت کی ایک صورت یہ بھی تھی جب آپ ﷺ ان کے درمیان تشریف فرما ہوتے:

((لم یرفعوا الیه رؤسهم اعظاما له))

''تو آپ ﷺ کی تعظیم کی وجہ سے آپ ﷺ کی طرف سر نہ اٹھاتے۔''

جیسا کہ حدیث بریدہ رضی اللہ عنہ میں ہے۔(مستدرک:1-120)

جب آپ ﷺ کی مجلس میں بیٹھتے تو یوں محسوس ہوتا جیسے ان کے سروں پر پرندے ہیں جیسا کہ بخاری میں حضرت ابوسعید خدری سے، امام احمد، نسائی، ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت براء اور امام احمد، ابوداؤد طیالسی اور حاکم نے حضرت اسامہ بن شریک سے روایت کیا ہے۔(البخاری، کتاب الجہاد)(المستدرک 1-120)

صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آواز بلند نہ کرتے اور اگر کوئی اور ایسا کرتا تو سختی سے منع کرتے۔ جیسا کہ امام احمد، ترمذی اور ابن حبان نے حضرت صفوان بن عسال سے نقل کیا ہے۔

(مسند احمد 14-240)

صحابہ کی محبت کا ثبوت ایک یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے چچا کے اسلام پر ان کو جتنی خوشی ہوئی اتنی خوشی انہیں اپنے آباء کے ایمان لانے پر نہ ہوئی جیسا کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔

موت کے وقت صحابہ کے یہ الفاظ بھی سامنے رہنے چاہئیں:

((غدا القی الاحبة محمدا ﷺ و حزبه))(الشفاء 2-568)

''کل ہم اپنے محبوب محمد ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں سے ملنے والے ہیں۔''

صحابہ کی محبت اس قدر انتہائی درجہ پر تھی کہ وہ یہ چاہتے تھے کہ ہم دشمن کے ہاتھوں ریزہ ریزہ ہو جائیں مگر ایسا وقت نہ دیکھنا پڑے کہ ہم آرام سے بیوی بچوں میں ہوں اور ہمارے آقا ﷺ کے مبارک پاؤں میں کانٹا چبھ جائے، ابوسفیان نے حضرت زید بن دثنہ کی اسی تمنا کو سن کر کہا تھا:

((واللہ ما رایت من الناس احدا یحب احدا کحب اصحاب محمد محمدا ﷺ))(الشفاء 2-570)

''اللہ کی قسم! میں نے کسی کو کسی سے اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جو محمد ﷺ کے ساتھی محمد ﷺ سے کرتے ہیں۔''

بلکہ ان کی محبت تو ہر تصور سے بالاتر تھی، اگر ان کا کوئی عزیز رشتہ دار مثلاً: والد، بھائی یا خاوند و بیوی اللہ و رسول ﷺ کے دشمن تھے تو انہیں بھی قتل کرنے سے دریغ نہ کیا جیسا کہ حضرت ابوعبیدہ نے کیا، حضرت ابوبکر کی بیٹے سے جو گفتگو ہوئی تھی، حضرت عبداللہ نے خواہش کی مجھے اجازت دی جائے میں اپنے باپ عبداللہ بن ابی بن سلول کو قتل کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت ابوبکر صدیق کے بیٹے نے اسلام قبول کرنے کے بعد ایک مرتبہ حضرت ابوبکر سے کہا:

''ابا جان! غزوہ بدر میں آپ میری تلوار کی زد میں کئی مرتبہ آئے لیکن میں نے آپ کو چھوڑ دیا۔''

حضرت ابو بکر صدیق نے فرمایا:
''اگر تم میری تلوار کی زد میں آتے تو میں تمہارے انکار اسلام کی وجہ سے تمہیں ہرگز نہ چھوڑتا۔''
صحابہ کی محبت کا ایک منظر یہ بھی تھا کہ حضرت عثمان کو کفار نے طواف کی اجازت دی مگر انہوں نے یہ کہہ کر طواف کعبہ سے انکار کر دیا:
((ما کنت لا فعل حتی یطوف بہ رسول اللہ ﷺ))(مسند احمد 4-324)
''جب تک اس کا طواف رسول ﷺ نہیں فرمائیں گے میں نہیں کر سکتا۔''
محبت وتوقیر نبی ﷺ یہ بھی تھی جب ان میں بڑے مثلاً: حضرت ابو بکر اور حضرت عمر آپ ﷺ سے گفتگو کرتے تو اتنی آہستہ کرتے کہ دوبارہ پوچھنا پڑتا کیا کہہ رہے ہو؟ (البخاری، کتاب التفسیر)
جب آپ ﷺ کا وصال ہوا تو محبت والوں کا حال یہ تھا کوئی تو بے ہوش ہو گیا، کوئی بیٹھا ہی رہ گیا، کسی کا دماغ چل بسا بلکہ کوئی فوت ہو گیا حتیٰ کہ حضرت ابو بکر کو خطبہ دینا پڑا۔
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت ایمان کی اصل بلکہ عین ایمان ہے۔ اس وقت تک کوئی شخص ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک والدین، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زیادہ محبت نہ ہو۔
یہ ہیں ابو بکر صدیق دو میں سے دوسرے، مکہ میں آپ لوگوں کا خطاب کرنے کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔ آپ انہیں سلام کی دعوت دے رہے تھے۔ کفار نے ان کی چادر سے پکڑ کر انہیں گھسیٹا اور اسقدر مارا پیٹا کہ وہ بے ہوش ہو گئے۔ جب قدرے افاقہ ہوا تو فرمایا: مجھے حضرت محمد دکھا دیجئے جب ان کی والدہ انہیں دار ارقم میں لے آئیں تو بولے:
((زال عنی کل ماا جدبرویتك یا رسول اللہ))
''اے اللہ کے رسول! آپ کا دیدار کر لینے کے بعد ہر تکلیف جو میں محسوس کر رہا تھا مجھ سے دور ہو گئی۔''
اے رسول اللہ کے خلیفہ! اللہ آپ سے راضی ہو! آپ پر سب تکلیفیں برداشت کرتے ہیں اور طرح طرح کی مشقتیں جھیلتے ہیں مگر آپ کو کچھ فکر لاحق نہیں ہوتی اور یہ مشقتیں آپ کو مضطرب نہیں کرتیں۔ اگر آپ کو فکر ہے تو محض سلامتی رسول کا فکر ہے اور آپ پریشان ہیں تو صرف اسی کے لیے اور جب آپ کا دل سلامتی رسول سے مطمئن ہو جاتا ہے تو بس صرف اسی وقت اور اسی کے واسطے سکون آپ کے جسم میں سرویت کر جاتا ہے۔
آپ خوشی سے جھوم وٹھتے ہیں اور آپ کے سارے دکھڑے اور مشقتیں دور ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لیے جب صادق کے مفہوم کی کتنی ہی پیاری اور دلکش تصویر ہے یہ وہ حب جس نے جناب رسول اللہ کی سلامتی اور آپ کی عافیت کو اپنی سلامتی وعافیت سے بھی زیادہ محبوب بنا دیا۔ بے شک آپ اے ابو بکر! تیرے اس نفس اور تیری اس روح سے جو تیری دو پسلیوں کے درمیان ہے تجھ زیادہ پیارے ہیں۔ اے میرے سردار! تجھے مبارک ہو یہ ذاتی وشخصی رفعتیں تیرے لیے باعث صد مسرت ہوں، اور مبارک ہو آپ کے لیے یہ کارنامہ جسے پیش کر کے آپ ہمیں

یہ سکھا رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی محبت کے لیے یہ کارنامہ جسے پیش کر کے آپ ہمیں سکھا رہے ہیں کہ رسول اللہ کی محبت کیسی ہونی چاہیے۔ اس میں کچھ اچھلے پن کی بات نہیں۔ آپ ہی تو وہ پہلی شخصیت ہیں جس نے سب سے پہلے آپ ﷺ کی تصدیق کی اور وہ بہتر ہستی ہیں جس نے آپ ﷺ کی پشت پناہی کی اور ان سب سے سچے ہیں جنہوں نے آپ ست دوستی کا دم بھرا اور آپ کی امت میں سے جو آپ کے جانشین بنے اور آپ کی سنت کی مظبوطی سے تھا، آپ ان سب سے زیادہ بہادر ہیں اور بے شک آپ کی خواہشات اور آپ کے سارے اعمال اس کے تابع تھے جو آپ لے کر آئے اور پھر اس میں کچھ انوکھا پن نہیں کہ لوگ اسی راستہ پر چلیں جس پر آپ چلے اور بعینہٖ اس طریقہ کار کو آپ کی محبت کے سلسلہ میں اپنائیں جو آپ نے اپنایا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حرم کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے، عقبہ بن ابی معیط آیا، اس نے آپ ﷺ کی گردن مبارک میں کپڑا ڈالا اور سخت کھینچا، حضرت ابو بکر نے اسے کاندھوں سے پکڑ کر دور کرتے ہوئے کہا:

((اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ))(غافر: 28)

”کیا تم اس وجہ سے ان کی جان کے دشمن ہو کہ یہ کہتے ہیں کہ میرا رب اللہ ہے۔؟“

حضرت اسماء اور حضرت انس رضی سے مروی روایت میں ہے کہ عقبہ نے رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر حضرت ابو بکر کو پکڑ لیا۔ حضرت اسماء کا بیان ہے:

((فرجع الینا ابو بکر فجعل لا یمس شیئا من غدائرہ الا رجع معہ))(مجمع الزوائد: 6-15)

”جب حضرت ابو بکر لوٹے تو ان کے سر اقدس کو ہاتھ لگانے سے بال جھڑ جاتے تھے۔“

ہجرت کے موقع پر رسول اللہ ﷺ سے محبت اور آپ کی قربانی بھی مثال ہے۔ اپنے آپ کو ہجرت سے روکے رکھا، جب رسولا للہ ﷺ نے ہجرت کی اطلاع دی تو اس پر خوشی میں رو دیئے، پھر ہجرت میں آپ ﷺ کا ساتھ دیا، اول سے آخر تک، جبل ثور کی غار میں بھی، حضرت عبداللہ بن ابی بکر اور حضرت اسماء بنت ابی بکر اور خادم ابو بکر عامر بن فہیرہ کی خدمات قابل توجہ ہیں۔ غار کے دھانے پر مشرکین کو دیکھ کر آپ ﷺ کے بارے میں حضرت ابو بکر پریشان ہو گئے تو آپ ﷺ نے حوصلہ دیا اور فرمایا:

((ما ظنك یا ابا بکر باثنین اللہ ثالثھما؟))

”اے ابو بکر! تمہاری کیا رائے ہے؟ ان دو کے بارے میں جن کے ساتھ تیسرا اللہ تعالیٰ ہو۔؟“

تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات مبارکہ نازل فرمائیں:

((الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین اذھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا فانزل اللہ سکینتہ علیہ وایدہ بجنود لم تروھا وجعل کلمۃ الذین

کفروا السفلی و کلمة الله هی العلیا، والله عزیز حکیم))
(التوبہ:40)

"اگر تم محبوب کی مدد نہ کرو تو بے شک اللہ نے ان کی مدد فرمائی، جب کافروں کی شرارت سے انہیں باہر تشریف لے جانا ہوا، جب دو میں سے دوسرا جب کہ وہ غار میں تھے اپنے دوست سے فرماتے تھے: غم نہ کھا بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ تو اللہ نے اس پر اپنا سکینہ اتارا اور ان فوجوں سے اس کی مدد کی جو تم نے نہ دیکھیں اور کافروں کی بات نیچے ڈالی اللہ ہی کی بات اونچی ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔"

راستہ میں کس طرح چلے، کبھی آپ ﷺ کے دائیں، کبھی بائیں، کبھی آگے اور کبھی پیچھے حتیٰ کہ سراقہ بن مالک آ کر ملا، بدر کے دن آپ ﷺ کے ساتھ خیمہ میں ان کے سوا کوئی نہ تھا، جب کوئی کافر آپ ﷺ کے قریب آنے کی کوشش کرتا تو تلوار سے اس پر حملہ آور ہوتے وہاں بہت سے واقعات رو پذیر ہوئے جو آپ کی سچی محبت پہ دلالت کرتے ہیں۔ پیچھے بھی ایسی روایات آئی ہیں جب ان کے سامنے آپ ﷺ کا ذکر ہوتا تو رو پڑتے۔ حتیٰ کہ منقول ہے:

((انه مات بالسل))

"ابوبکر کا وصال ہجر میں لاغری کی وجہ سے ہوا۔"

یہ بھی منقول ہے:

((انه مات کمدا او حزنا))

"ابوبکر حضور ﷺ کے وصال کے غم میں فوت ہوئے۔"

رسالت مآب ﷺ نے حضرت ابوبکر کا مقام بیان فرمایا۔ حضور ﷺ کے بارے میں جو کچھ ان کے دل میں تھا انہوں نے وہ بیان کر دیا، حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور فرمایا:

"ایک بندہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے وہ چاہے تو دنیا کو پسند کر لے چاہے تو بارگاہ خداوندی کو قبول کرے۔"

اس پر حضرت ابوبکر رو پڑے اور کہنے لگے:

((فدیناك بآبائنا و امهاتنا))

"ہمارے آباء و مائیں آپ ﷺ کی ذات پر قربان۔"

ہمیں تعجب ہوا لوگوں نے کہا: آپ ﷺ نے کسی بندے کا تذکرہ فرمایا ہے اور انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا: ہمارے آباء اور مائیں آپ ﷺ پر قربان، حالانکہ جس ہستی کو اختیار دیا گیا تھا وہ خود رسول اللہ ﷺ ہی تھے اور حضرت ابوبکر ہم سے زیادہ علم و معرفت رکھنے والے تھے۔

سب سے عزیز چیز انسان کے ہاں اس کی جان، اولاد اور مال ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر

تذکرہ جہاد میں نفس کو مال سے پہلے ذکر فرمایا ہے جیسا کہ دیگر مقامات پر جہاد بالمال کا ذکر جہاد بالنفس پر مقدم رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ))

(التوبہ:111)

''بے شک اللہ نے مسلمانوں سے ان کے اہل اور جان خرید لئے ہیں اس بدلے پر کہ ان کیلئے جنت ہے۔''

ایک مقام پر فرمایا:

((لکن الرسول والذین امنوا معہ جھدوا باموالھم وانفسھم))

(التوبہ:88)

''لیکن رسول اور جوان کے ساتھ ایمان لائے انہوں نے اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا۔''

سیدنا ابوبکر نے اپنی بیٹی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے کروادیا تو وہ تمام اہل ایمان کی والدہ قرار پائیں۔

رہا مال کا معاملہ تو حضرت ابوبکر نے کئی دفعہ سارا مال خرچ کر دیا خواہ وہ مدینہ کی طرف ہجرت ہو یا مدینہ منورہ میں کوئی ضرورت پیش آئی ہو۔

اس سلسلہ میں حضرت عمر سے مروی ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے مال صدقہ کرنے کا حکم دیا ان دنوں میرے پاس مال کی فراوانی تھی میں نے سوچا اس موقع پر میں ابوبکر سے بازی لے جاؤں گا۔ میں نے آدھا مال حاضر کر دیا، آپ ﷺ نے پوچھا: اہل کیلئے کیا چھوڑ آئے ہو؟ عرض کیا: اس کے برابر چھوڑ آیا ہوں۔ حضرت ابوبکر سارا مال لے آئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: گھر والوں کیلئے چھوڑا؟ عرض کیا:

((ابیت لھم اللہ ورسولہ))

''میں ان کیلئے اللہ اور اس کا رسول ﷺ چھوڑ آیا ہوں۔''

تو میں (حضرت عمر فاروق) نے کہا:

''میں کبھی بھی ابوبکر سے بازی نہیں لے جا سکتا۔''

اسے ابوداود، ترمذی، حاکم، دارمی اور بزار نے نقل کیا۔

ابن حبان نے صحیح میں سند صحیح کے ساتھ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا:

((انفق ابو بکر علی رسول اللہ ﷺ اربعین الفا))

(ابن حبان:15-274)

''حضرت ابوبکر سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں چالیس ہزار درہم خرچ کیے۔''

اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا: جتنا فائدہ مجھے ابو بکر کے مال نے دیا اس قدر کسی کے مال نے نہیں دیا۔

((بکی ابو بکر وقال ما انا و ما لی الا لك))

''حضرت ابو بکر رو پڑے اور عرض کرنے لگے: میں اور میرا مال آپ ﷺ ہی کا تو ہے۔''

اسے امام احمد، ترمذی، نسائی، ابن ابی شیبہ، ابن حبان نے اسانید صحیح کے ساتھ روایت کیا۔ ترمذی نے اسے حسن کہا۔

حضرت ابو دردا سے منقول واقعہ کا آخری حصہ ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر سے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف مبعوث فرمایا تو تم نے میری تکذیب کی اور ابو بکر نے میری تصدیق کی:

((و واسانی بنفسه و ماله))(بخاری ، فضائل الصحابه)

''اور اپنی جان و مال سے میرے ساتھ تعاون کیا۔''

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے مرض وصال کے خطبہ میں ارشاد فرمایا:

((انه لیس من الناس احد امن علی فی نفسه و ماله من ابیی بکر بن ابی قحافة))(بخاری، کتاب الصلاة)

''لوگوں میں سب سے زیادہ مجھ پر جان و مال میں احسان کرنے والے ابو بکر ابن ابی قحافہ ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ پر آپ کا مال و جان فدا کرنا اور ہر جگہ آپ ﷺ کو ہر شے سے مقدر رکھنا کئی مقامات اور جگہوں میں ثابت ہے۔ جب کفار قریش نے آپ ﷺ کو پریشان کیا تو ابو بکر صدیق نے ہی آپ ﷺ کا دفاع کیا، بہت سے صحابہ سے آپ ﷺ کی یہ قربانیاں منقول ہیں۔ بعض میں اس کی تفصیل ہے کہ ان کو بالوں سے کس طرح کھینچا گیا اور ان کو اتنا پیٹا گیا کہ چہرہ مسخ ہو گیا، بے ہوشی طاری ہوئی حتیٰ کہ قوم نے محسوس کیا کہ وصال ہو گیا ہے ہم یہاں ایک روایت پر اکتفا کر رہے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر کے بارے میں فرمایا:

((ان امن الناس علی فی صحبته و ماله ابا بکر و لو کنت متخذا خلیلا من امتی لا تخذت ابا بکر الا خلة الاسلام، لا یبقین فی المسجد خوتة الا خوتة ابی بکر))(بخاری، مناقب الانصار)

''وقت اور مال کے لحاظ سے جس نے سب سے زیادہ خدمت کی ہے وہ ابو بکر ہے، اگر میں امت میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابو بکر کو بناتا مگر خلت اسلام ہے۔ مسجد میں ابو بکر کے دروازے کے علاوہ کسی کا دروازہ باقی نہ رہے۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی الفاظ یہ ہیں:

((ولکنه اخی و صاحبی وقد اتخذ الله عزوجل صاحبکم

خلیلا))(مسلم، فضائل الصحابه)

''لیکن وہ میرے بھائی اور ساتھی ہیں، تمہارے صاحب کو اللہ عزوجل نے اپنا خلیل بنا رکھا ہے۔''

اسی بنا پر صدیق اکبر کا لقب پایا، صاحب ٹھہرے اور حضور نے کئی مقامات اور مجالس میں ان کے درجات کا تذکرہ فرمایا۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے آپ خلیفہ بنے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اور دیگر صحابہ کے درجات مزید بلند فرمائے ہمیں ان سے محبت عطا فرمائے اور ان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے جھنڈے کے نیچے جگہ عطا فرمائے۔ آمین

ان لوگوں کا شمار عقلمندوں میں سے ہے جو کہ یہ رائے رکھتے ہیں کہ محبت رسول اللہ ﷺ کا کمال ایمان کے ساتھ بلاواسطہ تعلق ہے۔ سنئے یہ ہیں رسول کریم ﷺ جو اپنی محبت اور اس کی حدود ومدارج کی وضاحت فرماتے ہوئے ہمیں آگاہ کرتے ہیں:

((لایومن احدکم حتی اکون احب الیه من والده وولده والناس اجمعین))

آپ ہمیں سکھاتے ہیں کہ کیسی آپ کی محبت ہونی چاہیے اور یہ ہیں خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق حق وسچ بولنے والے جو رسول اللہ سے عرض کرتے ہیں:

''اے اللہ تعالیٰ کے رسول! آپ یقیناً مجھے ہر چیز سے بڑھ کر پیارے ہیں، سوائے میری اپنی جان کے۔''

مگر رسول اللہ ﷺ انہیں یہ جواب دیتے ہیں:

((لایومن احدکم حتی اکون احب الیه من والده وولده والناس اجمعین))

''نہیں قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان جان ہے جب تک میں تمہیں تمہاری جان سے سے بھی زیادہ پیارا نہ ہوں اس وقت تک تم کامل الایمان نہیں ہو سکتے۔''

حضرت عمر فاروق نے عرض کی: یا رسول اللہ! اب آپ مجھے میری جان سے بھی زیادہ پیارے ہیں تو رسول اللہ نے فرمایا: ''اب اے عمر! آپ اس درجہ پر پہنچے ہیں جو کمال ایمان کا درجہ ہے اور اب آپ کی محبت کامل محبت کہلانے کی مستحق ہے۔

یہ انصار کی ایک عورت ہے جس کا بھائی، باپ اور خاوند جنگ احد میں شہید کر دیئے گئے۔ وہ جناب رسول اللہ ﷺ کی معیت میں جنگ کر رہے تھے۔ جب لوگوں نے اسے ان کی موت کی خبر سنائی تو اس نے کچھ پرواہ نہ کی، کیونکہ سلامتی رسول ہی اس کی تمنا اور اس کا مقصود زندگی تھا، جو ہر چیز سے پہلے بلکہ اس سے بھی پیشتر کہ وہ ان سب کی مصیبت کے بارے میں سوچتی اسے مشغول کیے ہوئے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں دیکھتے ہی وہ چلا اٹھی:

((مافعل برسول اللّٰه))

''رسول اللہ کے ساتھ کیا کیا گیا۔؟''

وہ جناب رسول اللہ ﷺ اور آپ کی سلامتی کے بارے میں افسوس واضطراب میں مبتلا تھی، جب لوگوں نے اسے بتایا کہ آپ ﷺ بحمد اللہ تیری خواہش کے مطابق بخیر و عافیت اور صحیح وسالم ہیں تو اسی وقت آنا فانا یہ خبر سن کر باوجود اپنی مصیبت کی شدت اور اپنی تکلیف کی زیادتی کے مطمئن ہو جاتی ہے اور کہتی ہے:

"خدارا! مجھے ان کا دیدار کرایئے تاکہ میں ان کی طرف ایک نظر بھر کے دیکھ لوں۔"

جب اس نے آپ کو دیکھا تو اپنا وہ مشہور کلمہ کہا جو ضرب المثل بن چکا ہے مرور ادوار و تاریخ کے ساتھ ساتھ ایک جگمگاتا ہوا نور ہے جو اس انصاری عورت کے ایمان پر گواہ ہے اور وہ یہ ہے:

((كل مصيبته بعدك جلل يارسول الله!))

"یارسول اللہ! آپ کے ہوتے ہوئے ہر مصیبت حقیر ہے۔"

اس انصاری عورت کے ایمان کی یہ کتنی دلکش تصویر ہے جس نے جناب رسول اللہ ﷺ کی محبت کی حدود اس کے مراتب و مدارج اور اس کے کمال کے بارے ہمیں ایک دوررس سبق دیا ہے۔ جب ہم اس انصاریۃ کا قصہ پڑھ رہے ہوتے ہیں تو ہم آج بھی اس محبت کے مراتب کو اور اس کی چاشنی کو محسوس کر رہے ہوتے ہیں۔

یہ وہ سچی محبت تھی جس کی مہک مرور تاریخ کے ساتھ ساتھ دم بدم تازہ بہ تازہ اور نو بہ نو ہوتی جارہی ہے۔

اب سنئے زید بن الدثنہ کے بارے میں جس وقت انہیں مشرکین مکہ نے قتل کرنے کی غرض سے حرم شریف سے باہر نکالا تو ابوسفیان نے جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے ان سے کہنے لگے:

"اے زید کیا تو یہ پسند کرتا ہے کہ حضرت محمد اس وقت ہمارے پاس ہوتے اور ہم معاذ اللہ ان کی گردن مار دیتے اور تو اپنے گھر والوں میں آرام سے ہوتا۔؟"

زید نے جو جواب دیا وہ ابواب تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ وہ کچھ یوں تھا:

"نہیں انہیں ہرگز نہیں! بخدا میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ حضرت محمد کو کانٹا چبھے اور وہ تکلیف میں ہوں اور میں اپنے گھر والوں میں آرام سے بیٹھا رہوں۔"

یہ سن کر اس دن ابوسفیان بول اٹھا میں نے لوگوں میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہیں دیکھا جو کسی سے اتنی محبت رکھتا ہو جتنی محبت اصحاب محمد کو محمد سے ہے۔

تفحیھم میں سولی چڑھتے وقت بعینہٖ ایسا ہی قصہ، ایسے ہی ثابت قدمی اور ایسی ہی محبت حضرت حبیب کے بارے میں منقول ہے۔

اسی طریقہ سے صحابہ کرام جناب رسول اللہ کی مدافعت میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کیا کرتے اور آپ پر قربان ہونے کے لیے اپنی روحوں کا نذرانہ پیش کیا کرتے اور آپ ﷺ کی خوشی اور آپ کی راحت کی خاطر ایک دوسرے سے مقابلہ کرتے اور تکلیف کو آپ سے دور کرنے میں ایک دوسرے سے جلدی کرتے۔

اور یہ غزوہ ہے جب کہ انہوں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو اپنے جسم کے ساتھ ڈھانپ لیا اور آپ کے اوپر

لیٹ گئے وہ کسی جنگ میں آپ کا دفاع کر رہے تھے۔ تیر آپ کی پشت پر آ کر لگتے تھے۔ وہ جناب رسول اللہ کے اوپر جھکے ہوئے تھے اور ابھی تک حضور کے سر مبارک کے اوپر ہی تھے کہ انہیں شہید کر دیا گیا۔

جنگ احد کے موقع پر حضرت طلحہ نے عرض کیا:

((نحری دون نحرك يارسول الله ﷺ))

''یارسول اللہ! آپ کے سینہ مبارک کے بدلے میرا سینہ حاضر ہے۔''

چنانچہ اسی دن ان کا ہاتھ شل ہو گیا۔

ابو دجانہ نے بھی ایسا ہی کہا تھا تو ان کے سینے میں ایک تیر آ کے لگا اور ایسے ہی حضرت قتادہ کی زبان سے نکلا تھا اور ان کی ایک آنکھ میں تیر آ کے لگا۔ جناب رسول اللہ نے اسی وقت ان کی آنکھ کو درست فرما دیا۔

چنانچہ ان کی یہ آنکھ دوسری آنکھ کی بہ نسبت زیادہ خوبصورت ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے:

((رجال صدقو ماعاهدو االله عليه))

''یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کے ساتھ اپنے کیے گئے عہد کو اچھی طرح نبھایا اور جناب رسول اللہ کی محبت میں سچے ثابت ہوئے۔ اپنے محبوب رسول کی سلامتی کے لیے بڑی فراخدلی کے ساتھ اپنے مال، اپنی اولاد اور اپنی جانیں نچھاور کر دیں۔

یہ ان کی محبت کی صداقت اور ان کی وفا کی انتہا ہے۔ عقیدہ میں پختگی اور ثابت قدمی ہے۔

بلاشبہ انہوں نے ہمارے لیے محبت کی خوبصورت ترین تصویریں نقش کر دی ہیں۔ انہیں اس بات کا یقین کامل تھا کہ بے شک نبی کریم ﷺ مومنین کی جانوں کی بہ نسبت بھی ان کے زیادہ قریب ہیں۔

اور وہ اس بات پر بڑا حرص رکھتے تھے کہ ان کی ساری خواہشات اور ان کے تمام تصرفات محض اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے رسول کی محبت اور اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر لبیک کہنے کے لیے ہوں:

((قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله))

اور زمانی صلح اور زمانہ امن میں بھی وہ حضرات آپ ﷺ کے اتباع میں ایسے ہی ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کیا کرتے تھے جیسے جنگوں میں آپ کی مدافعت میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی تمنا رکھتے تھے۔

اصحاب السیر نے ذکر کیا ہے کہ قریش نے جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک سفارت بھیجی۔ اس وقت آپ ﷺ حدیبیہ میں مقیم تھے۔ ان کے سفیر نے جناب رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ وضو فرما رہے ہیں اور صحابہ کرام جناب رسول اللہ کے وضو کے بچے ہوئے پانی کو اپنے جسموں پر مل رہے ہیں۔ جب وہ مکہ واپس آیا تو مکہ والوں سے یوں مخاطب ہوا:

''اے اہل مکہ! محمد کا خون کیسے بہایا جا سکتا ہے؟ ان کے اصحاب تو ان کے وضو کے قطروں کو بھی زمین

پر نہیں گرنے دیتے، وہ ان کے وضو کا پانی حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے سے لڑ پڑتے ہیں،
جس کو اس پانی سے کچھ نہ ملے وہ اپنے ساتھ کا پانی پکڑ کو اپنے چہرہ پر پھیر لیتا ہے۔"

اور یہ حضرت علی ابن ابی طالب ہیں۔ اب ان کی سنیے فرماتے ہیں:

((کان رسول اللہ احب الینامن اموالناواولادناوابائنا
وامھاتنامن الماء البارد علی الظلماء))

"جناب رسول اللہ ﷺ ہمیں اپنے مالوں، اپنی اولاد، اپنے باپوں، اپنی ماؤں اور سخت پیاس کے
وقت ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ پیارے تھے۔"

رسول اللہ ﷺ پر اللہ کی طرف سے درود وسلام ہو۔ اے میرے سردار! اے اللہ کے رسول! بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کو سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور آپ کو خلق عظیم پر پیدا فرمایا ہے اور مومنین کے ساتھ بہت نرمی کرنے والا اور رحم کرنے والا بنایا ہے۔

اس حقیقت کو قرآن یوں بیان فرماتا ہے:

((وانک لعلی خلق عظیم))

"اس میں کچھ انوکھا پن نہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کو چن لیا ہے۔"

وہ خود اور اس کے فرشتے آپ پر درود بھیجتے ہیں۔ اس نے تمام رسالتیں آپ پر ختم کر دیں اور آپ کو اس دن منصب شفاعت سے نوازے گا جس دن اس کے حضور اس کی اجازت کے بغیر کوئی کسی کو سفارش نہیں کر سکے گا اور اس کی کرسی آسمانوں اور زمینوں پر محیط ہے (یعنی اس کا علم وسیع ولامتناہی ہے)

((ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی یا ایھاالذین
امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما))

"بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی آپ پر درود
پڑھو اور خوب سلام کرو۔"

امام مسلم نے حضرت واثانہ بن الاسقع سے روایت کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے جناب رسول اللہ کو فرماتے ہوئے سنا:

"بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل کی اولاد سے کنانہ کو چن لیا اور کنانہ سے قریش کو چن لیا اور
قریش سے ہاشم کو بنی ہاشم سے مجھے۔"

تب تو اس بات میں ذرا بھر بھی شک نہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی محبت ہی تکمیل ایمان ہے اور یہ وہ محبت تھی جس نے ان صحابہ کرام اور جوان کے راستہ پر چلے ان کے نزدیک اللہ کے دین کی خاطر اور نبی کریم سے مدافعت میں قربانی دینے کو اور اپنی جانیں نچھاور کرنے کو محبوب بنا دیا اور اسی قاعدہ کلیہ کے مطابق مسلمان کا ہر عمل بجز حب رسول کے ناقص رہتا ہے اور اس کا ایمان نامکمل ہوتا ہے۔

یہاں اس کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ ایک مسلمان سے مطلوب ہے کہ اس کا ایمان اس کے دل اور اس کے جوارح میں کامل صورت میں موجود ہو۔ ناقص ہرگز نہ رہنے پائیں۔

لیکن ایسا ایک ہی دفعہ فوری طور پر نہیں ہو جاتا۔ ہمیشہ اس کی ابتداء قبول اسلام سے ہوتی ہے۔ جب کہ ایک فرد اپنی زبان اور اپنے وجود کو دین کے تابع بنا دیتا ہے اور اس کے اعضاء کلمہ توحید اور جو کچھ جناب رسول اللہ ﷺ لے کر آئے اس کے مطیع ہو جاتے ہیں۔ پھر اس کے بعد ایمان کا نمبر آتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ صحیح تربیت کا ہونا ضروری ہے اور یہی ہو صحیح تربیت ہے جو نوجوانوں کے دلوں میں حب رسول کو اجاگر کرتی ہے اور اس ایمان کامل کی طرف انکی راہنمائی کرتی ہے جو محبت رسول پر قائم ہے۔ یہ وہ قرآن ہے جو ان اشخاص کو مدنظر رکھتے ہوئے مذکورہ بالا حقیقت کو واضح کرتا ہے جو پہلی دفعہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ انہوں نے اسلام تو قبول کر لیا تھا مگر تا حال ایمان ان کے دلوں میں راسخ نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ انہیں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((قالت الاعراب آمنا قل لم تأمنوا ولكن قولوؤ سلمنا ولما يدخل الايمان في قلوبكم (الحجرات:۱۴))

''گنوار بولے ہم ایمان لائے۔ تم فرماؤ تم اینا تو نہ لائے ہاں یوں کہو کہ ہم مطیع ہوئے اور ابھی ایمان تمہارے دلوں میں کہاں داخل ہوا۔''

بے شک کمال ایمان بجز آپ کی محبت اور بجز آپ کی تعظیم کے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے محقق نہیں ہوتا۔ یہ تعظیم وہ تعظیم ہے جس میں نہ تو شرک کی آمیزش ہوتی ہے اور نہ ہی آپ کی ذات شریفہ میں اعتقاد ربوبیت ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے:

''میری مدح میں اس طرح غلو نہ کرو جس طرح نصاری نے عیسیٰ بن مریم کے بارے میں کہا کہ وہ (معاذ اللہ) اللہ کے بیٹے اور وہ تین میں تیسرے ہیں اور یہ بہتان اور شرک عظیم ہے۔''

بے شک یہ ایک پاکیزہ اور عمدہ موقع ہے اس میں گھڑی بھر کے لیے ہم اپنے ایمانوں کو جناب رسول اللہ ﷺ کی محبت اور آپ کی سیرت کی تلاوت اور آپ کے خصائص وخصائل سے آگاہی کے جذبہ وشوق سے بھر دیتے ہیں۔ خصوصاً اس وقت جیسا کہ آپ کا مولا دت ہم پر جلوہ افروز ہوتا ہے۔ یہ مہینہ ہے جس میں آپ کا نور اس کائنات میں جلوہ فگن ہوا اور اس نے ساری کائنات کو روشن و منور کر دیا۔''

اسے سعادتوں سے بہرہ ور کیا (سبحان اللہ) اسے کفر کی اندھیریوں سے اسلام کی روشنیوں کی طرف نکال لایا۔ کیا خوب ہے یہ یاد؟ ہمیشہ ہمیشہ اور تا بد الاباد مبارک ہو مسلمان کا آپ کا یہ سرمایہ محبت اور پھر یہ یاد اس مہینہ میں سبحان اللہ کیسا شرف عظیم ہے یہ؟ سوموار کے دن روزے رکھنے کے بارے میں ایک سائل کے سوال کے جواب میں حدیث میں یوں آتا ہے:

((فقال رسول الله هذا يوم ولدت فيه وانزل علي فيه))

"یہ وہ دن ہے جس میں میری ولادت ہوئی اور اسی دن میں مجھ پر وحی نازل کی گئی۔"

اور اسی طرح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں سکھاتے ہیں کہ نعمت والے دن (جس دن نعمت ملی ہو) نعمت کا یاد کرنا ایک کار مشروع ہے اور لائق ستائش فعل ہے۔ آپ پر صلوۃ وسلام ہو اے میرے سردار، اے اللہ کے رسول!۔

اطاعت کے عملی نمونہ......صحابہ کرام واہل بیت

حضرت ابوبکر صدیق:

خلیفہ اول، جانشین پیغمبر، امیر المومنین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا نام نامی عبداللہ، کنیت ابوبکر اور صدیق وعتیق لقب ہیں۔ آپ قریشی ہیں اور ساتویں پشت پر آپ کا شجرہ نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندانی شجرہ سے مل جاتا ہے۔

آپ عام الفیل کے اڑھائی برس بعد مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔

آپ اس قدر جامع الکمالات اور مجمع الفضائل ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد تمام اگلے اور پچھلے انسانوں میں سب سے افضل واعلیٰ ہیں۔

آپ ان دس خوش نصیب اصحاب میں ممتاز مقام رکھتے ہیں جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے دنیا میں ہی جنت کی خوشخبری عنایت فرمادی تھی۔

آپ نے آزاد مردوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور سفر و وطن کے تمام مشاہد و اسلامی جہادوں میں مجاہدانہ کارناموں کے ساتھ شامل ہوئے۔ صلح و جنگ کے تمام فیصلوں میں آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر و مشیر بن کر مراحل نبوت کے ہر ہر موڑ پر آپ کے رفیق و جاں نثار رہے۔

آپ نے دو برس تین ماہ گیارہ دن مسند خلافت پر رونق افروز رہ کر بائیس جمادی الاخریٰ، تیرہ ہجری منگل کی رات وفات پائی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور روضہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلوئے مقدس میں دفن ہوئے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر سوار تھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے سوار تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ راستے سے بخوبی آگاہ تھے، کیونکہ بغرض تجارت ان کا شام آنا جانا رہتا تھا۔ آپ کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے انہوں نے پوچھا:

"اے ابوبکر! تمہارے آگے کون ہے۔؟"

انہوں نے فرمایا:

''مرا راہبر ہے جو مجھے راہ دکھاتا ہے۔''

حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غار سے نکلے تو جو شخص بھی انہیں ملتا وہ ابوبکر کو پہچان لیتا۔ جب وہ پوچھتا:

''اے ابوبکر! یہ تمہارے ساتھ کون ہے۔''

تو آپ فرماتے:

''یہ میرا گائیڈ ہے۔''

قسم بخدا! حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سچ فرمایا۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کو دنیا اور جو چیز اس کے پاس ہے اس کے بارے میں اختیار دیا تو اس بندے نے اللہ تعالیٰ کی کے قرب کو پسند کر لیا۔''

یہ سن کر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ ہمیں ان کے رونے پر بڑا تعجب ہوا کہ رسول اللہ ﷺ تو ایک بندے کے بارے میں خبر دے رہے ہیں اور یہ رو رہے ہیں۔؟ ہمیں بعد میں معلوم ہوا کہ وہ بندہ جسے اختیار دیا گیا تھا وہ خود رسول اللہ ﷺ ہی تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم سب سے زیادہ عالم تھے۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ تم کس وجہ سے نرم و آہستہ آواز میں تلاوت کرتے ہو۔؟ انہوں نے عرض کیا:

''اسمع من اناجیه''

''جس سے مناجات کرتا ہوں وہ خوب سنتا ہے۔''

چونکہ میں جانتا ہوں وہ مجھ سے دور نہیں ہے اور اس کی سماعت کے لئے نرم یا بلند آواز سے پڑھنا دونوں برابر ہیں۔

جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ تم اونچی آواز سے کیوں تلاوت کرتے ہو؟ تو آپ نے عرض کیا:

''اوقظ الوسنان ای النائم واطرد الشیطان''

''میں سوتے ہوئے کو جگاتا ہوں اور شیطان کو بھگاتا ہوں۔''

یہ مجاہدے کی علامت ہے اور وہ مشاہدے کا نشان۔ مجاہدے کا مقام مشاہدے کے پہلو میں ایسا ہے جیسے قطرہ دریا میں۔ اس لئے ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''هل انت الا حسنة من حسنات ابی بکر''

''اے عمر! تم ابوبکر کی نیکیوں میں سے ایک نیکی ہو۔''

جبکہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسے بطل جلیل جن سے اسلام کو عزت و رفعت ملی حضرت ابوبکر صدیق

رضی اللہ عنہ کی نیکیوں میں سے ایک نیکی ہیں تو غور کرو کہ سارے جہان کے لوگ کس درجہ میں ہوں گے۔؟

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"دارنا فانیۃ واحوالنا عاریۃ وانفاسنا معدودۃ وکسلنا موجودۃ"

"ہمارا گھر فانی ہے، ہمارے احوال عاری ہیں، ہمارے سارے سانس گنتی کے ہیں اور سستی و کاہلی موجود و ظاہر ہے۔"

لہٰذا فانی گھر کی تعمیر کرنا، جہالت عاریتی حال پر اعتماد کرنا، نادانی گنتی کے سانسوں پر دل لگانا، غفلت اور کاہلی کو دین سمجھ لینا سراسر نقصان وخسارہ ہے، اس لئے کہ جو چیز عاریۃً لی جاتی ہے اسے واپس کرنا ہوتا ہے، جو چیز واپس جانے والی ہوتی ہے وہ باقی نہیں رہتی، جو چیز گنتی میں آئے وہ محدود ہوتی ہے اور سستی و کاہلی کا تو کوئی علاج ہی نہیں۔

اس ارشاد میں آپ نے ہمیں تلقین فرمائی کہ یہ دنیا اور اس کی ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ اس کے جانے کا اندیشہ نہ کرنا چاہئے اور نہ اس کی خاطر اس سے دل لگانا چاہئے، کیونکہ جب تم فانی سے دل لگاؤ گے تو باقی تم سے پوشیدہ اور حجاب و پردہ میں رہ جائے گا۔ وہ دونوں سے اجتناب کرتے ہیں۔ جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ یہ دنیا اور اس کا تمام ساز و سامان سب عارضی اور عاریت کی چیزیں ہیں ان کو اپنی ملک سمجھ کر ان میں مالک حقیقی کی اجازت اور اس کے منشاء کے خلاف تصرف کرنا کتنی نادانی ہے۔؟

فقر اختیاری و اضطراری:

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنے مناجات میں عرض کیا کرتے تھے:

"اللھم ابسط لی الدنیا وزھدنی عنھا"

"اے خدا! دنیا کو میرے لئے کشادہ فرما! لیکن مجھے اس میں مبتلا ہونے سے محفوظ رکھ۔"

دنیا کی فراخی کی دعا کے بعد اس سے محفوظ رکھنے کی التجا میں ایک لطیف اشارہ ہے۔ وہ یہ کہ دنیا دے تا کہ شکر بجالاؤں پھر یہ توفیق دے کہ اسے تیری راہ میں اپنے ہاتھ سے خرچ کروں اور اپنا رخ تیری طرف پھیروں، تا کہ شکر اور انفاق فی سبیل اللہ کا درجہ پاؤں اور مقام صبر بھی حاصل کروں تا کہ فقر میں پریشان نہ ہوں اور فقر پر میرا اختیار رہو۔

اس مفہوم سے اس قول کی تردید بھی ہو جاتی ہے کہ جس کا فقر اضطراری ہو وہ فقر اختیاری سے زیادہ کامل ہوتا ہے۔ اصل میں اگر فقر اضطراری ہو تو یہ فقر کی صفت ہے اور اگر اختیاری ہو تو یہ فقر بندے کی صفت ہے۔ جب اس کا عمل کشش فقر سے منقطع ہو جائے تو اس سے بہتر ہے کہ تکلف سے اپنا درجہ بنائے۔

صفت فقر کا اس وقت زیادہ ظہور ہوتا ہے جبکہ تونگری کی حالت میں اس کے دل پر فقر کا ارادہ ہو، پھر وہ ایسا عمل کرے جو اسے ابن آدم کی محبوب چیزوں سے یعنی دنیاوی مال و متاع سے دست کش کر دے نہ کہ فقر کی حالت میں اس کا دل تونگری کی خواہش سے بھرپور ہو اور ایسے عمل کا ارتکاب کرے جس کی بناء پر تونگروں، بادشاہوں

اور درباریوں کے دروازوں پر جانا پڑے۔

صفت فقر تو یہ ہے کہ انسان تونگری چھوڑ کر فقر اختیار کرے، نہ یہ کہ فقر میں مال ومنال اور جاہ وچشم کا طالب ہو۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا رتبہ انبیاء علیہم السلام کے بعد ساری مخلوق سے افضل ومقدم ہے۔ یہ جائز نہیں ہے کہ کوئی ان سے آگے قدم رکھے اور معنوی اعتبار سے مقدم ہو جائے، کیونکہ آپ نے فقر اختیاری کو فقر اضطراری پر مقدم وافضل رکھا ہے۔ یہی تمام مشائخ طریقت کا مذہب ہے۔

حضرت امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بیعت خلافت لی تو آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ میں ارشاد فرمایا:

”واللّٰہ ما کنت حریصا علی الامارۃ یوما ولا لیلۃ ولا کنت فیھا راغبا ولا سالتھا اللّٰہ قط فی سر وعلانیۃ وما لی فی الامارۃ من راحۃ“

”خدا کی قسم! ایک دن یا ایک رات کے لئے بھی میں امارت کا خواہاں نہیں ہوا، نہ مجھے اس کی رغبت ہے، نہ ظاہر وباطن میں خدا سے اس کا سوال کیا ہے اور نہ میرے لئے امارت میں راحت ہے۔“

اللہ تعالیٰ جس بندہ کو کمال صدق پر فائز کرتا اور عزت ومنزلت کے مقام پر متمکن فرماتا ہے تو بندہ صادق منتظر رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا حکم ہوتا ہے۔ جیسا بھی اس پر حکم وارد ہوتا ہے وہ اس پر قائم و برقرار رہتا ہے۔ اگر فرمان آئے کہ فقیر ہو جاؤ تو فقیر ہو جاتا ہے اور اگر فرمان آئے کہ امیر ہو جاؤ تو امیر بن جاتا ہے۔ اس میں وہ اپنے تصرف واختیار کو کام نہیں لاتا۔ یہی صورت حال حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تھی۔ آپ نے ابتداء میں بھی ویسی ہی تسلیم ورضا کو اختیار فرمایا جس طرح انتہا میں اختیار فرمایا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی دوسری شان کہ آپ کا قلب مبارک دنیائے غدار سے خالی تھا۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ آپ کے پاس جتنا مال ومنال اور غلام وبردے وغیرہ تھے سب راہ خدا میں دیکر ایک کمبل اوڑھ کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہو گئے۔ اس وقت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:

”ما خلقت لعیالك“

”اے صدیق! تم نے اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا۔؟“

عرض کیا:

”اللّٰہ ورسولہ“

”اللہ اور اس کے رسول کو گھر والوں کے لیے چھوڑ کر آیا ہوں۔“

یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا:

”تم نے اپنے مال میں سے اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا۔؟“

انہوں نے عرض کیا:

''بہت بڑا خزانہ اور بے حد وغایت مال ومنال چھوڑا ہے۔''

فرمایا:

''وہ کیا۔؟''

عرض کیا:

''ایک تو اللہ کی قربت اور دوسرا اس کے رسول کی متابعت۔''

سیدنا عمر فاروق:

خلیفہ دوم جانشین پیغمبر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو حفص اور لقب فاروق اعظم ہے۔ آپ اشراف قریش میں اپنی ذاتی وخاندانی وجاہت کے لحاظ سے بہت ہی ممتاز ہیں۔ آٹھویں پشت میں آپ کا خاندانی شجرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرہ نسب سے ملتا ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ واقعہ فیل کے تیرہ برس بعد مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور اعلان نبوت کے چھٹے سال ستائیس برس کی عمر میں مشرف باسلام ہوئے۔ جبکہ ایک روایت میں آپ سے پہلے کل انتالیس مرد وعورت اسلام قبول کر چکے تھے۔

آپ کے مسلمان ہو جانے سے مسلمانوں کو بے حد خوشی ہوئی اور ان کو ایک بہت بڑا سہارا مل گیا۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ خانہ کعبہ کی مسجد میں اعلانیہ نماز ادا فرمائی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو جنت کی خوشخبری عنایت فرمائی۔

آپ تمام اسلامی جنگوں میں مجاہدانہ شان کے ساتھ کفار کے ساتھ لڑتے رہے اور پیغمبر اسلام علیہ السلام کی تمام اسلامی تحریکات اور صلح وجنگ وغیرہ کی تمام منصوبہ بندیوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر ومشیر کی حیثیت سے وفادار اور رفیق کار رہے۔

امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد آپ کو خلیفہ منتخب فرمایا۔

آپ رضی اللہ عنہ نے دس برس چھ ماہ چار دن تخت خلافت پر رونق افروز ہو کر جانشین رسول کی تمام ذمہ داریوں کو باحسن وجوہ انجام دیا۔

چھبیس ذوالحجہ تیئس ہجری چہار شنبہ کے دن نماز فجر میں ابولؤلؤ فیروز مجوسی کافر نے آپ کے شکم میں خنجر مارا اور آپ اس زخم کی وجہ سے تیسرے دن شرف شہادت سے سرفراز ہو گئے۔

بوقت وفات آپ کی عمر تریسٹھ برس کی تھی۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارکہ کے اندر مدفون ہوئے۔

عظمت عمر فاروق کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

1: ''اے عمر! مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جس راستے سے تم گزرو گے اس راستے سے شیطان نہیں گزرے گا۔''

2: ''آسمانی مخلوق میں ایسا کوئی نہیں جو عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عزت وتوقیر نہ کرتا ہو۔ اگر میرے بعد نبی ہوتا تو عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ہوتے۔''

3: ''میرے بعد حق عمر کے ساتھ رہے گا خواہ وہ کہیں ہوں۔ اسلام عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موت پر روئے گا۔''

4: عمر کی زبان اور قلب پر اللہ تعالیٰ نے حق جاری کر دیا ہے۔''

5: ''عمر اصحاب جنت کے چشم وچراغ ہیں۔''

6: ''عمر ہی وہ ہستی ہے جس کے باعث فتنہ وفساد کے دروازے بند ہیں۔ جب تک زندہ رہیں گے تم میں کوئی شخص پھوٹ اور فتنہ وفساد نہیں ڈال سکے گا۔''

7: ''جس شخص نے عمر سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا اور جس نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی۔''

8: دوسرے خلیفہ راشد، سرہنگ اہل ایمان، مقتدائے اہل احسان، امام اہل تحقیق، دریائے محبت کے غریق سیدنا ابوحفص عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ کے فضائل وکرامات اور فراست ودانائی مشہور ومعروف ہے۔ آپ فراست وصلابت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ طریقت میں آپ کے متعدد لطائف ودقائق ہیں۔ اسی معنی ومراد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے:

''الحق ینطق علی لسان عمر''

''حق عمر کی زبان بولتا ہے۔''

9: یہ بھی فرمایا:

''قد کان فی الامم محدثون فان یك منهم فی امتی فعمر''

''گزشتہ امتوں میں محدثین گزرے ہیں، اگر میری امت میں کوئی محدث ہے تو وہ عمر ہیں۔''

10: حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص صحابہ میں سے ہیں اور بارگاہ الٰہی میں آپ کے تمام افعال مقبول ہیں حتیٰ کہ جب مشرف باسلام ہوئے تو جبریل علیہ السلام نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

''قس استبشر یا محمد اهل السماء باسلام عمر''

''یارسول اللہ! آسمان والے آج عمر کے مشرف باسلام ہونے پر بشارت دیتے ہیں اور وہ خوشیاں منا رہے ہیں۔''

ظاہر میں تو آپ سریر آرائے خلافت اور خلقت میں ملے جلے نظر آتے تھے، لیکن حقیقت میں آپ کا دل عزلت وتنہائی سے راحت پاتا تھا۔ یہ دلیل واضح ہے کہ اہل باطن اگرچہ بظاہر خلق کے ساتھ ملے جلے ہوتے ہیں، لیکن ان کا دل حق کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے اور ہر حال میں خدا ہی کی طرف رجوع ہوتا ہے۔

ایک عورت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور عرض کیا:

”دنیا والوں سے مجھے کوئی شکایت نہیں،صرف ایک آدمی سے شکایت ہے جو ساری رات نماز پڑھتا اور دن روزہ رکھتا ہے۔“

پھر اس پر حیاء غالب آ گئی اور وہ خاموش ہو گئی۔امیر المومنین نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے۔تم نے اس کی بڑی اچھی تعریف کی ہے۔“

جب وہ چلی گئی تو کعب بن سور نے کہا:

”اے امیر المومنین!اس نے آپ سے شکایت کی ہے۔“

آپ نے پوچھا:

”اس نے کیا شکایت کی ہے۔؟“

کعب نے کہا:

”اس نے اپنے خاوند کی شکایت کی ہے۔“

آپ نے کہا:

”اس عورت اور اس کے خاوند کو لے آؤ۔“

دونوں کو لایا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کعب سے فرمایا:

”ان کے درمیان فیصلہ کر دیں۔“

انہوں نے کہا:

”میں آپ کی موجودگی میں ان کے درمیان فیصلہ کروں یہ کیسے ہو سکتا ہے۔؟“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”تم نے وہ بات سمجھی ہے جو میں نہیں سمجھ سکا،لہٰذا تم ہی فیصلہ کرو۔“

کعب رحمۃ اللہ علیہ نے خاوند سے کہا:

”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:”جو عورتیں تمہیں پسند آئیں ان میں سے دو دو تین تین اور چار چار کے ساتھ نکاح کرو۔“لہٰذا تین دن روزہ رکھو اور ایک دن اس عورت کے پاس گزارو۔تین راتیں قیام کرو اور ایک رات اس کے لئے مختص کر دو۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”یہ بات تو پہلے سے بھی زیادہ عجیب ہے۔!“

چنانچہ انہیں بصرہ کا گورنر بنا دیا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”دنیا ایسا گھر ہے جس کی بنیاد بلاؤں پر رکھی گئی ہے۔محال ہے کہ بغیر بلا کے وہ رہ سکے۔“

حضرت عثمان ذوالنورین:

خلیفہ سوم امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو عمرو اور لقب ذوالنورین (دونور والے) ہے۔ آپ قریشی ہیں اور آپ کا نسب نامہ یہ ہے:

''عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔''

آپ کا خاندانی شجرہ عبد مناف پر جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندانی نسب نامہ سے مل جاتا ہے۔

آپ نے آغاز اسلام ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا اور آپ کو آپ کے چچا اور دوسرے خاندانی کافروں نے مسلمان ہو جانے کی وجہ سے بے حد ستایا۔

آپ نے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی اور پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ اس لیے آپ کو صاحب الہجرتین (دو ہجرتیں کرنے والے) کہا جاتا ہے۔

چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے آپ کے نکاح میں آئیں اس لیے آپ کا لقب ذوالنورین ہے۔

آپ اصحاب عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ جنگ بدر کے علاوہ دوسرے تمام اسلامی جہادوں میں شریک ہوئے۔ جنگ بدر کے موقع پر ان کی زوجہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی سخت علیل ہو گئی تھیں، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنگ بدر میں جانے سے منع فرما دیا، لیکن ان کو مجاہدین بدر میں شمار فرما کر مال غنیمت میں سے مجاہدین کے برابر حصہ دیا اور اجر و ثواب کی بھی بشارت دی۔

حضرت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے اور بارہ برس تک تخت خلافت کو سرفراز فرماتے رہے۔ آپ کے دور خلافت میں اسلامی حکومت کی حدود میں بہت زیادہ توسیع ہوئی اور افریقہ وغیرہ اور بہت سے ممالک مفتوح ہو کر خلافت راشدہ کے زیر نگین ہوئے۔

بیاسی برس کی عمر میں مصر کے باغیوں نے آپ کے مکان کا محاصرہ کر لیا اور بارہ یا اٹھارہ ذی الحجہ 35 ہجری جمعہ کے دن ان باغیوں میں سے ایک بدنصیب نے آپ کو رات کے وقت اس حال میں شہید کر دیا کہ آپ قرآن مجید کی تلاوت فرما رہے تھے اور آپ کے خون کے چند قطرات قرآن مجید کی آیت '' **فسیکفیکھم اللہ** '' پر گرے۔

آپ کی نماز جنازہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور آپ مدینہ منورہ کے قبرستان جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

حضرت عبداللہ بن رباح اور حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس دن بلوائیوں نے آپ کے گھر کا محاصرہ کیا ہم امیر المومنین سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھے۔ بلوائی جب دروازے کے سامنے جمع ہو گئے تو آپ کے غلاموں نے ہتھیار اٹھا لئے۔ آپ نے فرمایا:

''جو ہتھیار نہ اٹھائے وہ میری غلامی سے آزاد ہے۔''

راوی بیان کرتے ہیں کہ ہم اپنے خوف کے سبب باہر نکل آئے۔اثنائے راہ میں حضرت امام حسن بن علی مرتضٰی رضی اللہ عنہما آتے ہوئے ملے۔ہم ان کے ہمراہ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آ گئے تاکہ دیکھیں امام حسن مجتبیٰ کیا کرتے ہیں۔جب امام حسن مجتبیٰ اندر داخل ہوئے تو سلام عرض کیا۔پھر بلوائیوں کی حرکت پر اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا:

''اے امیر المومنین! میں آپ کے حکم کے بغیر مسلمانوں پر تلوار بے نیام نہیں کر سکتا۔آپ امام برحق ہیں۔آپ حکم دیجئے تاکہ آپ سے اس قوم کو دور کروں۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا:

''یاابن اخی ارجع واجلد فی بیتك حتی یاتی اللّٰہ بامرہ فلاحاضة لنافی اھراق الدماء''

''اے میرے بھائی علی کے فرزند! جاؤ! اپنے گھر آرام کرو! یہاں تک کہ اللہ کا کوئی حکم وارد ہو۔ہمارے لئے لوگوں کے خون بہانے کی ضرورت نہیں۔''

مقام خلقت و دوستی میں بلاو مصیبت کے درمیان تسلیم ورضا کی یہ روشن علامت ہے۔آپ کا یہ طرز عمل حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے اس طرز عمل کے بالکل مماثل ہے جو ان سے آتش نمرود کی آزمائش کے وقت ظہور میں آیا تھا۔چنانچہ نمرود ملعون نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خاتمہ کرنے کے لئے آگ جلائی اور ان کو منجنیق میں رکھا گیا تو جبریل علیہ السلام آئے اور عرض کیا:

''ھل لك من حاجة''

''کیا آپ کو کوئی حاجت ہے۔؟''

حضرت خلیل علیہ السلام نے فرمایا:

''اما الیك فلا''

''بندہ سراپا محتاج ہے،لیکن تم سے کوئی حاجت نہیں۔''

جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا:

''پھر اللہ تعالیٰ سے عرض کیجئے۔!''

ارشاد فرمایا:

''حسبی من سوالی علمه بحالی''

''حق تعالیٰ میرے سوال سے بے نیاز ہے۔وہ میری حالت کو جانتا ہے۔''

مطلب یہ کہ مجھے اپنا حال عرض کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ وہ جانتا ہے کہ مجھ پر کیا بیت رہی ہے۔وہ میرے معاملہ کو مجھ سے بہتر جانتا ہے۔وہ خوب جانتا ہے کہ میری درستگی و صلاح کس چیز میں ہے۔حضرت عثمان ذوالنورین کا معاملہ بھی بالکل اسی کے مشابہ تھا۔آپ حضرت خلیل علیہ السلام کو منجنیق میں رکھے جانے کے مقام پر تھے

، بلوائیوں کا اجتماع آتش نمرود کے قائم مقام اور امام حسن مجتبیٰ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی جگہ تھے، لیکن ان دونوں واقعہ میں فرق یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس بلا میں نجات ملی تھی اور حضرت عثمان ذوالنورین اس بلا میں شہید ہوئے تھے، کیونکہ نجات کا تعلق بقا سے ہے اور ہلاکت کا تعلق فنا سے ہے۔

حضرت علی مرتضیٰ:

خلیفہ چہارم جانشین رسول زوجہ بتول حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوالحسن اور ابوتراب ہے۔

آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کے فرزند ارجمند ہیں۔

آپ عام الفیل کے 30 برس بعد تیرہ رجب کو جمعہ کے دن مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر تیس برس کی تھی۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام حضرت فاطمہ بنت اسد ہے۔ آپ نے اپنے بچپن ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تربیت ہر وقت آپ کی امداد و نصرت میں لگے رہتے تھے۔

آپ مہاجرین الاولین اور عشرہ مبشرہ میں اپنے بعض خصوصی درجات کے لحاظ سے بہت زیادہ ممتاز ہیں۔

جنگ بدر، جنگ احد، جنگ خندق وغیرہ تمام غزوات میں اپنی بے پناہ شجاعت کے ساتھ لڑتے رہے اور کفار عرب کے بڑے بڑے نامور بہادر آپ کی تلوار ذوالفقار کے وار سے مقتول ہوئے۔

امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد انصار و مہاجرین نے آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے آپ کو امیر المومنین منتخب کیا۔ آپ نے چار برس آٹھ ماہ اور نو دن تک مسند خلافت کو سرفراز فرمایا۔

17 رمضان 40 ہجری کو عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی خارجی نے نماز فجر کو جاتے ہوئے آپ کی پیشانی اور چہرے پر تلوار کا وار کیا جس سے آپ شدید طور پر زخمی ہو گئے اور دو دن زندہ رہ کر جام شہادت سے سیراب ہوئے۔

آپ کے بڑے فرزند ارجمند حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کو دفن فرمایا۔

چوتھے خلیفہ راشد، اخی مصطفیٰ، ریق بحر بلا، حریق نار ولا، مقتدائے جملہ اولیاء، اصفیاء، سیدنا ابوالحسن علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ ہیں۔ طریقت میں آپ کی شان عظیم اور مقام رفیع ہے۔ صالہ حقائق کی تشریح و تعبیر میں آپ کو کمال دسترس حاصل تھی یہاں تک کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"شیخنا فی الاصول والبلاء علی المرتضیٰ"

"اصل و بلاء میں ہمارے رہنما و پیشوا حضرت علی مرتضیٰ ہیں۔"

آپ رضی اللہ عنہ علم طریقت اور اس کے معاملات میں امام ہیں۔ علم طریقت کو اہل طریقت اصول کہتے ہیں۔ معاملات کو اہل طریقت دراصل بلاؤں سے تعبیر کرتے ہیں۔

آپ کی ذہانت فطانت کے متعلق بہت سی روایات اور واقعات ہیں ان میں سے چند ایک ملاحظہ فرمائیں:

1: ایک آدمی حضرت علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ آپ نے اس کی بہت تعریف کی۔ وہ آپ سے بغض رکھتا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میں ایسا نہیں جیسا تو کہتا ہے۔ جو کچھ تیرے نفس میں ہے میں اس سے بلند ہوں۔!"

2: دو آدمی ایک قریشی عورت کے پاس آئے۔سو دینار اس کے پاس بطور امانت رکھے اور یہ وعدہ کیا کہ جب تک ہم دونوں اکٹھے نہ آئیں ہم میں سے یہ امانت کسی کو نہ دینا۔ایک سال گزر گیا ان میں سے ایک آدمی آیا اور کہا:

"میرا ساتھی مر گیا ہے۔وہ دینار مجھے دو۔"

اس نے انکار کر دیا۔وہ اس کے خاندان اور پڑوسیوں کو اس کے پاس لایا۔وہ اسے مجبور کرتے رہے حتیٰ کہ اس عورت نے وہ دینار اسے دے دیئے۔اگلے سال دوسرا آدمی آیا اور دینار مانگے۔اس نے اسے بتایا:

"تمہارا ساتھی یہ کہہ کر درہم لے گیا ہے کہ تمہاری وفات ہو چکی ہے۔"

معاملہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں پہنچا۔آپ نے فیصلہ فرمانا چاہا۔وہ عورت کہنے لگی:

"ہمارا مقدمہ علی کی عدالت میں منتقل کر دیں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ مقدمہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا۔آپ سمجھ گئے کہ یہ فراڈ کر رہے ہیں۔آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"کیا تم دونوں نے یہ نہیں کہا تھا کہ ہم سے کسی ایک کو یہ مال نہ دینا۔؟"

اس نے کہا:

"کیوں نہیں۔!"

آپ نے فرمایا:

"تمہارا مال ہمارے پاس ہے۔جاؤ! اپنے ساتھی کو لے کر آؤ تا کہ تمہیں ادائیگی کی جا سکے۔"

وہ آدمی گیا لیکن پھر واپس نہ پلٹا۔

منقول ہے کہ کسی نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے عرض کیا:

"اے امیر المومنین! مجھے کوئی وصیت فرمایئے۔!"

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"لاتجعل اکبر شغلك باهلك وولدك فان یکن اهلك وولدك من اولیاء اللّٰه تعالیٰ فان اللّٰه لایضیع اولیائه وان کانوا اعداء اللّٰه فمام همك وشغلك لاعداء سبحانه"

"اپنے اہل وعیال سے انہاک تیرا سب سے مشغلہ نہ بن جائے، اگر تیرے اہل وعیال اولیاء میں سے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے ولیوں کو ضائع نہیں کرتا اور اگر وہ دشمن خدا ہیں تو اس کے دشمن سے تجھے کیا سروکار۔؟"

یہ مسئلہ "من دون اللہ" سے ولی انقطاع وعلیحدگی سے متعلق ہے۔وہ اپنے بندوں کو جیسا چاہتا ہے رکھتا ہے۔چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی اہلیہ کو (جو کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی دختر تھیں) انتہائی دردناک

حالت (دردِزہ) میں چھوڑ کر تسلیم ورضائے الٰہی اختیار فرمائی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بی بی حضرت ہاجرہ اور اپنے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بے آب وگیاہ میدان میں چھوڑ کر رضائے الٰہی پر شاکر ہو گئے۔ انہوں نے ان کو اپنا سب سے بڑا مشغلہ نہ جانا اور ہمہ تن ہو کر دل کو حق سے واصل کر لیا۔ بالآخر انہیں دونوں جہان میں سرفرازی حاصل ہوئی۔

اللہ سے دل کو غنی کرنا:

حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ سے ایک اور موقعہ پر کسی نے دریافت کیا:

''سب سے اچھا عمل کون سا ہے۔؟''

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''غناء القلب باللّٰہ تعالیٰ''

''اللہ تعالیٰ کے ساتھ دل کو تونگر بنانا۔''

جو دل خدا کے ساتھ غنی ہوتا ہے اسے نہ تو دنیا کی نیستی پریشان کر سکتی ہے اور نہ دنیا کی ہستی خوش کر سکتی ہے۔

سیدنا امام حسن مجتبٰی:

آئمہ اہل بیت اطہار میں سے جگر بند مصطفٰے، ریحان دل مرتضٰی، قرۃ العین سیدۃ زہرا، ابو محمد سیدنا امام حسن بن علی مرتضٰی رضی اللہ عنہما ہیں۔ طریقت میں آپ کی نظر کامل اور تعبیراتِ حقائق میں اعلیٰ درجہ کی دسترس حاصل تھی۔ یہاں تک کہ آپ نے اپنی وصیت میں فرمایا:

''علیکم بحفظ السرائر بان اللّٰہ تعالیٰ مطلع علی الضمائر''

''تم اسرار ربانی کی حفاظت میں رہنا کیونکہ اللہ تعالیٰ دلوں کے بھیدوں سے واقف ہے۔''

اس کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اسرار ربانی کی حفاظت ایسے ہی کرتا ہے جس طرح دلوں کے بھیدوں کو وہ دوسروں سے پوشیدہ رکھتا ہے۔ لہٰذا حفظ اسرار یہ ہے کہ غیروں کی طرف متوجہ نہ ہو اور حفظ ضمائر یہ ہے کہ اس کے اظہار میں حیاء مانع ہو۔

علم طریقت کے حقائق ولطائف میں بلند مرتبت کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب فرقہ قدریہ کو عروج ہوا اور معتزلہ کا مذہب پھیلا تو حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام حسن مجتبٰی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بدیں مضمون خط لکھا:

''بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم السلام علیکم یا ابن رسول اللّٰہ وقرۃ عینیہ ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ اما بعد فانکم معاشر بنی ہاشم کالفلک الجاریۃ فی بحر لجی ومصابیح الدجی واعلام الھدیٰ والائمۃ القادۃ الذین من تبعھم نجی کسفینۃ نوح المشحونۃ التی یئول الیھا المومنون

وینجو فیھا المتمسکون فماقولك یا ابن رسول اللہ ﷺ عند حیر تنافی القدر و اختلافنا فی الاستطاعة لتعلمنا بماتا کد علیه رایك فانکم ذریة بعضھا من بعلم اللہ علمتم و ھو الشاھد علیکم و انتم شھداء اللہ علی الناس و السلام!"

"اللہ کے نام سے جو رحمٰن ومہربان ہے۔ آپ پر خدا کا سلام اور اس کی رحمت و برکت ہو۔ اے رسول اللہ کے فرزند! اور ان کی چشمانِ مبارک کی راحت! آپ گروہ بنی ہاشم میں اس کشتی کی مانند ہیں جو گھرے اندھیرے سمندر میں چل رہی ہو۔ آپ ہدایت کے روشن چراغ اور اس کی نشانیوں میں سے ہیں۔ آپ ان آئمہ دین کے سرخیل وقائد ہیں کہ جس نے ان کی پیروی کی وہ اس طرح نجات پائے گا، جس طرح کشتی نوح میں سوار ہونے والے مسلمانوں نے نجات پائی۔ اے فرزند رسول! آپ کا کیا ارشاد ہے جو قدر و استطاعت (جبر و قدر) کے مسئلہ میں ہمیں پریشانی لاحق ہے؟۔ آپ ہماری رہنمائی فرماتے ہوئے بتایئے تاکہ اس سلسلہ میں ہمیں معلوم ہو جائے کہ آپ کی رائے کیا ہے؟ کیونکہ آپ فرزند رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ حضرات کو علم خصوصی سے نوازا ہے۔ وہ آپ سب کا محافظ ہے اور آپ تمام لوگوں پر خدا کی طرف سے محافظ ونگہبان ہیں۔ والسلام"

حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے اس مضمون کے جواب میں لکھا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم فقد انتھی الی کتابك عند حیر تلك و حریة من زعمت من امتنا و الذی علیه رائی ان من لم یؤمن بالقدر و خیرہ و شرہ من اللہ تعالیٰ فقد کفر و من حمل صی علی اللہ فقد فجر ان اللہ لایطاع باکراہ و لایعصی بغلبة و لایمھل العباد فی ملکه لکنه المالك لمایملکھم و القادر علی مالیه قدرھم فان ایتمروا بالطاعة لم یکن لھم اختیار و لالھم عنھا مشبعاء و ان اتوا بالمعصیة و شاء ان یمن علیھم فیحول بینھم و بینھا فعل و ان لم یفعل فلیس ھو عملھم علیھا اجبار او لاالزمھم اکراھا ایاھا باحتجاجه علیھم ان عرفھم و مکنھم و جعل لھم السسبیل خذوا امادعاھم الیه و اترکوا مانھھم عنه و للہ الحجة البالغه و السلام"

"اللہ کے نام سے جو مہربان ورحیم ہے۔ تمہارا مکتوب موصول ہوا۔ جس میں تم نے اپنی اور امت کے دوسرے لوگوں کی پریشانی کا تذکرہ کیا ہے۔ اس مسئلہ میں میری جو رائے ہے وہ یہ ہے کہ جو شخص اچھی و بری تقدیر پر ایمان نہیں رکھتا وہ کافر ہے اور جو اپنے گناہوں کا ذمہ دار خدا کو ٹھہراتا ہے وہ بے ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو شتر بے مہار نہیں چھوڑا ہے۔ نہ وہ جبراً اطاعت کراتا ہے اور نہ جبراً گناہ، لیکن بندوں کی تمام ملکیتوں اور ان کی تمام قوت وطاقت کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ اگر

بندوں کو اطاعت پر مجبور کر دیا جاتا تو ان کے لئے کوئی اختیار نہ ہوتا اور انہیں اطاعت کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہتا۔ اگر بندے اس کی معصیت کریں اور خدا کی مشیت ان پر احسان کرنا چاہے تو ان کے اور ان کے گناہ کے درمیان کوئی فعل حائل کر دیتا ہے۔ اب اگر وہ ارتکاب معاصی نہ کر سکیں تو یہ بات نہیں ہے کہ خدا نے انہیں مجبور کر دیا تھا اور نہ جبر سے وہ فعل ان پر لازم کر دیا تھا۔ یہ ان پر دلیل و حجت کے طور پر ہے اگر انہیں اس کی معرفت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے راہ ہدایت بنا دی ہے۔ جس کے کرنے کا حکم دیا ہے اسے کرو اور جس سے بچنے کا حکم دیا ہے اس سے بچو۔! اور اللہ کے لئے حجت بالغہ ہے۔ والسلام"

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو جس قدر توفیق مرحمت فرمائی ہے بندہ عمل میں اس قدر مختار ہے۔ ہمارا دین جبر و قدر کے درمیان ہے۔ اگرچہ اس خط کے تمام مضمون سے ایک یہی جملہ ہمارا مقصود تھا لیکن فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے ہم نے پورا خط نقل کر دیا ہے۔ اس لیے بھی خط نقل کیا تاکہ تمہیں اندازہ ہو جائے کہ حضرت امام حسن مجتبےٰ رضی اللہ عنہ علم حقائق واصول میں کیسی مہارت تامہ رکھتے تھے۔ حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کمال علم و فضل کے باوجود حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے علم و فضل کے مقابلے میں دسویں درجے پر تھے۔

جب ابن ملجم کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ کہنے لگا:

"میں آپ سے کان میں ایک بات کرنا چاہتا ہوں۔"

آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا:

"یہ میرا کان کھانا چاہتا ہے۔!"

ابن ملجم کہنے لگا:

"اللہ کی قسم! اگر وہ مجھے اجازت دیتے تو میں ان کا کان پکڑ لیتا۔"

حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تحمل و بردباری کا اندازہ اسی واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک روز امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفہ کے دارالخلافہ کے دروازے پر تشریف فرما تھے کہ صحرا سے ایک دیہاتی آیا اور اس نے آتے ہی آپ کو اور آپ کے والدین کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔ آپ نے اس سے پوچھا:

"کیا تو بھوکا پیاسا ہے یا تجھ پر کوئی مصیبت پڑی ہے۔؟"

اس نے پھر کہا:

"آپ ایسے ہیں اور آپ کے والدین ایسے ہیں۔"

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام سے فرمایا:

"طشت میں چاندی بھر کر لاؤ اور اسے دیدو۔"

پھر فرمایا:

''اے دیہاتی! ہمیں معذور سمجھنا۔ گھر میں اس کے سوا کچھ نہ تھا۔ ورنہ! اس کے دینے سے انکار نہ ہوتا۔''

جب دیہاتی نے آپ کا یہ صبر و تحمل دیکھا تو کہنے لگا:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً آپ فرزند رسول ہیں۔''

حقیقت یہ ہے کہ تمام مشائخ و اولیاء کی یہ صفت آپ کے اتباع میں ہے کیونکہ ان کے نزدیک بھی لوگوں کا اُن کو برا بھلا کہنا برابر ہے اور ان کے ظلم و ستم اور سب و شتم سے وہ کوئی اثر نہیں لیتے۔

حضرت امام حسین:

آئمہ اہل بیت اظہار میں سے شمع آل محمد، تمام دنیاوی علائق سے پاک وصاف، اپنے زمانہ کے امام و سردار، ابو عبداللہ، سیدنا امام حسین بن علی مرتضٰی رضی اللہ عنہما ہیں۔ آپ اہل ابتلاء کے قبلہ و رہنما اور شہید دشت کرب و بلا ہیں۔ تمام اہل طریقت آپ کے حال کی درستگی پر متفق ہیں۔ اس لئے کہ جب تک حق حاضر و غالب رہا آپ کے فرمانبردار رہے، جب حق مغلوب و مفقود ہوا تو تلوار کھینچ کر میدان میں نکل آئے اور جب تک راہِ خدا میں اپنی جانِ عزیز قربان نہ کر دی چین و آرام نہ لیا۔

آپ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیشتر نشانیاں تھیں جس سے آپ مخصوص و مزین تھے۔ چنانچہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں ایک روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو دیکھا امام حسین کو آپ نے اپنی پشت مبارک پر سوار کر رکھا ہے۔ ڈوری کا ایک حصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اور دوسرا حصہ امام حسین کے ہاتھ میں ہے۔ امام حسین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چلاتے رہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زانو کے ذریعہ چلتے رہے۔ میں نے جب یہ حال دیکھا تو کہا:

''نعم الجمل جملك يا اباعبد اللّٰه''

''اے ابوعبداللہ کتنی اچھی سواری ہے آپ کی۔!''

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''نعم الراکب''

''اے عمر! یہ سوار بھی تو کتنا عمدہ ہے۔''

ایک آدمی نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر قاضی کی عدالت میں کچھ مال کا دعویٰ کیا۔ آپ نے فرمایا:

''اپنے دعویٰ پر قسم اٹھائے اور مال لے لے۔''

وہ آدمی کہنے لگا:

''الله الذی لااله الاهو''اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی خدا نہیں۔!''

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ایسے کہو:''اللہ، واللہ، واللہ میں جو دعویٰ کر رہا ہوں وہ درست ہے۔''

آدمی نے ایسا ہی کہا۔ وہ کھڑا ہوا، اس کی ٹانگیں ڈگمگا گئیں، وہ گر پڑا اور اس کی موت واقع ہو گئی۔

سیدنا امام حسین علیہ السلام سے طریقت میں بکثرت کلام لطیف اور اس کے رموز و معاملات منقول ہیں۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اشفق الاخوان علیک دینک''

''تمہارے لئے سب سے زیادہ رفیق ومہربان تمہارا دین ہے۔''

اس لئے کہ بندے کی نجات دین کی پیروی میں ہے اور اس کی ہلاکت اس کی مخالفت میں ہے۔ صاحب عقل وخرد وہی شخص ہے جو مہربان کے حکم کی پیروی کرے، ان کی شفقت کو ملحوظ رکھے اور کسی حالت میں اس کی متابعت سے روگردانی نہ کرے۔ برادرِ مشفق وہی ہوتا ہے جو اس کی خیر خواہی کرے اور شفقت ومہربانی کا دروازہ بند نہ کرے۔

ایک روز ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا:

''اے فرزند رسول! میں ایک مفلس ونادار شخص ہوں۔ میں صاحب اہل وعیال ہوں۔ مجھے اپنے پاس سے رات کے کھانے میں سے کچھ عنایت فرمایئے۔؟''

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''بیٹھ جاؤ! میرا رزق ابھی راہ میں ہے۔''

کچھ دیر بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے دیناروں کی پانچ تھیلیاں آئیں۔ ہر تھیلی میں ایک ہزار دینار تھے۔ لانے والوں نے عرض کیا:

''حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ معذرت خواہ ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ فی الحال انکو اپنے خدام پر خرچ فرمائیں۔ مزید پھر حاضر کیے جائیں گے۔''

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اس نادار مفلس شخص کی طرف اشارہ فرمایا اور پانچوں تھیلیاں اسے عنایت کرتے ہوئے معذرت کی:

''تمہیں بہت دیر انتظار کرنا پڑا۔ صرف اتنا ہی کمتر عطیہ تھا، اگر میں جانتا کہ اتنی قلیل مقدار ہے تو تمہیں انتظار کی زحمت نہ دیتا مجھے معذور سمجھنا۔ ہم تو اہل ابتلاء سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہم نے تو تمہاری دنیاوی ضرورتوں کو چھوڑ کر اپنی راحتوں کو فنا کر دیا ہے۔''

حضرت مقداد بن الاسود کندی:

ان کے والد کا نام عمرو بن ثعلبہ تھا۔ اسود کے بیٹے اس لیے کہلانے لگے کہ اسود بن عبد یغوث زہری نے ان کو اپنا متبنی بنالیا تھا اس لیے اس کی طرف منسوب ہو گئے۔ چونکہ قبیلہ بنی کندہ سے انہوں نے محالفہ کرلیا تھا اور ان کے حلیف بن گئے تھے اس لیے ان کو کندی کہا جانے لگا۔

ان کی کنیت ابو معبد اور ابو الاسود ہے۔ یہ قدیم الاسلام ہیں۔ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے اور پھر حبشہ سے مکہ مکرمہ واپس آئے مگر مدینہ منورہ کو ہجرت نہ کر سکے کیونکہ کفار نے ناکہ بندی کر کے مدینہ کا راستہ

بند کر دیا تھا۔ جب حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ چھوٹا سالشکر لے کر مدینہ منورہ سے عکرمہ بن ابوجہل کے لشکر سے لڑنے کے لیے آئے تو حضرت مقداد اور حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہما کافروں کے لشکر میں شامل ہو گئے اور وقت ملنے پر بھاگ گئے اور مدینہ پہنچ گئے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ مکہ مکرمہ میں سات اشخاص ایسے تھے جنہوں نے مکہ مکرمہ میں کفار کے سامنے سب سے پہلے علی الاعلان اپنے اسلام کا اعلان کیا ان میں ایک حضرت مقداد بن الاسود بھی ہیں۔

آپ تمام غزوات میں شریک ہوئے اور فتح مصر کے معرکہ میں اپنی طاقت کے جوہر دکھائے۔ 33ہجری میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مدینہ منورہ سے تین کلومیٹر دور مقام جرف میں 70 برس کی عمر میں وصال فرمایا۔ لوگوں نے آپ کو جرف سے اٹھا کر مدینہ منورہ کے قبرستان جنت البقیع میں بڑی عقیدت واحترام سے سپردخاک کیا۔

حضرت خباب بن الارت:

ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے۔ یہ غلام تھے۔ ان کو قبیلہ بنی تمیم کی ایک عورت نے خرید کر آزاد کر دیا تھا اس لیے یہ تمیمی کہلائے۔ ابتدا ہی میں انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور کفار مکہ نے حضرت عمار و بلال رضی اللہ عنہما کی طرح ان کو بھی طرح طرح کی تکالیف دیں یہاں تک کہ ان کو کوئلوں پر لٹایا گیا اور پانی میں غوطے دلائے گئے کہ ان کی سانس رک جاتی اور بے ہوش ہو جاتے۔ مگر پھر بھی یہ صبر واستقامت اختیار کیے رہے۔ وصال رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انہوں نے مدینہ منورہ کو چھوڑ کر کوفہ میں رہائش اختیار کی اور وہیں 37ہجری میں 73 برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔

حضرت عرباض بن ساریہ:

ان کی کنیت ابونجیح ہے اور ان کا خاندانی تعلق بنی سلیم سے ہے۔ مفلس مہاجرین کے ساتھ تعلق رکھتے تھے اس لیے مسجد نبوی میں اصحاب صفہ میں رہتے تھے۔ آخر ملک شام چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کی۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ اور تابعین کی ایک جماعت نے ان سے احادیث کی روایت کی ہے۔ 75ہجری میں ملک شام میں وفات پائی۔

حضرت سائب بن اقرع:

یہ قبیلہ بنوثقیف کی ہونہار اور نامور شخصیت ہیں اس لیے انہیں ثقفی کہا جاتا ہے۔ ان کی والدہ کا نام ملیکہ تھا، وہ ان کو بچپن ہی میں اپنے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آئیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر اپنا دست شفقت پھیرا اور دعا فرمائی۔

یہ بڑے مجاہد تھے۔ نہاوند کی فتح میں یہ حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کے جھنڈے کے نیچے خوب جم کر کفار سے لڑے۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو مدائن کا گورنر مقرر کیا۔ اصفہان میں ان

کا انتقال ہوا۔

حضرت عبداللہ بن قرط:

ان کا خاندانی تعلق بنی ازد سے ہے اس لیے ازدی کہلائے۔ زمانہ جاہلیت میں ان کا نام شیطان تھا۔ مسلمان ہو جانے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبداللہ رکھا۔ یہ جنگ یرموک اور فتح دمشق کے معرکوں میں بڑی جانبازی سے لڑے۔ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے ان کو دو مرتبہ حمص کا حاکم مقرر کیا پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی انہیں حمص ہی کا حاکم بنایا۔ ان کا شمار محدثین صحابہ کی فہرست میں ہوتا ہے۔ محدثین کی ایک جماعت نے ان کے حلقہ درس میں حدیثوں کا سماع کیا۔ 56ہجری میں روم کی سرزمین میں کفار سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ مستجاب الدعوات صحابی تھے۔

حضرت عمرو بن عبسہ:

ان کی کنیت ابونجیح ہے اور یہ قبیلہ بنوسلیم سے ہیں۔ اسلام کے آغاز ہی میں ایمان لے آئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

''تم اپنی قوم میں جا کر رہو اور جب تم سن لو کہ میں نے مدینہ کی طرف ہجرت کر لی ہے تو تم میرے پاس چلے آنا۔''

چنانچہ یہ اپنی قوم میں مقیم رہے یہاں تک کہ جنگ خیبر کے بعد مدینہ منورہ آئے اور مدینہ میں ہی قیام پذیر ہو گئے۔ ان کے شاگردوں میں بڑے بڑے محدثین شامل ہیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں انتقال فرمایا۔

حضرت ابوالدرداء:

یہ قبیلہ انصار کے خاندان خزرج سے نسبی تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا نام عویمر بن عامر انصاری ہے۔ یہ بہت ہی علم وفضل والے فقیہ اور صاحب حکمت صحابی ہیں۔ بہت ہی زاہد اور نہایت عبادت گزار تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد انہوں نے مدینہ منورہ کو چھوڑ کر شام میں سکونت اختیار کی اور 32ہجری میں شہر دمشق میں وصال ہوا۔ (اکمال فی اسماء الرجال، صفحہ نمبر 594)

حضرت ابی بن کعب انصاری:

انصار کے قبیلہ خزرج سے ان کا خاندانی تعلق ہے۔ یہ دربار نبوت میں وحی کی کتابت کیا کرتے تھے اور ان چھ سو صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے عہد نبوی ہی میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ اتنے بڑے عالم وفقیہ تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے عہد نبوی ہی میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کو سید القراء (سب قاریوں کا سردار) کہا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کنیت ابوالمنذر رکھی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کو ابوالطفیل کی کنیت سے پکارا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سید الانصار (انصار

کا سردار) کا لقب دیا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کو سید المسلمین (مسلمانوں کے سردار) کے لقب سے پکارا کرتے تھے۔ ان کے شاگردوں کی فہرست بہت طویل ہے۔

حضرت علاء بن الحضرمی:

ان کا اصلی نام عبداللہ اوران کا وطن حضرموت ہے۔ یہ ابتدائے اسلام ہی میں مسلمان ہو گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بحرین کا حاکم مقرر فرمایا۔ 14 ہجری میں بحالت جہاد آپ کی وفات ہوئی۔

حضرت حنظلہ بن حزیم:

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔ ایک مرتبہ اپنے والد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور دعا کی درخواست کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست اقدس ان کے سر پر پھیرا۔ یہ اپنا سر جس مریض کو لگا دیتے اللہ تعالیٰ اسے شفاء عطا فرما دیتا۔ (کنز العمال، جلد نمبر 15، صفحہ نمبر 327)

حضرت حارثہ بن نعمان:

حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ فاضل صحابہ میں سے ہیں۔ جنگ بدر اور جنگ احد وغیرہ تمام غزوات میں شامل ہوئے۔ یہ قبیلہ بنونجار میں سے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا:

"میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے وہاں قرأت کی آواز سنی۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کون ہے؟ تو فرشتوں نے کہا یہ حارثہ بن نعمان ہیں، یہ اپنی والدہ کے ساتھ بہترین سلوک کرنے والے ہیں۔" (المشکوۃ المصابیح، باب البر والصلۃ، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 419)

حضرت حکیم بن حزام:

ان کی کنیت ابوخالد ہے اور خاندان قریش کی شاخ بنواسد سے ان کا خاندانی تعلق ہے۔ یہ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے ہیں۔ ان کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ان کی والدہ جبکہ یہ ان کے بطن میں تھے کعبہ کے اندر بتوں پر چڑھاوا چڑھانے کو گئی تو وہیں بیچ کعبہ میں یہ پیدا ہوئے۔ زمانہ جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں میں یہ اشراف قریش میں شمار کیے جاتے تھے۔

فتح مکہ کے سال 8 ہجری کو مشرف بہ اسلام ہوئے۔ بہت ہی عقلمند، معاملہ فہم اور صاحب علم وتقویٰ تھے۔ ایک سو غلاموں کو خرید کر آزاد کیا اور ایک سو اونٹ ان مسافروں کو دے دیئے جن کے پاس سواری کے جانور نہ تھے۔ ایک سو بیس سال عمر پائی، ساٹھ سال کفر میں اور ساٹھ سال اسلام میں گزارے۔ 45 ہجری میں بمقام مدینہ منورہ وصال ہوا۔

حضرت عبداللہ ذوالبجادین:

حضرت عبداللہ (جو کہ ذوالبجادین کے لقب سے مشہور ہیں) رضی اللہ تعالیٰ عنہ مزنیہ قبیلہ کے باشندوں میں سے تھے، ان کے والد فوت ہو گئے تھے۔

مسلمان ہونے سے قبل اُن کے پاس کچھ نہ تھا اور ان کا چچا ان کی کفالت کیا کرتا تھا یہاں تک کہ وہ جوان ہوئے اور ان کے پاس کئی اونٹ و بکریاں اور غلام اکٹھے ہوئے۔

ان کے دل میں اسلام کی محبت مرکوز تھی اور ہمیشہ چاہتے تھے کہ اسلام قبول کر کے مسلمانوں کے زمرہ میں داخل ہو جائیں لیکن اپنے چچا کے خوف سے ایمان نہ لا سکتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ زمانہ آ گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی الہ وصحبہ وسلم فتحِ مکہ سے واپس آ گئے۔ اس وقت حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے چچا سے کہا:

''اے چچا! میں ساری عمر تیرے اسلام لانے کا منتظر رہا مگر تیری طرف سے محمد (صلی اللہ علیہ وعلی الہ وصحبہ وسلم) کی متابعت کا شوق اور جذبہ نہیں پایا۔ اب میں مزید اپنی عمر کا بھروسہ نہیں رکھتا مجھے اجازت دے کہ میں جا کر مسلمان ہو جاؤں۔''

آپ کے چچا نے کہا:

''خدا کی قسم! اگر تو ایمان لے آیا اور محمد (صلی اللہ علیہ وعلی الہ وصحبہ وسلم) کی متابعت کی تو جو کچھ میں نے تجھے دے رکھا ہے سب چھین لوں گا، حتیٰ کہ تمہارے جسم پر جو کپڑے ہیں انہیں بھی اتار لوں گا۔''

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''خدا کی قسم! میں مسلمان ہوتا ہوں اور شرک و بت پرستی چھوڑتا ہوں اور میرے ہاتھ میں جو مال و اسباب ہے تو سب لے لے میں اس سے دست کش ہوتا ہوں۔ آخری وقت میں بھی تو ہر چیز یونہی چھوڑنی ہے تو پھر میں اِن اشیاء کی خاطر دینِ حق کو قبول کرنے سے باز کیوں رہوں۔؟''

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کہہ کر سب مال و دولت چھوڑ دیا اور کپڑے اتار کر اپنی والدہ کے پاس گئے۔ اُن کی ماں نے جب یہ حال دیکھا تو کیفیت پوچھی۔ انہوں نے فرمایا:

''میں بت پرستی اور دنیا طلبی سے بیزار ہوں میری تمنا ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وعلی الہ وصحبہ وسلم) کی بارگاہ میں حاضر ہو کر مومن و موحد ہو جاؤں۔ مجھے کپڑا دو جس سے میں اپنا ستر چھپاؤں۔''

ماں نے انہیں چادر دی انہوں نے اس کے دو حصے کیے ایک حصے کا تہبند اور دوسرے کی چادر بنائی۔ اس سبب سے ان کا لقب ''ذُو الْبِجَادَیْنِ'' ہوا ''بِجَادٌ'' کے معنی ''گلیم درشت'' یعنی موٹی چادر کے ہیں۔

اس کے بعد وہ بارگاہِ بیکس پناہ کی طرف چل دیئے۔ سحری کے وقت حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ پہنچے اور مسجدِ نبوی شریف میں ٹھہرے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وعلی الہ وصحبہ وسلم نماز کے لیے باہر تشریف لائے تو آپ کی نظر مبارک ان پر پڑی۔ آپ نے فرمایا:

''کون ہو۔؟''

انہوں نے عرض کیا:

''میں فقیر و مسافر آپ کا عاشقِ جمال ہوں۔ میرا نام عبداللہ ہے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وعلی الہ وصحبہ وسلم نے فرمایا:

''تمہارا نام عبداللہ اور تمہارا لقب ذوالبجادین ہے۔تم ہمارے کاشانۂ اقدس کے قریب ہمارے پاس رہو۔''

اس کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اَصحابِ صفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان جہاں حضور صلی اللہ علیہ وعلی الہ وصحبہ وسلم کے مہمان رہا کرتے تھے رہنے لگے اور حضور صلی اللہ علیہ وعلی الہ وصحبہ وسلم سے قرآنِ کریم یاد کرتے تھے۔

اس زمانے میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم لشکرِ تبوک کی تیاری میں مشغول تھے اور حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد شریف میں ذوق وشوق کے ساتھ بلند آواز سے قرآن شریف پڑھا کرتے تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! آپ ملاحظہ فرماتے ہیں کہ یہ اعرابی بلند آواز سے قرآن مجید پڑھتے ہیں۔ان کی بلند آوازی لوگوں کی نماز وقراءت میں مزاحم ہوتی ہے۔؟''

حضور صلی اللہ علیہ وعلی الہ وصحبہ وسلم نے فرمایا:

''اے عمر! اِن کو اپنے حال پر چھوڑ دو اس لیے کہ وہ نکلا ہوا اور خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وعلی الہ وصحبہ وسلم کی طرف ہجرت کرنے والا ہے۔''

اس کے بعد جب لشکرِ اسلام روانہ ہونے لگا تو حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وعلی الہ وصحبہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوکر عرض کرنے لگے۔

''یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وعلی الہ وصحبہ وسلم)! دعا فرمایئے کہ میں راہِ خدا میں شہید ہوجاؤں۔''

حضور صلی اللہ علیہ وعلی الہ وصحبہ وسلم نے فرمایا:

''کسی درخت کی چھال لاؤ۔''

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ درخت کی چھال لے کر آئے تو وہ چھال حضور صلی اللہ علیہ وعلی الہ وصحبہ وسلم نے اُن سے لے کر اُن کے بازوں پر باندھ دی اور فرمایا:

''اے خدا! میں اس کے خون کو کافروں پر حرام قرار دیتا ہوں۔''

انہوں نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! میرا مقصد تو شہادت ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب تم راہِ خدا میں جہاد کی نیت سے نکل آئے اور تمہیں بخار آجائے اور تم اس بخار کی وجہ سے دنیا سے چلے جاؤ تو تم شہید ہوگے۔''

اس کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وعلی الہ وصحبہ وسلم کی خدمت کرتے ہوئے

تبوک تک پہنچ گئے۔اس مقام میں انہیں بخار آیا اور وفات پائی۔

حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

''رات کا وقت تھا جبکہ حضرت عبداللہ (رضی اللہ عنہ) کو دفن کے لیے لے گئے۔ میں نے دیکھا کہ حضرت بلال بن رباح جو کہ رسول اللہ کے مؤذن تھے، ایک چراغ ہاتھ میں لیے ہوئے تھے اور سید عالم صلی اللہ علیہ وعلیٰ الہ وصحبہ وسلم ان کی قبر کے اندر تشریف فرما تھے۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو قبر میں اتار رہے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ الہ وصحبہ وسلم فرمار ہے تھے۔

''اپنے بھائی کو عزت سے لاؤ۔''

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ الہ وصحبہ وسلم نے ان کی لحد میں خشتِ خام چنیں۔پھر دُعا مانگی:

''اے اللہ! یہ میری خدمت میں دن رات رہے، میں اس سے راضی ہوں، تو بھی اس سے راضی ہو جا۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

''کاش اس لحد والے کی جگہ میں ہوتا۔''

حضرت سویبط:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ اکرم ﷺ کی وفات سے ایک سال قبل تجارت کے لئے بصریٰ (شام) کی طرف گئے۔نعمان اور سویبط ان کے ساتھ تھے۔ یہ دونوں بدری صحابی تھے۔سویبط ایک مزاحیہ آدمی تھے۔نعمان کی ڈیوٹی کھانے پر تھی۔سویبط نے ان سے کھانے کا مطالبہ کیا۔وہ فرمانے لگے:

''انتظار کرو تا کہ ابوبکر آ جائیں۔''

سویبط نے کہا:

''اچھا تو پھر میں تمہیں ضرور غصہ دلاؤں گا۔!''

چلتے چلتے ان کا گزر ایک قوم کے پاس سے ہوا۔سویبط نے کہا:

''تم غلام خریدو گے۔؟''

انہوں نے کہا:

''ہاں!''

سویبط نے انہیں کہا:

''یہ غلام بڑا عجیب ہے۔ جب تم اسے لوگے وہ کہے گا:''میں آزاد ہوں۔''اگر تم نے یہ بات سن کر چھوڑ دینا ہے تو میرے غلام کو خراب نہ کرو۔!''

انہوں نے لینے کا مصمم ارادہ ظاہر کیا۔انہوں نے کہا:

''دس اونٹنیاں ادا کرو۔''

جب وہ آئے اور انہوں نے نعمان کے گلے میں کپڑا یا رسی ڈال دی تو وہ کہنے لگے:

''یہ تم سے مذاق کر رہا ہے میں آزاد ہوں۔ غلام نہیں ہوں۔''

وہ کہنے لگے:

''ہمیں تمہاری خبر مل چکی ہے۔!''

وہ اسے لے کر چلے گئے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے تو سویبط نے انہیں خبر دی۔ وہ گئے اور اونٹ دے کر انہیں واپس لے آئے۔ جب مدینہ واپس آئے اور سرکار ﷺ کو بتایا تو آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ ہنس پڑے۔

حضرت خزیمہ کی گواہی:

نبی کریم ﷺ نے ایک اعرابی سے گھوڑا خریدا، گھر جا کر قیمت دینے کا وعدہ فرمایا اور تیزی سے آگے تشریف لے گئے۔ راستے میں لوگ اس بدو سے ملتے اور سودا طے کرنے کی کوشش کرتے۔ انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ سرکار ﷺ نے یہ گھوڑا خرید لیا ہے۔ اتفاق سے ایک آدمی نے قیمت زیادہ لگا دی۔ بدو نے سرکار ﷺ کو آواز دی:

''اگر آپ نے یہ گھوڑا خریدنا ہے تو خرید لیں وگرنہ میں نے اسے بیچ دیا۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''گھوڑا تو تم پہلے ہی مجھے بیچ چکے ہو۔''

وہ کہنے لگا:

''نہیں۔!''

لوگ رسول اللہ ﷺ کے گرد جمع ہونے لگے۔ بدو آپ ﷺ سے ساتھ تکرار کر رہا تھا۔ وہ مطالبہ کرنے لگا کہ اگر آپ نے گھوڑا خرید لیا ہے تو گواہ لایئے۔ جو مسلمان بھی آتا بدو سے کہتا:

''تیرا ناس ہو! کیا نبی کریم ﷺ سچ نہیں فرماتے ہیں۔؟''

اتنے میں حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ آ گئے۔ انہیں بدو کی حضور ﷺ سے تکرار کا علم ہوا۔ وہ اعرابی کہہ رہا تھا کہ کوئی گواہ لایئے جو یہ گواہی دے کہ میں نے یہ گھوڑا آپ کو بیچ دیا ہے۔ حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ تم یہ گھوڑا نبی اکرم ﷺ کو فروخت کیا ہے۔''

حضور اکرم ﷺ خزیمہ رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

''تم کس طرح گواہی دے رہے ہو حالانکہ تم اس وقت وہاں موجود نہ تھے۔''

انہوں نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ ﷺ! ہم نے آپ کے بارے میں اس سے بڑی گواہی دی۔ ہم نے آپ ﷺ کی

رسالت کی گواہی دی ہے تو کیا ان دینوی معاملات میں آپ کی تصدیق نہ کریں گے۔؟''

یہ سن کر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی گواہی کو دو آدمیوں کی گواہی کے برابر قرار دیا۔

حضرت ثابت بن قیس:

یہ مدینہ منورہ کے انصاری ہیں اور خاندان بنی خزرج سے تعلق ہے۔ اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فہرست میں ان کا نام بہت مشہور ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حیات طیبہ، پھر شہادت اور پھر جنت کی بشارت دی۔ 12 ہجری میں جنگ یمامہ کے دن مسیلمۃ الکذاب کی فوجوں سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے۔

حضرت یعلی بن مرہ:

یہ قبیلہ بنو ثقیف سے ہیں۔ بہت ہی بہادر اور جانباز صحابی تھے۔ بہت سے اسلامی معرکوں میں شریک جہاد ہوئے اور محدثین کی بہت بڑی جماعت نے ان سے حدیثوں کا درلیا۔ کوفہ کے نامور محدثین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

حضرت سائب بن یزید:

ان کی کنیت ابو یزید ہے۔ بنو کندہ سے خاندانی تعلق ہے۔ ہجرت کے دوسرے سال پیدا ہوئے اور حجۃ الوداع میں اپنے والد کے ساتھ حج کیا۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ ان کے شاگردوں میں بہت ہی مشہور ہیں۔ 80 ہجری میں وفات پائی۔

حضرت دحیہ بن خلیفہ:

یہ بہت ہی بلند مرتبہ صحابی ہیں۔ جنگ احد اور اس کے بعد کے تمام اسلامی معرکوں میں شرکت کی۔ 6 ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں روم کے بادشاہ قیصر کے دربار میں اپنا خط مبارک دے کر بھیجا۔ قیصر روم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط پڑھ کر ایمان لے آیا مگر اس کی سلطنت کے ارکان نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

حضرت دحیہ بن خلیفہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چمڑے کا موزہ پیش کیا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور تحفہ قبول فرمالیا۔ یہ مدینہ منورہ سے ملک شام آ کر مقیم ہو گئے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے تک زندہ رہے۔ (الاکمال فی اسماء الرجال، صفحہ نمبر 594)

حضرت ابو امامہ باہلی:

ان کا نام صدی بن عجلان ہے مگر یہ اپنی کنیت ہی کے ساتھ مشہور ہوئے۔ بنو باہلہ کے خاندان سے ہیں اس لیے باہلی کہلائے۔ مسلمان ہو جانے کے بعد سب سے پہلے صلح حدیبیہ میں شریک ہو کر بیعت الرضوان کے شرف سے سرفراز ہوئے۔ دو سو پچاس احادیث روایت کیں۔ احادیث کے درس و اشاعت میں ان کو بے حد شغف تھا۔ پہلے مصر میں رہتے تھے پھر حمص چلے گئے اور وہیں 86 ہجری میں 91 سال کی عمر میں وفات پائی۔ اپنی داڑھی میں

زرد رنگ کا خضاب کرتے تھے۔ (اسد الغابہ، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 16)

حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ

یہ یمن کے رہنے والے تھے۔ مکہ مکرمہ آکر اسلام قبول کیا۔ پہلے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے پھر حبشہ سے کشتیوں پر سوار ہو کر تمام مہاجرین حبشہ کے ساتھ خیبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے 20 ہجری میں ان کو بصرہ کا گورنر بنایا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت تک یہ بصرہ کے گورنر رہے۔ جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جنگ ہوئی تو پہلے یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرفدار تھے مگر اس جھگڑے سے منقبض ہو کر مکہ مکرمہ چلے گئے۔ 52 ہجری میں بمقام مکہ مکرمہ آپ کی وفات ہوئی۔

حضرت سلمان فارسی:

ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ یہ ملک فارس کے شہر ''رامہرمز'' کے رہنے والے ہیں۔ مجوسی مذہب کے پابند تھے اور ان کا والد مجوسیوں کی عبادت گاہ کا منتظم تھا۔ یہ راہبوں اور عیسائی پادریوں کی صحبت میں بیٹھے اور مجوسیت سے بیزار ہو گئے۔ اپنے وطن کو چھوڑا اور دین حق کی تلاش میں گھر سے نکل پڑے۔ بہت سے عیسائیوں کی صحبت میں رہ کر عیسائی ہو گئے۔ پھر ڈاکوؤں نے گرفتار کر لیا اور اپنا غلام بنا کر بیچ دیا اور یکے بعد دیگرے یہ دس آدمیوں سے زیادہ کے غلام رہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت یہ ایک یہودی کے غلام تھے۔ جب انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا۔

جنگ خندق میں مدینہ منورہ شہر کے گرد خندق کھودنے کا مشورہ انہوں نے ہی دیا تھا۔ یہ بہت ہی طاقتور تھے اور انصار و مہاجرین دونوں سے محبت کرتے تھے۔ چنانچہ انصاریوں نے کہنا شروع کر دیا:

''سلمان منا''

''سلمان ہم سے ہیں۔''

مہاجرین نے بھی یہی کہا:

''سلمان منا''

''سلمان ہم سے ہیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بڑی محبت فرماتے تھے۔ آپ نے فرمایا:

''سلمان منا اہل البیت''

''سلمان ہمارے اہل بیت سے ہیں۔''

عقد مواخات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا۔ ان کا شمار اکابر صحابہ میں ہوتا ہے۔ بہت ہی عابد و زاہد اور متقی و پرہیزگار تھے۔ احادیث میں ان کے بہت ہی فضائل

ومناقب مذکور ہیں۔ان کی عمر دو سو پچاس برس سے زائد ہوئی اور انہوں نے 10 رجب 35 ہجری میں وفات پائی۔ان کی قبر مداین میں ہے۔(الجامع الترمذی، باب مناقب سلمان فارسی)

حضرت عبداللہ بن جعفر:

یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں۔ان کی والدہ کا نام اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا ہے۔ ان کے والدین جب ہجرت کرکے حبشہ چلے گئے تو یہ حبشہ میں ہی پیدا ہوئے۔پھر اپنے والدین کے ساتھ ہجرت کرکے مدینہ منورہ آئے ۔یہ بہت ہی دانشمند، حلیم، نہایت ہی علم وفضل والے اور بہت ہی پرہیزگار تھے۔بہت ہی زیادہ سخی تھے،لوگ ان کو''اسخی المسلمین''(مسلمانوں میں سب سے زیادہ سخی) کہہ کر پکارا کرتے تھے۔نوے برس کی عمر پاکر 80 ہجری میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔حاکم مدینہ حضرت ابان بن عثمان رضی اللہ عنہما نے ان کو اپنے ہاتھوں سے غسل دے کر کفن پہنایا، جنازہ اٹھا کر جنت البقیع میں لے کر آئے اور خود ہی نماز جنازہ پڑھائی۔آپ نے بانوے برس عمر پائی۔

حضرت عبداللہ بن عباس:

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے حکمت اور فقہ وتفسیر کے علوم کے ماہر ہونے کی دعا مانگی۔ان کا علم بہت ہی وسیع تھا،اسی لیے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہ ان کو بحر(علم کا دریا) اور حبر الامۃ (اس امت کا بہت بڑا عالم) کہا کرتے تھے۔

آپ بہت ہی خوبصورت گورے رنگ کے نہایت ہی حسین وجمیل شخص تھے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو کم عمری کے باوجود امور خلافت کے اہم ترین مشوروں میں شریک کرتے تھے۔لیث بن ابی سلیم نے طاؤس محدث رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آپ اس نوعمر صحابی (حضرت ابن عباس) کی درس گاہ سے کیوں چمٹے ہوئے ہو اور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی درس گاہوں میں کیوں نہیں جاتے۔؟تو حضرت طاؤس محدث رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

''میں نے دیکھا ہے کہ ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جب کسی مسئلہ میں اختلاف کرتے ہیں تو وہ سب حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول پر متفق ہو کر عمل کرتے ہیں۔ مجھے ان کے علم کی وسعت پر اعتماد ہے،اس لیے میں ان کی درس گاہ چھوڑ کر کہیں نہیں جاتا۔''

آپ پر خوف الٰہی کا بہت زیادہ غلبہ تھا۔آپ اس قدر روتے تھے کہ آپ کے دونوں رخساروں پر آنسوؤں کی دھار بہنے کے نشان پڑ گئے تھے۔68 ہجری میں بمقام طائف 71 برس کی عمر میں آپ کا وصال ہوا۔

حضرت ابوذر غفاری:

ان کا نام جندب بن جنادہ ہے مگر کنیت کے ساتھ زیادہ مشہور ہوئے۔بہت ہی بلند پایہ صحابی ہیں۔زہد وتقویٰ اور قناعت وعبادت کے اعتبار سے تمام صحابہ میں ایک خصوصی مقام رکھتے ہیں۔ابتدائے اسلام ہی میں مسلمان ہوگئے تھے۔آپ سے پہلے کل چار افراد مسلمان ہوئے تھے۔مکہ مکرمہ میں اسلام قبول کیا اور پھر اپنے وطن قبیلہ بنی غفار چلے گئے۔پھر خندق کے بعد ہجرت کرکے مدینہ طیبہ پہنچے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کچھ

دنوں کے لیے ملک شام چلے گئے پھر وہاں سے لوٹ کر مدینہ آئے اور یہاں سے چند میل دور مقام زبدہ میں سکونت اختیار کی۔

ان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھنا خوش کرے وہ ابوذر کو دیکھ لے۔''

بہت سے صحابہ اور تابعین علم حدیث میں آپ کے شاگرد ہیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بمقام زبدہ 32 ہجری میں وفات پائی۔

حضرت عاصم بن ثابت:

یہ انصار کے قبیلہ اوس کے مایہ نازسپوت ہیں۔ان کا نام عاصم بن ثابت بن الافلح الانصاری ہے۔انہوں نے جنگ بدر میں بے مثال جرأت کا مظاہرہ کیا اور کفار قریش کے بڑے بڑے نامور سرداروں کو قتل کیا۔ یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فرزند حضرت عاصم بن عمر رضی اللہ عنہ کے نانا ہیں۔

4 ہجری میں غزوہ الرجیع کی جنگ میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے کیونکہ انہوں نے جنگ بدر میں کفار کے سرداروں کو قتل کیا تھا اس لیے کافروں نے چند آدمیوں کو مقام رجیع میں بھیجا تا کہ حضرت عاصم کا سر کاٹ کر لائیں جس سے شناخت ہو جائے کہ واقعی عاصم قتل ہو گئے ہیں۔ چنانچہ کفار ان کی لاش کی تلاش میں مقام رجیع پہنچے تو دیکھتے ہیں کہ لاکھوں کی تعداد میں شہد کی مکھیوں نے ان کی لاش کے اردگرد گھیرا ڈال رکھا ہے جس کی وجہ سے ان کے جسم تک کسی آدمی کا پہنچنا ناممکن ہے۔ بہر حال کفار مکہ ناکام و نامراد لوٹے۔

(صحیح الجامع للبخاری، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 569)

حضرت عبداللہ بن بسر:

یہ عبداللہ بن بسر مازنی ہیں۔ان کی کنیت ابو بسر یا ابوصفوان ہے۔آخری عمر میں ملک شام چلے گئے۔ یہ وہ آخری صحابی ہیں جن کا وصال ملک شام میں ہوا۔ شہر حمص میں وضو کرتے ہوئے بالکل اچانک وفات پائی۔ بوقت وصال ان کی عمر 94 برس تھی۔

حضرت عباس:

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں۔ان کی عمر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سال زائد تھی۔ یہ ابتدائے اسلام میں کفار مکہ کے ساتھ تھے یہاں تک کہ جنگ بدر میں کفار کی طرف سے جنگ میں شریک ہوئے اور مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔ یہ بہت ہی معزز اور مالدار تھے۔ زمانہ جاہلیت میں بھی حجاج کو زمزم پلانے اور خانہ کعبہ کی تعمیرات کا اعزاز ان کو حاصل تھا۔ فتح مکہ کے دن انہی کی ترغیب پر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا اور دوسرے سرداران قریش بھی انہی سے متاثر ہو کر اسلام کے دامن میں آئے۔ان کے فضائل میں بہت سی احادیث بھی مروی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بہت سی بشارتیں اور بہت زیادہ دعائیں دی ہیں جن کا تذکرہ صحاح ستہ اور حدیث کی دوسری کتب میں تفصیلاً موجود ہے۔ 32 ہجری میں 88 برس کی

عمر پا کر مدینہ منورہ میں فوت ہوئے اور جنت البقیع میں سپردِ خاک کیے گئے۔
حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا:
''آپ بڑے ہیں یا نبی اکرم ﷺ۔؟''
تو آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:
''وہ مجھ سے بڑے ہیں لیکن میں ان سے پہلے پیدا ہوا تھا۔!''
غزوۂ بدر سے فراغت کے بعد سرکارِ رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں عرض کی گیا:
''اب اس قافلہ کو لوٹنے میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہ گئی۔''
حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو کہ بدر کے قیدیوں میں سے تھے اور بیڑیوں میں بندھے ہوئے تھے، پکار اٹھے:
''آپ کو یہ نہیں ملے گا۔!''
آپ ﷺ نے فرمایا:
''کیوں نہیں۔؟''
وہ کہنے لگے:
''چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ فرمایا تھا اور وہ آپ کو مل گیا۔''
امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اکرم ﷺ کسی جگہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ آپ ﷺ نے بدبو محسوس کی تو فرمایا:
''جس کی ہوا خارج ہوئی ہے وہ جائے اور وضو کر کے آئے۔ اس شخص کو شرم آ گئی اور وہ نہ اٹھا۔''
آپ ﷺ نے دوبارہ فرمایا:
''وہ شخص اٹھے اور وضو کر لے کیونکہ اللہ تعالیٰ حق سے نہیں شرماتا۔''
حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:
''یا رسول اللہ! کیوں نہ ہم سب کھڑے ہوں اور وضو کر کے آئیں۔؟''

حضرت طلحہ بن عبید اللہ:

آپ کا نام نامی بھی عشرہ مبشرہ کی فہرست میں ہے۔
مکہ مکرمہ کے اندر خاندان قریش میں آپ کی پیدائش ہوئی۔ ماں باپ نے طلحہ نام رکھا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فیاض و جواد اور خیر کے القابات عطا فرمائے۔
یہ جماعت صحابہ میں سے سابقین الاولین کے زمرہ میں ہیں۔ ان کے اسلام لانے کا واقعہ یہ ہے کہ یہ بسلسلہ تجارت بصرہ گئے تو وہاں کے ایک عیسائی پادری نے ان سے دریافت کیا:
''کیا مکہ میں احمد نبی پیدا ہو چکے ہیں۔؟''
انہوں نے حیران ہو کر پوچھا:

"کون احمد نبی۔؟"

پادری نے کہا:

"احمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ،وہ نبی آخرالزمان ہیں اوران کی نبوت کے ظہور کا یہی زمانہ ہے۔ان کی پہچان کا نشان یہ ہے کہ وہ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوں گے اور کھجوروں والے شہر(مدینہ منورہ) کی طرف ہجرت کریں گے۔"

کیونکہ اس وقت تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت کا اعلان نہیں فرمایا تھا اس لیے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ پادری کو اس بارے میں کوئی جواب نہ دے سکے،لیکن بصرہ سے مکہ مکرمہ آنے کے بعد جب ان کو پتہ چلا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت فرمادیا ہے تو یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوکر مشرف با اسلام ہوئے۔

کفار مکہ نے ان کو بدحد ستایا اور رسیاں باندھ باندھ کر ان کو سزا دیتے رہے۔مگر یہ پہاڑ کی طرح دین اسلام پر ثابت قدم رہے۔

پھر ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے اور جنگ بدر کے سوا تمام غزوات میں شریک ہوئے۔

جنگ بدر میں ان کی غیر حاضری کا یہ سبب ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو ابوسفیان کے قافلہ کی تلاش میں بھیج دیا تھا۔حضرت ابوسفیان کا قافلہ ساحل سمندر کے راستوں سے ہوتا ہوا مکہ مکرمہ چلا گیا اور یہ دونوں حضرات جب لوٹ کر میدان بدر میں پہنچے تو جنگ ختم ہو چکی تھی۔

جنگ احد میں انہوں نے بڑی ہی بہادری اور جانبازی کا مظاہرہ کیا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے حملوں سے بچانے میں خوب طاقت کے جوہر دکھائے۔چونکہ یہ تلوار اور نیزوں کی بوچھاڑ کو اپنے پر روکتے رہے اس لیے آپ کی انگلی کٹ گئی، ہاتھ بالکل شل ہو گیا اوران کی بدن پر تیر و تلوار اور نیزوں کے 75 زخم لگے۔

ان کے فضائل ومناقب میں احادیث بھی موجود ہیں۔جنگ احد کے دن جب جنگ رک جانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم چٹان پر چڑھنے لگے تو لوہے کی زرہ کے بوجھ کی وجہ سے چٹان پر چڑھنا دشوار ہو گیا اس وقت حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے بدن کے اوپر سے گزر کر چٹان پر چڑھے اور خوش ہو کر فرمایا:

"اوجب طلحة"

"طلحہ نے اپنے لیے جنت واجب کرلی۔"(مشکوۃ المصابیح،عربی صفحہ نمبر 566)

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

"زمین پر چلتا پھرتا شہید طلحہ ہے۔"(کنز العمال،جلد نمبر 12، صفحہ نمبر 275، مطبوعہ حیدرآباد انڈیا)

20 جمادی الاخریٰ 36 ہجری کو جنگ جمل کے دوران آپ کو ایک تیر لگا اور آپ 64 برس کی عمر میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔

حضرت زبیر ابن العوام:

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے فرزند ہیں۔ یہ رشتے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی، حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے داماد ہیں۔ یہ بھی اصحاب عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔

بہت ہی بلند قامت، سفید رنگت والے اور چھریرے بدن والے تھے۔ اپنی والدہ ماجدہ کی بہترین تربیت کی بدولت بچپن ہی سے نڈر، جفاکش، بلند حوصلہ اور نہایت ہی اولوالعزم اور بہادر تھے۔

سولہ برس کی عمر میں اس وقت اسلام قبول کیا جبکہ ابھی چھ یا سات آدمی ہی حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے۔ غزوات میں کفار کے بہادروں کے مقابلے میں آپ نے جس بہادری کا مظاہرہ کیا تاریخ میں اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خندق کے دن "حواری (مخلص وجانثار ساتھی) کا لقب عطا فرمایا۔

آپ جنگ جمل سے بیزار ہو کر واپس تشریف لے جا رہے تھے کہ عمرو بن جرموز نے آپ کو دھوکا دے کر 36 ہجری میں آپ کو شہید کر دیا۔ وقت شہادت آپ کی عمر 64 برس تھی۔ آپ نے مقام صفوان میں شہادت پائی۔ پہلے آپ وادی السباع میں دفن کیے گئے مگر پھر لوگوں نے ان کے جنازہ کو قبر سے نکال کر پورے اعزاز واحترام کے ساتھ بصرہ میں سپرد خاک کیا، جہاں آپ کی قبر مشہور زیارت گاہ ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف:

یہ بھی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے دس سال بعد خاندان قریش میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وتربیت اسی طرح ہوئی جس طرح سرداران قریش کے بچوں کی ہوا کرتی تھی۔

ان کے اسلام لانے کا سبب یہ ہوا کہ یمن کے ایک بوڑھے عیسائی راہب نے ان کو نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی خبر دی اور یہ بتایا کہ وہ نبی مکہ میں پیدا ہوگا اور مدینہ کو ہجرت کرے گا۔ جب یہ یمن سے لوٹ کر مکہ واپس آئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔ چنانچہ یہ ایک دن بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔ آپ سے پہلے چند ہی آدمی مسلمان ہوئے تھے۔

چونکہ مسلمان ہوتے ہی آپ کے گھر والوں نے آپ پر ظلم وستم شروع کر دیا اس لیے آپ ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے۔ پھر حبشہ سے مکہ مکرمہ واپس آئے اور اپنا سارا مال واسباب چھوڑ کر بالکل خالی ہاتھ ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے۔

مدینہ منورہ پہنچ کر آپ نے بازار کا رخ کیا اور چند ہی دنوں میں آپ کی تجارت میں اس قدر خیر وبرکت ہوئی کہ آپ کا شمار دولت مندوں میں ہونے لگا۔ آپ نے قبیلہ انصار کی ایک خاتون سے نکاح فرمایا۔

تمام غزوات میں اپنے مال وجان کے ساتھ شرکت کی۔ جنگ احد میں ایسی جانبازی اور سرفروشی کے ساتھ کفار سے لڑے کہ بدن پر اکیس زخم لگے، آپ کے پاؤں میں ایک گہرا زخم لگا جس کی وجہ سے ساری زندگی ٹانگ

کو جھکا کر چلا کرتے تھے۔

آپ بڑے سخی تھے۔ سخاوت کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ آپ نے اپنا سات سو اونٹوں پر مشتمل تجارتی قافلہ مع سامان اور اونٹوں کے اللہ کی راہ میں خیرات کر دیا۔ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو صدقہ دینے کو فرمایا تو آپ نے چار ہزار درہم، دوسری مرتبہ چالیس ہزار درہم اور تیسری مرتبہ پچاس ہزار دیناروں کا صدقہ کیا۔ وفات کے وقت جنگ بدر میں شریک ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے لیے اپنے مال سے چار چار سو دینار دینے کی وصیت فرمائی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر امہات المومنین کے لیے ایک باغ وقف فرمایا جو چالیس ہزار درہم کی مالیت کا تھا۔ (مشکوۃ المصابیح، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 567)

32 ہجری میں کچھ دنوں بیمار رہ کر 72 سال کی عمر میں وصال فرمایا اور مدینہ منورہ کے قبرستان جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ (کنز العمال، جلد نمبر 15، صفحہ نمبر 204) (اکمال فی اسماء الرجال، صفحہ نمبر 603)

حضرت سعد بن ابی وقاص:

ان کی کنیت ابو اسحاق ہے اور خاندان قریش کی ایک بہت ہی نامور شخصیت ہیں جو مکہ مکرمہ کی رہنے والی ہیں۔ یہ ان خوش نصیبوں میں سے ہیں جن کو دنیا میں جنت کی بشارت دی گئی۔ یہ ابتدائے اسلام ہی میں ایمان لے آئے جبکہ ان کی عمر 17 برس تھی۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام معرکوں میں حاضر رہے، آپ خود فرمایا کرتے تھے:

"میں وہ پہلا شخص ہوں جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں کفار پر تیر چلایا اور ہم لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ کر اس حال میں جہاد کیا کہ ہم لوگوں کے پاس سوائے ببول (کیکر) کے پتوں اور ببول کی پھلیوں کے سوا کوئی کھانے کی چیز نہ تھی۔" (المشکوۃ المصابیح، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 567)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر ان کے لیے یہ دعا فرمائی:

"اللھم سدد سھمه واجب دعوته"

"اے اللہ! اس کے تیر کے نشانہ کو درست فرما دے اور اس کی دعا کو قبول فرما۔"

خلافت راشدہ کے زمانے میں بھی یہ فارس اور روم کے جہادوں میں سپہ سالار رہے۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ان کو کوفہ کا گورنر مقرر فرمایا پھر اس عہدہ سے معزول کر دیا اور یہ برابر حق و باطل کے معرکوں میں شرکت کرتے رہے، کبھی سپاہی بن کر تو کبھی اسلامی لشکر کے سپہ سالار کی حیثیت سے۔

جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ امیر المومنین بنے تو انہوں نے دوبارہ انہیں کوفہ کا گورنر بنا دیا۔ آخری عمر میں یہ مدینہ منورہ کے قریب مقام عقیق میں اپنا ایک گھر بنا کر اس میں رہتے تھے۔ 55 ہجری کو 75 برس کی عمر میں آپ نے اسی مکان میں وصال فرمایا۔ آپ نے وصال سے پہلے یہ وصیت فرمائی تھی:

"میرے کفن میں میرا اون کا پرانا جبہ ضرور پہنایا جائے جس کو پہن کر میں نے جنگ بدر میں کفار سے

جہاد کیا تھا۔''

چنانچہ وہ جبہ آپ کے کفن میں شامل کیا گیا۔لوگ فرطِ عقیدت سے آپ کے جنازے کو کندھوں پر اٹھا کر مقامِ حقیق سے مدینہ منورہ لائے ،حاکم مدینہ مروان بن الحکم نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔اصحاب عشرہ مبشرہ میں سے بھی سب سے اخیر میں دنیا سے رخصت ہوئے۔

(تذکرۃ الحفاظ،جلد نمبر 1 ،صفحہ نمبر 22)

حضرت سعید بن زید:

یہ بھی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنتی ہونے کی خوشخبری سنائی۔ یہ خاندان قریش میں سے ہیں اور زمانہ جاہلیت کے مشہور موحد زید بن عمرو بن نفیل کے بیٹے اور امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بہنوئی ہیں۔ یہ جب مسلمان ہوئے تو ان کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے رسی سے باندھ کر مارا اور ان کے گھر میں جا کر ان کو اور اپنی بہن فاطمہ بن الخطاب رضی اللہ عنہا کو بھی مارا۔مگر یہ دونوں استقامت کا پہاڑ بن کر اسلام پر ثابت قدم رہے۔

جنگ بدر میں ان کو اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوسفیان کے قافلے کا پتہ لگانے کے لیے بھیج دیا تھا،اس لیے یہ جنگ بدر میں شامل نہ ہوسکے،مگر اس کے بعد کے تمام غزوات میں یہ شمشیر بکف ہوکر کفار سے لڑتے رہے۔

گندمی رنگ ،بہت ہی دراز قد،خوبصورت اور بہادر جوان تھے۔تقریباً 50 ہجری میں 70 برس کی عمر پاکر مقام حقیق میں وصال فرمایا۔لوگوں نے آپ کے جنازہ کو مدینہ منورہ لا کر جنت البقیع میں دفن کیا۔

(صحیح الجامع للبخاری،جلد نمبر 1 ،صفحہ نمبر 545)(اکمال فی اسماء الرجال،صفحہ نمبر 596)

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح:

یہ خاندان قریش کے بہت ہی نامور اور معزز شخص ہیں۔فہر بن مالک پر ان کا خاندانی شجرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرہ سے مل جاتا ہے۔یہ بھی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ان کا اصلی نام عامر ہے،ابوعبیدہ کنیت ہے اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''امین الامۃ'' کا لقب عطا فرمایا۔

ابتدائے اسلام ہی میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا تو آپ فوراً ہی اسلام قبول کر کے جانثاری کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حاضر ہوگئے۔

پہلے آپ نے حبشہ ہجرت کی پھر حبشہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے۔غزوہ بدر سمیت تمام اسلامی معرکوں میں انتہائی جانبازی کے ساتھ لڑے۔جنگ احد میں لوہے کی ٹوپی کی دو کڑیاں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار میں دھنس گئی تھیں،آپ نے اپنے دانتوں سے پکڑ کر ان کڑیوں کو کھینچ کر نکالا،اسی دوران آپ کے دو اگلے دانت ٹوٹ گئے تھے۔

بہت ہی شیر دل،بہادر،بلند قامت اور بارعب چہرے والے پہلوان تھے۔18 ہجری میں بمقام اردن

عون کی وجہ سے عمواس نامی جگہ پر وفات پا گئے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی مقام بیسان میں دفن ہوئے۔ بوقت وفات عمر 58 برس تھی۔ (اکمال فی اسماء الرجال، صفحہ نمبر 608)

یدالشہداء حضرت امیر حمزہ:

حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں۔ کیونکہ انہوں نے بھی ثویبہ دودھ پیا تھا اس لیے دودھ کے رشتے سے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی ہوئے۔ صرف چار برس ول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں بڑے تھے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہائی والہانہ محبت کرتے تھے ہی وجہ ہے کہ جب حرم کعبہ میں ابوجہل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ برا بھلا کہا باوجود کہ یہ ابھی سلمان نہیں ہوئے تھے لیکن جوش غضب میں اپے سے باہر ہو گئے اور حرم کعبہ میں جا کر ابوجہل کے سر پر اس ور کے ساتھ اپنی کمان سے ضرب لگائی کہ اسکا سر پھٹ گیا اور ہنگامہ برپا ہو گیا۔ آپ نے ابوجہل کا سر پھاڑ کر بآواز کے ساتھ کلمہ توحید ورسالت پڑھا اور قریش کے سامنے زور زور سے اعلان کرنے لگے:

"میں بھی مسلمان ہو چکا ہوں۔ اب کسی کی مجال نہیں ہے کہ میرے بھتیجے کو برا بھلا کہے"

آپ اعلان نبوت کے دوسرے سال مسلمان ہوئے یا چھٹے سال۔ آپ کے مسلمان ہو جانے سے بہت یادہ اسلام اور مسلمانوں کی تقویت کا سامان ہو گیا کیونکہ آپ کی بہادری اور جنگی کارناموں کا سکہ تمام بہادران ریش کے سامنے تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اسد اللہ اور اسد الرسول (اللہ اور اس کے رسول کا شیر) کہہ ر پکارا کرتے تھے۔

3 ہجری میں جنگ اُحد کے معرکے میں لڑتے ہوئے شہادت سے سرفراز ہو گئے اور سید الشہداء کے قابل حترام لقب کے ساتھ مشہور ہوئے۔ (زرقانی، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 270)

حضرت عوف بن مالک:

ان کی کنیت "ابوعبدالرحمٰن"، "ابوعمر اور "ابوحماد" ہے۔ اسلام لانے کے بعد سب سے پہلا جہاد جس میں شرکت کی وہ جنگ خیبر ہے۔ بہت ہی جانثار اور مجاہد صحابی تھے۔ فتح مکہ کے دن قبیلہ اشجع کا جھنڈا انہیں کے ہاتھ یں تھا۔ ملک شام میں سکونت اختیار فرمائی۔ بہت سے صحابہ اور تابعین حدیث میں ان کے شاگرد ہیں۔ شہر دمشق یں 73 ہجری کو وصال فرمایا۔ آپ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم کا بہت زیادہ وظیفہ کیا کرتے تھے۔

(اسدالغابہ، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 156)

حضرت الحافظ ابوزید انصاری:

ابوزید ان کی کنیت ہے۔ نام سعید بن عمیر یا قیس بن سکن ہے۔ ان کا خاندانی تعلق قبیلہ انصار سے ہے اور ان کا وطن مدینہ منورہ ہے۔ یہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں ہی قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔

حضرت عقبہ بن نافع فہری:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ حکومت میں انہیں افریقہ کا گورنر بنا دیا اور انہوں نے افریقہ کے کچھ حصوں کو فتح کر لیا۔ بربری لوگ جو اس ملک کے اصلی باشندے تھے ان کے ہاتھوں مشرف با اسلام ہوئے۔ انہوں نے اس ملک میں اسلامی فوجوں کے لیے ایک چھاؤنی بنائی اور ایک اسلامی شہر آباد کیا۔ یہ شہر عین وسط جنگل میں درخت کاٹ کر بنایا گیا اور اس کا نام قیروان رکھا گیا۔ یہاں بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہ نے سکونت اختیار کی۔

حضرت زید بن حارثہ:

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد فرمایا کر اپنا متبنیٰ بنالیا اور اپنی باندی حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے ان کا نکاح کر دیا جن کے بطن سے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کی یہ خصوصیت ہے کہ قرآن مجید میں ان کے سوا کسی دوسرے صحابی کا نام مرقوم نہیں ہے۔ یہ بہت ہی بہادر اور مجاہد تھے۔ غلاموں میں سب سے پہلے انہوں ہی نے اسلام قبول کیا۔ جنگ موتہ کی مشہور لڑائی میں آپ تمام اسلامی افواج کے سپہ سالار تھے۔ اسی جنگ میں کفار سے لڑتے ہوئے 8 ہجری کو جام شہادت نوش فرمایا۔

حضرت حسان بن ثابت:

یہ قبیلہ انصار کے خاندان خزرج کے بہت ہی نامی گرامی شخص ہیں اور دربارِ رسالت کے خاص الخاص شاعر ہونے کی حیثیت سے تمام صحابہ کرام میں ایک خصوصی امتیاز کے ساتھ ممتاز ہیں۔ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں بہت سے قصائد لکھے اور کفارِ مکہ جو شانِ رسالت میں ہجو لکھ کر بے ادبیاں کرتے تھے آپ اپنے اشعار میں ان کا دندان شکن جواب دیا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے خاص طور پر مسجد نبوی میں منبر رکھواتے جس پر کھڑے ہو کر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں نعت خوانی کرتے۔

ان کی کنیت ابوالولید ہے، ان کے والد کا نام ثابت، دادا کا نام منذر اور پردادا کا نام حرام ہے۔ ان چاروں کے متعلق تاریخی عجوبہ ہے کہ ان چاروں کی عمریں ایک سو بیس سال ہوئیں جو عجائبات عالم میں ہے۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ایک سو بیس برس کی عمر میں سے ساٹھ برس جاہلیت اور ساٹھ برس اسلام میں گزرے۔ آپ نے 40 ہجری کو وصال فرمایا۔ (المشکوٰۃ المصابیح، باب البیان والشعر، صفحہ نمبر 410)

حضرت ابوقرصافہ:

ان کا اصلی نام جندرہ بن خیشنہ ہے مگر یہ اپنی کنیت ابوقرصافہ سے بہت زیادہ مشہور ہوئے۔ یہ قریشی نسل سے ہیں۔ ابتدائے اسلام ہی میں یتیم بچے تھے اور ان کی والدہ اور خالہ نے ان کی پرورش کی۔ یہ بچپن میں بکریاں چرانے جایا کرتے تھے اور ان کی والدہ اور خالہ ان کو سخت تاکید کیا کرتی تھیں کہ خبردار! تم مکہ میں کبھی ان کی صحبت میں نہ بیٹھنا جنہوں نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے مگر یہ بکریاں چراگاہ میں چھوڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

خدمت میں ہر روز چلے جایا کرتے تھے اور بکریوں کے چرانے پر زیادہ دھیان نہیں دیتے تھے۔رفتہ رفتہ بکریاں لاغر ہوگئیں اوران کے تھن خشک ہوگئے۔انہوں نے دربارِ رسالت میں عرض گزاری کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ اقدس سے بکریوں کے تھنوں کو چھو کر دعا کی تو ان کی بکریاں فربہ اور خوب دودھ والی ہو گئیں،ان کی والدہ اور خالہ نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ سنا تو اسلام قبول کرلیا۔

یہ آخری عمر میں ملک شام کے شہر فلسطین میں مقیم ہوگئے۔شاہی محدثین کثرت کے ساتھ ان کے حلقہ درس میں شامل ہوا کرتے تھے۔امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو نسبت کے اعتبار سے لیثی تحریر کیا ہے اور مرقوم کیا ہے کہ یہ بنی لیث بن بکر کے آزاد کردہ غلام تھے۔(کنز العمال،جلد نمبر 16،صفحہ 229)

حضرت عمیر بن سعد انصاری:

انصار کے قبیلہ اوس سے ان کا خاندانی تعلق ہے اور ان کا اصلی وطن مدینہ منورہ ہے۔ملک شام کی فتوحات کے سلسلے میں جتنے معرکے ہوئے ان سب میں انہوں نے بڑے بہادرانہ کارنامے سرانجام دیئے۔امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان کو شام میں حمص کا گورنر مقرر فرمایا۔یہ اس قدر عابد وزاہد تھے کہ ان کی عبادت وریاضت اوران کا زہد وتقویٰ یہاں تک تھا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''کاش!مجھے عمیر بن سعد جیسے چند اشخاص مل جائیں جن کو میں مسلمانوں پر حاکم بناؤں۔''

حضرت اہبان بن صیفی غفاری:

ان کی کنیت ابو مسلم ہے،ان کی صاحبزادی حضرت عدیسہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جب امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان جنگ کی نوبت آن پڑی تو امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ میرے والد کے مکان پر تشریف لائے اور فرمایا:

''تم اس جنگ میں میرا ساتھ دو اور اب تک تم کو کونسی چیز میری حمایت کرنے سے روکے ہوئے ہے۔؟''

تو میرے والد گرامی نے کہا:

''اے امیر المومنین!بس صرف یہی ایک رکاوٹ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی تھی:''اے اہبان!جب مسلمان آپس میں ایک دوسرے سے جنگ کرنے لگیں تو تم اس وقت لکڑی کی تلوار بنالینا۔''

چنانچہ میں نے لکڑی کی تلوار بنالی ہے۔آپ دیکھیے وہ لٹک رہی ہے۔اب بھلا میں لکڑی کی تلوار کے ساتھ کس طرح جنگ کرسکتا ہوں۔؟

یہ کہہ کر وہ بالکل ہی اس لڑائی میں غیر جانبدار رہے۔

حضرت رافع بن خدیج:

ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے اور شجرہ نسب یہ ہے:

"رافع بن خدیج بن عدی بن زید بن جشم بن حارث بن الخزرج بن عمرو بن مالک بن الاوس۔"

یہ انصاری ہیں۔ان کا وطن مدینہ منورہ ہے۔یہ جنگ بدر میں کفار سے لڑنے کے لیے آئے تو ان کو کم عمری کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر میں شامل نہ فرمایا لیکن جنگ احد میں اسلامی فوج میں شامل کر لیے گئے اور خوب جم کر کفار سے لڑتے رہے۔پھر جنگ خندق وغیرہ اکثر لڑائیوں میں یہ مصروف جہاد رہے۔عمر بھر مدینہ منورہ ہی میں رہے۔آپ اپنی قوم کے سردار تھے۔73 یا 74 ہجری میں 86 برس کی عمر پا کر مدینہ منورہ میں وفات پائی۔(اسدالغابہ،جلدنمبر 2،صفحہ نمبر 151)

حضرت زید بن خارجہ انصاری:

یہ انصاری صحابی ہیں اور ان کا وطن مدینہ منورہ ہے۔انہوں نے قبیلہ بنی حارث بنی خزرج میں سکونت اختیار کی۔یہ بہت ہی پرہیزگار اور عبادت گزار صحابی ہیں۔امیر المومنین سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران انہوں نے دنیا سے رحلت کی۔

حضرت عمرو بن مرہ جہنی:

یہ زمانہ جاہلیت میں حج کرنے گئے تو مکہ مکرمہ میں ایک خواب دیکھا اور ایک غیبی آواز سنی جس میں ان کو نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی ترغیب دی گئی۔یہ اس خواب سے بے حد متاثر ہوئے اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے منتظر رہے۔

چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت کیا تو انہوں نے اسی وقت اسلام قبول کر لیا اور پھر اپنی قوم میں آ کر اسلام کی تبلیغ کرنے لگے۔انکی قوم کے کثیر افراد نے اسلام قبول کر لیا۔یہ ہر مسلمان ہونے والے اپنے ساتھی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آتے۔

بہت ہی بہادر اور مجاہد صحابی تھے۔اکثر اسلامی معرکوں میں شمشیر بکف رہے۔آخر میں مدینہ منورہ سے ملک شام میں جا کر سکونت اختیار کی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں وفات پائی۔

(کنز العمال،جلدنمبر 16،صفحہ نمبر 115)

حضرت عمرو بن طفیل دوسی:

یہ اپنے والد حضرت طفیل رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ منورہ آ کر اسلام سے مشرف ہوئے اور تمام عمر مدینہ منورہ ہی میں رہے۔امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں جبکہ مرتدین سے جہاد کے لیے مسلمانوں کا لشکر مدینہ منورہ سے روانہ ہوا تو یہ دونوں باپ بیٹا بھی اس لشکر میں شامل ہو کر جہاد کے لیے چل پڑے۔چنانچہ حضرت طفیل رضی اللہ عنہ جنگ یمامہ میں شہید ہو گئے،اسی جنگ میں حضرت عمرو بن طفیل رضی اللہ عنہما کا ایک ہاتھ کٹ گیا اور شدید زخمی ہو گئے لیکن جلد ہی صحت یاب ہو گئے۔

پھر جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جنگ یرموک کا معرکہ درپیش ہوا تو حضرت عمرو بن طفیل رضی اللہ عنہما اس جہاد میں شریک ہوئے اور لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کر گئے۔

(اسد الغابہ، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 115)

حضرت نابغہ

نابغہ ان کا لقب ہے۔ ان کا نام قیس بن عبداللہ یا حبان بن قیس ہے۔ یہ زمانہ جاہلیت میں بہت اچھے شاعر تھے مگر تیس برس کے بعد شعر گوئی بالکل چھوڑ دی۔ بڑھاپے میں پھر اشعار کہنا شروع کر دیئے تو اس قدر بلند مرتبہ اور باکمال شاعر ہو گئے کہ ان کے ہمعصروں نے ان کو نابغہ (شعر گوئی میں بہت ہی ماہر) کا لقب دیا۔ آپ نے ایک سواسی برس کی عمر پائی۔

حضرت اسامہ بن زید:

یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام اور متبنی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے فرزند ہیں۔ ان کی والدہ کی کنیت ام ایمن اور نام برکتہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر فقط بیس برس تھی مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس لشکر کا سپہ سالار بنایا جو رومیوں سے جنگ کرنے جا رہا تھا۔ اس لشکر میں بہت اجل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین شامل تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی وجہ سے یہ لشکر واپس آ گیا مگر پھر امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دوبارہ اس لشکر کو بھیجا جو فتح یاب ہو کر واپس لوٹا۔

حضرت عباد بن بشر:

یہ مدینہ منورہ کے باشندہ انصاری ہیں جو خاندان بنی عبدالاشہل کے ایک بہت ہی نامور شخص ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے قبل ہی حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی تبلیغ پر اسلام قبول کر لیا۔ بہت ہی دلیر اور جانباز صحابی ہیں۔ جنگ بدر اور جنگ احد وغیرہ کے تمام معرکوں میں بڑی جرات اور شجاعت کے ساتھ لڑے۔ کعب بن اشرف یہودی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدترین دشمن تھا آپ حضرت محمد بن مسلمہ، ابوعبس بن جبل اور ابونائلہ وغیرہ چند انصاریوں کو اپنے ساتھ لے کر اس کے مکان پر گئے اور اس کو قتل کر دیا۔ فاضل صحابہ میں سے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کی آواز سنی تو فرمایا:

"اللہ تعالیٰ حضرت عباد بن بشر پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔"

12 ہجری کی جنگ یمامہ میں شہید ہو گئے، جبکہ آپ کی عمر ابھی صرف 45 برس کی تھی۔

حضرت ابوہریرہ:

آپ یمن کے قبیلہ دوس سے تعلق رکھتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں ان کا نام عبد شمس تھا مگر جب 7 ہجری میں جنگ خیبر کے بعد یہ مسلمان ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبدالرحمٰن رکھ دیا۔ ایک دن ان کے پہلو میں بلی دیکھی تو ان کو یا اباہریرۃ (اے بلی کے باپ) کہہ کر پکارا۔ اسی دن سے ان کی یہ کنیت اس قدر مشہور

ہوگئی کہ لوگ ان کا اصلی نام ہی بھول گئے۔

آپ بہت ہی عبادت گزار اور انتہائی متقی و پرہیزگار تھے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روزانہ ایک ہزار رکعت نفل پڑھا کرتے تھے۔ آٹھ سو صحابہ و تابعین آپ کے شاگرد ہیں۔ آپ نے پانچ ہزار تین سو چوہتر احادیث روایت کیں، جن میں سے چار سو چھیالیس بخاری شریف میں موجود ہیں اور باقی دیگر کتب احادیث میں۔ 59 ہجری میں 78 سال کی عمر پاکر مدینہ منورہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

حضرت براء بن مالک:

یہ بہت ہی نامور صحابی حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں۔ بہت ہی بہادر اور نہایت ہی جنگجو اور سرفروش مجاہد ہیں۔ مسیلمہ کذاب سے جنگ کے وقت بہادری کے بڑے جوہر دکھائے۔ جس باغ میں مسیلمہ چھپ کر اپنی فوجوں کی کمان کر رہا تھا اس باغ کا پھاٹک کسی طرح بھی فتح نہیں ہوتا تھا اور وہاں گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی تو آپ نے مسلمان مجاہدین سے فرمایا:

''تم لوگ مجھے اٹھا کر باغ کی دیوار کے اس پار پھینک دو میں اندر جاکر پھاٹک کھول دوں گا۔''

چنانچہ مسلمان مجاہدوں نے ان کو اٹھا کر دیوار کے اس پار ڈال دیا اور انہوں نے بالکل تنہا دشمنوں سے لڑتے ہوئے باغ کا پھاٹک کھول دیا تو اسلامی فوج باغ میں داخل ہوگئی۔ یہ واقعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران ہوا مگر اس جنگ میں حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ کے جسم پر تیر و تلوار اور نیزوں کے 80 سے زائد زخم لگے۔ چنانچہ ان کے علاج کے لیے امیر لشکر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ایک ماہ تک رکنا پڑا۔

ان کی ایسی دلیرانہ جاں بازیوں کی بناء پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے زمانے میں فوجوں کو سخت تاکید فرماتے تھے کہ خبردار! براء بن مالک کو کبھی فوج کا سپہ سالار نہ بنایا جائے ورنہ وہ ساری قوم کو ہلاکت میں ڈال دیں گے، کیونکہ وہ انجام سے بے پرواہ ہو کر دشمنوں کی صفوں میں گھس جاتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے بھی کئی موقعوں پر حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ کی تعریف فرمائی۔ یہ بہت ہی خوش آواز اور بہترین حدی خواں تھے۔ عراق کی لڑائیوں میں یہ اپنے بھائی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ساتھ دشمنوں کے ایک قلعہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھے جو موضع حریق میں تھا۔ کفار گرم گرم زنجیروں میں لوہے کے آنکڑے لگا کر قلعہ کی دیوار سے مسلمانوں پر ڈالتے تھے اور ان کو آنکڑوں میں پھنسا کر اپنی طرف کھینچ لیتے۔ ان کافروں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو بھی آنکڑوں میں پھنسا لیا اور قلعہ کی دیوار پر کھینچنے لگے۔ حضرت براء بن مالک نے جب یہ دیکھا تو قلعہ کی دوار پر چڑھ کر جلتی ہوئی زنجیر کو پکڑا اور پھر اس رسی کو کاٹ دیا جس سے زنجیر بندھی ہوئی تھی۔ اس طرح حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی جان تو بچ گئی مگر حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ نے گرم زنجیر کو جو پکڑا تھا اس کی وجہ سے آپ کے ہاتھوں کی ہتھیلیوں کا پورا گوشت جل گیا اور سفید ہڈیاں نظر آنے لگی، جنگ تستر میں 20 ہجری کو انہوں نے بڑی دلیری دکھائی کہ ایک سو کافروں کو قتل کیا

اور پھر زخموں کی تاب نہ لا کر خود شہادت پا گئے۔

حضرت عبداللہ بن جحش:

قریش کے خاندان بنو اسد سے ان کا نسبی تعلق ہے۔ یہ حضرت ام المومنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے بھائی ہیں۔ یہ ابتدائے اسلام ہی میں ایمان لے آئے اور پہلے حبشہ اور پھر مدینہ منورہ ہجرت کی، اس لیے ان کو صاحب الہجرتین (دو ہجرتیں کرنے والے) کا لقب ملا۔ جنگ بدر کے معرکے میں انتہائی جانبازی اور سرفروشی کے جذبے سے جنگ کی اور 3 ہجری کو جنگ احد میں کفار سے لڑتے ہوئے شہادت پا گئے۔ یہ مستجاب الدعوات تھے۔

حضرت ابوطلحہ انصاری:

یہ قبیلہ انصار کے خاندان بنو نجار کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے بیوہ ہوجانے کے بعد ان سے نکاح کرلیا۔ یہ بہت ہی مشہور تیرانداز اور نشانہ باز تھے۔ ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لشکر میں ابوطلحہ کی ایک للکار ایک ہزار سواروں سے بڑھ کر رعب دار ہے۔"

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت فرمانے سے قبل ہی حج کے موقع پر منیٰ میں اپنے ستر ساتھیوں کے ساتھ حاضر ہو کر مسلمان ہوگئے تھے۔ جنگ بدر واحد اور اس کے بعد کے معرکوں میں شریک ہوئے اور بڑے مجاہدانہ کارناموں کا مظاہرہ کیا۔ 31 ہجری میں 77 برس کی عمر میں راہی ملک بقا ہوئے۔

حضرت عروۃ بن ابی الجعد بارقی:

ان کے مورث اعلیٰ کا نام بارق تھا اسی نسبت سے ان کو بارقی کہتے ہیں۔ ان کو امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں کوفہ کا قاضی مقرر کیا۔ یہ برسوں کوفہ میں رہے۔ اسی لیے کوفہ کے محدثین میں شمار ہوتے ہیں اور ان کے شاگردوں میں زیادہ تر کوفہ ہی کے لوگ ہیں۔ حضرت امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ ان کے شاگردوں میں بہت ہی مشہور وممتاز اور نہایت بلند پایہ اور نامور محدث ہیں۔

ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دینار دے کر حکم دیا کہ ایک بکری خرید لائیں۔ انہوں نے بازار جا کر ایک دینار میں دو بکریاں خریدیں پھر راستہ میں کسی آدمی کے ہاتھ ایک بکری ایک دینار میں فروخت کر کے دربار رسالت میں حاضر ہوئے، بکری اور ایک دینار خدمت اقدس میں پیش کردی اور بکری کی خریداری کا پورا واقعہ بھی سنادیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر انہیں خرید وفروخت میں برکت کی دعا دی۔ پھر اگر یہ مٹی بھی خریدتے تو ان کو نفع ہی نفع ہوتا۔

(المشکوۃ المصابیح، باب الشرکۃ والوکالت، بحوالہ بخاری، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 254)

حضرت ابوایوب انصاری:

یہ مدینہ منورہ کے وہی خوش نصیب ہیں جن کے مکان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہمان بنے۔ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں سات ماہ تک مہمان رہے۔ یہ دن رات، صبح وشام اور ہر وقت وآن اپنے ہر قول وفعل سے جانثاری کا مظاہرہ کرتے رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاقاتیوں کی آسانی کے لیے نیچے والی منزل میں قیام پسند فرمایا اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو مجبوراً بالائی منزل پر رہنا پڑا۔ ایک مرتبہ اتفاقاً پانی کا گھڑا ٹوٹ گیا تو اس اندیشہ سے کہ کہیں پانی بہ کر نیچے نہ چلا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف نہ پہنچے اس لیے آپ گھبرا گئے اور اپنے لحاف سے سارا پانی جذب کرلیا۔ گھر میں بس ایک ہی رضائی تھی جو گیلی ہوگئی تو رات بھر میاں بیوی سردی میں رہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذرہ بھر بھی تکلیف نہ پہنچائی۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سخاوت کے ساتھ شجاعت اور بہادری میں بے حد طاق تھے۔ تمام اسلامی معرکوں میں شریک ہوئے یہاں تک کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب مجاہدین قسطنطنیہ کو فتح کرنے کے لیے گئے تو اپنی ضعیفی کے باوجود آپ لشکر میں شامل ہوگئے اور برابر مجاہدین کی صفوں میں کھڑے ہوکر جہاد کرتے رہے۔

جب سخت بیمار ہوگئے اور کھڑے ہونے کی طاقت نہ رہی تو آپ نے مجاہدین اسلام سے فرمایا:

''جب تم لوگ جنگ بندی کرو تو مجھے بھی صف میں اپنے قدموں کے پاس لٹائے رکھو اور جب میرا انتقال ہوجائے تو تم میری لاش کو قسطنطنیہ کے قلعہ کی دیوار کے پاس دفن کردینا۔''

چنانچہ جب 51 ہجری میں اسی جہاد کے دوران آپ کی وفات ہوئی تو اسلامی لشکر نے ان کی وصیت کے مطابق انہیں قسطنطنیہ کے قلعہ کی دیوار کے پاس دفن کردیا۔ یہ اندیشہ تھا کہ کہیں عیسائی آپ کی قبر کو کھود نہ ڈالیں مگر عیسائیوں پر ایسی ہیبت چھا گئی کہ وہ آپ کی قبر کو ہاتھ نہ لگا سکے۔ آج تک آپ کی قبر اسی جگہ موجود ہے اور زیارت گاہ خلائق خاص وعام ہے۔

حضرت عمرو بن الحمق:

صلح حدیبیہ کے بعد یہ اپنے قبیلہ بنی خزاعہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ آئے اور احادیث حفظ کرتے رہے۔ پھر کوفہ چلے گئے اور وہاں سے مصر جاکر مقیم ہوگئے۔ کچھ دن شام میں بھی رہے۔ ان کے شاگردوں میں جبیر بن نفیر اور رفاعہ بن شداد بہت مشہور محدثین ہیں۔ یہ موصل کے ایک غار میں روپوش ہوگئے اور اسی غار میں سانپ کے ڈسنے سے شہید ہوگئے۔ ان کی شہادت 50 ہجری میں ہوئی اور ان کی قبر موصل میں بہت مشہور ہے۔

حضرت عبیدہ بن الحارث:

ان کا وطن مکہ مکرمہ ہے اور یہ خاندان قریش کے بہت ہی ممتاز اور نامور شخص ہیں۔ یہ ابتدائے اسلام ہی میں مشرف بہ اسلام ہوگئے تھے۔ ہجرت بھی کی۔ نہایت ہی وجیہ اور بہت ہی بہادر وجانباز صحابی تھے۔ 2 ہجری میں ساٹھ یا اسی مہاجرین کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو رابغ کی طرف جہاد کے لیے روانہ فرمایا۔ چنانچہ تاریخ اسلام میں مجاہدین کا یہ لشکر سریہ عبیدہ بن الحارث کے نام سے مشہور ہے۔

2 ہجری جنگ بدر میں انہوں نے شیبہ بن ربیعہ سے مقابلہ کیا جو کہ کفار کے لشکر کے سپہ سالار عتبہ بن ربیعہ

کا بھائی تھا۔ یہ بڑی جانبازی کے ساتھ لڑے مگر اس قدر زخمی ہو گئے کہ ان کی پنڈلی ٹوٹ کر چور چور ہو گئی اور نلی کا گودا بہنے لگا۔ یہ دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ آگے بڑھے، شیبہ کو قتل کر دیا اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو کندھے پر اٹھا کر بارگاہِ رسالت میں لائے۔ اس حالت میں حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! کیا میں شہادت سے محروم رہا۔؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''نہیں! بلکہ تم شہادت سے سرفراز ہو گئے۔''

یہ سن کر انہوں نے کہا:

''اگر آج ابو طالب زندہ ہوتے تو مان جاتے کہ ان کے اس شعر کا مصداق میں ہی ہوں:

''و نسلمه حتیٰ نضرج حوله

و نذهل عن ابناء نا و الحلائل''

''ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت بھی دشمنوں کے حوالہ نہیں کریں گے جب ہم ان کے ارد گرد لڑتے لڑتے خون میں لت پت نہ ہو جائیں گے۔ اس وقت ہم اپنے بیٹوں اور بیویوں کو بھول جائیں گے۔''

اسی زخم کی وجہ سے آپ بدر سے مدینہ آتے ہوئے مقام صفراء پہنچ کر شہید ہو گئے۔

(صحیح ابوداؤد، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 261)

حضرت سعد بن الربیع:

حضرت سعد بن الربیع بن عمرو انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ بیعت العقبہ اولیٰ اور بیعت العقبہ ثانیہ دونوں مین شریک ہوئے۔ یہ انصار کے خاندان بنی الحارث کے سرادر تھے۔ زمانہ جاہلیت میں جب کہ عرب میں لکھنے پڑھنے کا بہت ہی کم رواج تھا ان کے علم کا یہ عالم تھا کہ یہ اس وقت کتابت کیا کرتے تھے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہائی محبت کرنے والے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جنت کی خوشخبری دی۔ جنگ بدر میں انتہائی شجاعت کے ساتھ لڑے۔ جنگ احد میں بارہ کافروں کو ایک ایک نیزہ مار کر قتل کر دیا۔ پھر گھمسان کی جنگ میں زخمی ہو کر 3 ہجری میں شہید ہو گئے اور حضرت خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک ہی قبر میں دفن کیے گئے۔ (اکمال فی اسماء الرجال، صفحہ نمبر 596)

حضرت انس بن مالک:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا نسب نامہ یہ ہے:

انس بن مالك بن النضر بن ضمضم بن زيد بن حرام انصاری۔

آپ قبیلہ انصار کے خاندان خزرج کی شاخ بنی نجار سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی والدہ ام سلیم بنت ملحان ہے۔ ان کی کنیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو حمزہ رکھی اور ان کا مشہور لقب خادم النبی ہے۔ دس برس کی

عمر میں یہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور دس برس تک سفر وحضر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک لاٹھی دی۔ بوقت وفات انہوں نے وصیت کی تھی کہ اس کو میرے کفن میں رکھا جائے۔ چنانچہ یہ لاٹھی ان کے کفن میں رکھی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر انہیں مال واولاد میں برکت کی دعائیں دی۔ چنانچہ ان کے مال واولاد میں اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑی برکت دی۔ آپ کے وصال کے وقت آپ کے بیٹوں اور پوتوں کی تعداد ایک سو بیس تھی۔

بہت سی احادیث آپ سے مروی ہیں۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔ حنا (مہدی) کا خضاب سر اور داڑھی میں لگاتے تھے اور خوشبو بکثرت استعمال کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لوگوں کو تعلیم دینے کے لیے آپ بصرہ چلے گئے۔ آپ نے 93 ہجری میں 107 سال کی عمر میں وفات پائی۔ بصرہ میں وفات پانے والے صحابیوں میں سب سے آخر میں آپ کا وصال ہوا۔ آپ کے بعد شہر بصرہ میں کوئی صحابی باقی نہ رہا۔ بصرہ سے دو کوس کے فاصلے پر آپ کی قبر بنی۔ آپ بہت ہی حق گو، حق پسند اور عبادت گزار صحابی تھے۔

حضرت ابو ثعلبہ خشنی:

ان کا نام جرہم بن ناشب ہے مگر کنیت سے مشہور ہوئے۔ یہ دعوت اسلام کے آغاز ہی میں مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے۔ سلسلہ نسب چونکہ خشین وائل سے ملتا ہے اس لیے خشنی کہلائے۔ صلح حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے اور بیعت رضوان کر کے رضاء الٰہی کی سند حاصل کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مبلغ بنا کر بھیجا۔ چنانچہ ان کی کوششوں سے ان کا پورا قبیلہ جلد ہی مسلمان ہو گیا۔ ملک شام فتح ہونے کے بعد یہ شام میں ہی قیام پذیر ہو گئے۔ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آپس کی لڑائیوں میں بالکل غیر جانبدار رہے۔ راست گفتاری اور صاف گوئی میں اپنی مثال آپ تھے۔ رات کے سناٹے میں اکثر یہ گھر سے باہر نکل کر آسمان پر نظر ڈالتے اور سجدہ میں گر کر گھنٹوں سربسجود رہتے۔ ملک شام میں 75 ہجری کو وفات پائی۔

حضرت شرجیل بن حسنہ:

یہ بہت ہی جانباز اور بہادر صحابی ہیں۔ ان کی والدہ کا نام حسنہ تھا اور والد کا نام عبداللہ بن مطاع۔ ان کے بعد ان کی والدہ نے ایک انصاری سے شادی کر لی جن کا نام سفیان بن معمر تھا۔ ان سے دو بچے ہوئے جن کا نام جنادہ اور جابر تھا۔ حضرت شرجیل اپنے دونوں بھائیوں کے ساتھ ابتدائے اسلام ہی میں مسلمان ہو گئے تھے اور ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے۔ یہ جب حبشہ سے مدینہ آئے تو بنی زریق میں رہنے لگے پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ان کے دونوں بھائی انتقال کر گئے تو یہ بنی زہرہ کے قبیلے میں رہنے لگے اور فاروقی دور حکومت میں کئی معرکوں میں امیر لشکر کی حیثیت سے افواج اسلامیہ کے کسی ایک دستہ کی کمان کرتے رہے۔ 18 ہجری کے طاعون عمواس میں 67 سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ عجیب اتفاق ہے کہ یہ اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ ایک ہی دن فوت ہوئے۔

حضرت عمار بن یاسر:

یہ قدیم الاسلام اور مہاجرین اولین میں سے ہیں۔ یہ ان مصیبت زدہ صحابیوں میں سے ہیں جن کو کفار مکہ نے اس قدر ایذائیں دیں کہ جنہیں سوچ کر ہی بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان کو جلی ہوئی آگ پر لٹایا جاتا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرتے تو فرماتے:

”یا نار کونی بردا وسلاما علیٰ عمار کما کنت علی ابراہیم“

”اے آگ! تو عمار پر اس طرح ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے ہوئی تھی۔“

ان کی والدہ ماجدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو اسلام قبول کرنے کی وجہ سے ابوجہل نے بہت ستایا۔ یہاں تک کہ ان کی ناف کے نیچے نیزہ مار دیا جس سے ان کی روح پرواز کر گئی۔ یہ اسلام کی پہلی شہیدہ تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو طیب ومطیب کے القابات دیئے۔ 37 ہجری میں 93 برس کی عمر میں شہید ہوئے۔

حضرت انس بن نضر:

یہ حضرت انس بن مالک (خادم النبی) کے چچا ہیں۔ بہت ہی بہادر اور جانباز صحابی ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میرے چچا حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ جنگ احد کے دن اکیلے ہی کفار سے لڑتے ہوئے آگے بڑھتے ہی چلے گئے جب آپ نے دیکھا کہ کچھ مسلمان سست پڑ گئے ہیں اور آگے نہیں بڑھتے تو آپ نے بلند آواز سے کہا:

”والذی نفسی بیدہ انی لاجد ریح الجنۃ دون احد ونہا لریح الجنۃ“

”مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ میں احد پہاڑ کے پاس سے جنت کی خوشبو پا رہا ہوں اور یقیناً بلاشبہ یہ جنت ہی کی خوشبو ہے۔“

آپ نے یہ فرمایا اور اکیلے ہی کفار کے نرغے میں لڑتے لڑتے زخموں سے چور ہو کر گر پڑے اور شہید ہو گئے۔

ان کے جسم پر تیروں، تلواروں اور نیزوں کے اسی سے زیادہ زخم لگے۔ کفار نے ان کا مثلہ کیا۔ ان کی آنکھوں کو پھوڑ دیا، ناک، کان اور ہونٹوں کو کاٹ دیا کہ پہچانے نہیں جاتے تھے مگر ان کی بہن حضرت ربیع بن نضر رضی اللہ عنہا نے انگلیوں کے پوروں سے ان کو پہچان لیا۔

حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ جنگ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے، اس کا انہیں انتہائی رنج وافسوس تھا۔ اکثر کہا کرتے تھے:

”اگر آئندہ کبھی اللہ تعالیٰ نے یہ دن دکھایا کہ کفار سے جنگ کا موقعہ ملا تو اللہ تعالیٰ دیکھ لے گا کہ میں جنگ کیا کرتا ہوں اور کیا کر دکھاتا ہوں۔“

چنانچہ 3 ہجری میں جب جنگ احد ہوئی تو انہوں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شہادت کے بعد فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ ان کی شان میں نازل ہوئی:

”من المومنین رجال صدقوا ما عاهدوا الله“

”مومنوں میں سے کچھ مرد ہیں جنہوں نے اللہ کے ساتھ کیا ہوا وعدہ پورا کر دیا۔“

حضرت حنظلہ بن ابی عامر:

یہ مدینہ منورہ کے رہائشی ہیں اور انصار کے قبیلہ اوس سے انکا خاندانی تعلق ہے۔ ان کا والد ابو عامر اپنے قبیلہ کا سردار تھا اور زمانہ جاہلیت میں اس کی عبادت کی کثرت کو دیکھ کر عام طور پر لوگ اس کو ابو عامر راہب کہا کرتے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے اور پورا مدینہ اور اطراف مسلمان ہو گئے تو دو شخص حسد کرنے لگے۔ ایک عبداللہ بن ابی اور دوسرا ابو عامر راہب۔ عبداللہ بن ابی نے تو اپنی دشمنی چھپائے رکھی اور منافق بن کر مدینہ ہی میں رہا، لیکن ابو عامر راہب حسد کی آگ میں جل بھن کر مدینہ سے مکہ چلا گیا اور کفار مکہ کو بھڑکایا کہ وہ مدینہ پر حملہ کریں۔ چنانچہ 3 ہجری میں جب جنگ اُحد ہوئی تو ابو عامر کفار کے لشکر میں شامل تھا مگر اس کے بیٹے حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ پرچم اسلام کے نیچے نہایت ہی جوانمردی اور جوش و خروش کے ساتھ کفار سے لڑے۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ انہیں اجازت دی جائے تا کہ وہ اپنے باپ کا سر کاٹ کر پیش کریں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت نہ دی۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ جوش جہاد میں آپے سے باہر ہو گئے کہ لڑتے لڑتے کفار کے لشکر کے درمیان پہنچ گئے اور کفار کے سپہ سالار ابو سفیان (جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) پر حملہ کر دیا۔ قریب تھا کہ ابوسفیان قتل ہو جاتے مگر حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ پر اچانک پیچھے سے شداد بن الاسود نے حملہ کیا اور حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔

حضرت عامر بن فہیرہ:

یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ یہ ابتدائے اسلام ہی میں مسلمان ہو گئے تھے کفار مکہ نے ان کو بہت زیادہ ستایا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہجرت کرتے ہوئے غار ثور میں گئے تو اس وقت یہی صحابی بکریاں چرانے کے بعد رات کو آتے اور بکریوں کا دودھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو پیش کرتے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے لیے روانہ ہوئے تو ایک اونٹنی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ایک اونٹنی پر حضرت ابوبکر اور حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہما سوار ہوئے۔ صفر 4 ہجری واقعہ بیر معونہ میں آپ کی شہادت ہوئی۔

حضرت غالب بن عبداللہ لیثی:

ان کا نام حضرت غالب بن عبداللہ بن مسعر بن جعفر بن کلب لیثی رضی اللہ عنہ ہے۔ یہ مکہ کے رہائشی

ہیں۔ فتح مکہ سے قبل مسلمان ہو گئے تھے۔ فتح مکہ میں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے اور آپ نے ان کو مکہ مکرمہ کے راستوں کی درستی اور کفار کے حالات کی معلومات کے کام پر مامور کیا۔ پھر فتح مکہ کے بعد ساٹھ سواروں کا افسر بنا کر ان کو مقام کدید میں بنی الملوح سے جنگ کے لیے بھیجا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بنی مرہ سے لڑنے کے لیے فدک بھیجا تو وہیں ان کی شہادت ہوئی۔

حضرت تمیم داری:

حضرت تمیم بن اوس رضی اللہ عنہ پہلے نصرانی تھے۔ پھر 9 ہجری میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ بہت ہی عبادت گزار تھے۔ ایک ہی رات میں قرآن مجید مکمل پڑھ لیا کرتے تھے اور کبھی کبھی ایک ہی آیت رات بھر دہراتے رہتے۔ حضرت محمد بن المنکدر کا بیان ہے کہ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ ایک رات سوتے رہ گئے اور تہجد کے لیے نہ اٹھ سکے تو انہوں نے اپنی اس کوتاہی کا کفارہ اس طرح کیا کہ مکمل سال تک رات بھر نہیں سوئے۔ پہلے مدینہ منورہ میں رہتے تھے پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ملک شام چلے گئے اور اخیر عمر تک وہیں رہے۔ مسجد نبوی میں سب سے پہلے انہوں نے قندیل جلائی۔

حضرت عمران بن حصین:

ان کی کنیت ابو نجید ہے اور یہ قبیلہ بنو خزاعہ کی ایک شاخ بنو کعب کے خاندان سے ہیں اس لیے ان کو خزاعی اور کعبی کہا جاتا ہے۔ 7 ہجری میں جنگ خیبر کے سال مسلمان ہوئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے دوران ان کو اہل بصرہ کی تعلیم کے لیے مقرر فرمایا۔ محمد بن سیرین محدث رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

"بصرہ میں عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے پہلے اور افضل کوئی صحابی نہیں۔"

ان کی پوری زندگی مذہبی زندگی ہے۔ ساری زندگی عبادات میں گزاری۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی عقیدت تھی کہ جس ہاتھ سے بیعت کی تھی اس سے کبھی شرمگاہ کو نہیں چھوا۔ تیس برس تک مسلسل استسقاء کی بیماری میں صاحب فراش رہے اور شکم کا آپریشن بھی ہوا۔ صبر و شکر کا یہ حال تھا کہ اپنی عیادت کرنے والوں سے فرمایا کرتے تھے:

"میرے رب کو جو پسند ہے وہی مجھے محبوب ہے۔"

52 ہجری میں بمقام بصرہ ان کا وصال ہوا۔

حضرت سفینہ:

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے غلام تھے۔ انہوں نے انہیں اس شرط پر آزاد کیا تھا کہ عمر بھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتے رہیں گے۔ سفینہ ان کا لقب ہے۔ ان کا نام "مہران"، "رومان" یا "رباح" ہے۔ سفینہ عربی میں کشتی کو کہتے ہیں۔ ان کا لقب سفینہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ دوران سفر ایک شخص تھک گیا تو اس نے اپنا سامان ان کے کندھوں پر ڈال دیا اور یہ پہلے بھی بہت سا سامان اٹھائے

ہوئے تھے۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"انت سفینہ"

"تم کشتی ہو۔"

اس دن سے ان کا یہ لقب مشہور ہو گیا اور لوگ آپ کا اصلی نام بھول گئے۔ لوگ ان سے ان کا اصلی نام پوچھتے تو آپ فرماتے:

"میں اپنا اصلی نام نہیں بتاؤں گا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا نام سفینہ رکھ دیا ہے تو اب میں یہ نام ہرگز ہرگز نہیں بدلوں گا۔"

حضرت جعفر بن ابی طالب:

یہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں۔ یہ قدیم الاسلام ہیں۔ 31 آدمیوں کے مسلمان ہونے کے بعد یہ مسلمان ہوئے اور کفار مکہ کی ایذا رسانیوں سے تنگ آ کر حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ پھر حبشہ سے کشتیوں پر سوار ہو کر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ خیبر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس وقت پہنچے جبکہ خیبر فتح ہو چکا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مال غنیمت کو مجاہدین کے درمیان تقسیم فرما رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوشِ محبت میں ان سے معانقہ فرمایا اور ارشاد فرمایا:

"میں اس بات کا فیصلہ نہیں کر سکتا کہ فتح خیبر کی مجھے زیادہ خوشی ہے یا جعفر ابن ابی طالب کے آنے کی۔"

یہ بہت ہی جانباز اور بہادر تھے۔ نہایت ہی خوبصورت اور وجیہہ تھے۔ 8 ہجری کی جنگ موتہ میں امیر لشکر ہونے کی حالت میں 41 برس کی عمر میں شہید ہوئے۔ اس جنگ میں سپہ سالار ہونے کی وجہ سے لشکر اسلام کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا۔ ایک کافر نے تلوار سے ان کے دائیں ہاتھ کو شہید کر دیا تو انہوں نے جھپٹ کر جھنڈا بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا۔ جب بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا تو انہوں نے جھنڈے کو دونوں کٹے ہوئے بازوؤں سے پکڑ لیا۔

حضرت خالد بن الولید:

یہ خاندان قریش کے بہت ہی نامور اشراف میں سے ہیں۔ ان کی والدہ حضرت لبابہ صغریٰ رضی اللہ عنہا ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں۔ یہ بہادری، فن سپہ گری اور تدابیر جنگ کے اعتبار سے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایک خصوصی امتیاز رکھتے ہیں۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے ان کی اور ان کے والد ولید کی اسلام دشمنی مشہور تھی۔ جنگ بدر اور جنگ احد کے معرکوں میں یہ کفار کے ساتھ رہے اور ان سے مسلمانوں کو بہت زیادہ جانی نقصان پہنچا۔

مگر ناگہاں ان کے دل میں اسلام کی صداقت کا ایسا آفتاب طلوع ہوا کہ 7 ہجری میں یہ خود بخود مکہ سے مدینہ جا کر مسلمان ہو گئے اور عہد کر لیا کہ اب زندگی بھر میری تلوار کفار سے لڑنے کے لیے بے نیام رہے گی۔ چنانچہ

اس کے بعد ہر جنگ میں انتہائی مجاہدانہ جاہ وجلال کے ساتھ کفار کے مقابلہ میں شمیر بکف رہے۔ یہاں تک کہ 8ہجری میں جنگ موتہ میں جب حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے تو یہ امیر لشکر بنے اور اسلامی جھنڈا اٹھایا۔ انہوں نے ایسی جانبازی کے ساتھ جنگ کی کہ مسلمانوں نے فتح حاصل کرلی۔ اسی موقع پر جبکہ یہ جنگ میں مصروف تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے سامنے انہیں سیف اللہ کا لقب دیا۔

امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب فتنہ ارتداد نے سر اٹھایا تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جہاد کرنے کے لیے پیش پیش رہے۔ خصوصاً جنگ یمامہ میں مسلمان فوجوں کی سپہ سالاری کی ذمہ داری قبول کی اور ہر محاذ پر فتح حاصل کی۔

پھر امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران رومیوں کی جنگوں میں بھی انہوں نے اسلامی فوجوں کی کمان سنبھالی اور بہت زیادہ فتوحات حاصل کیں۔ 21ہجری میں چندون بیمار رہ کر وفات پائی۔

حضرت عبداللہ ابن عمر:

یہ امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے فرزند ارجمند ہیں۔ ان کی والدہ کا نام زینب بنت مظعون ہے۔ یہ بچپن ہی میں اپنے والد ماجد کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ یہ علم وفضل کے ساتھ بہت ہی عبادت گزار اور متقی وپرہیز گار تھے۔ میمون بن مہران تابعی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے:

''میں نے عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بڑھ کر کسی کو متقی وپرہیز گار نہیں دیکھا۔''

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

''حضرت عبداللہ ابن عمر مسلمانوں کے امام ہیں۔''

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ساٹھ برس تک حج کے مجمعوں اور دوسرے مواقعوں پر مسلمانوں کو اسلامی احکام کے بارے میں فتویٰ دیتے رہے۔ مزاج میں بہت زیادہ سخاوت کا غلبہ تھا اور بہت زیادہ صدقہ وخیرات کی عادت تھی۔ جو چیز پسند آجاتی اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خیرات کر دیتے۔ آپ نے اپنی زندگی میں ایک ہزار غلام خرید کر آزاد کیے۔ جنگ خندق اور اس کے بعد کے اسلامی معرکوں میں شرکت کی۔ البتہ حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جولڑائیاں ہوئیں۔ آپ ان میں غیر جانبدار رہے۔ عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں جب حجاج بن یوسف امیر حج بن کر آیا تو آپ نے اسے اس کی غلطی پر دوران خطبہ ٹوک دیا۔ حجاج نے اپنے غلام کے ذریعے ایک زہر آلود تیر سے آپ کے پاؤں کو زخمی کرادیا۔ اسی زخم کی وجہ سے 74ہجری میں حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی شہادت کے تین ماہ بعد آپ نے 84برس کی عمر میں وفات پائی اور مکہ مکرمہ میں مقام محصب یا مقام ذی طویٰ میں مدفون ہوئے۔

حضرت سعد بن معاذ:

حضرت سعد بن معاذ بن النعمان انصاری رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کے رہنے والے بہت ہی جلیل القدر صحابی

ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ تشریف لے جانے سے پہلے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ بھیج دیا کہ وہ مسلمانوں کو اسلام کی تعلیم دیں اور غیر مسلموں کے سامنے دعوت اسلام پیش کریں۔چنانچہ انہی کی تبلیغ سے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ مسلمان ہوگئے۔مسلمان ہوتے ہی فرمایا:

''میرے قبیلے بنوالاشہل کا جو بھی مرد اور عورت اسلام سے منہ موڑے گا میرے لیے حرام ہے کہ میں اس سے کلام کروں۔''

آپ کا یہ اعلان سنتے ہی بوالاشہل کا بچہ بچہ اسلام لے آیا۔اس طرح آپ کا مسلمان ہوجانا مدینہ منورہ میں اشاعت اسلام کے لیے بہت ہی معاون ثابت ہوا۔آپ بہت ہی بہادر اور انتہائی نشانہ باز تیر انداز بھی تھے۔جنگ بدر اور جنگ احد میں خوب خوب داد شجاعت دی مگر جنگ خندق میں زخمی ہوگئے،آپ کا زخم پھٹ گیا اور خون بہہ کر مسجد نبوی میں بنی غفار کے خیمے میں پہنچ گیا۔ان لوگوں نے چونک کر کہا کہ اے خیمہ والو! یہ کیسا خون ہے جو تمہاری طرف بہہ کر ہماری طرف آرہا ہے۔جب لوگوں نے دیکھا تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے زخم سے خون جاری تھا اور اسی زخم میں آپ کی شہادت ہوئی۔

(صحیح جامع للبخاری، باب مرجع النبی من الاحزاب، جلد نمبر 2 صفحہ نمبر 591)

عین وفات کے وقت ان کے سرہانے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔جان کنی کے وقت انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ کو سلام کیا اور با آواز بلند کہا:

''اے اللہ کے رسول! میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں اور آپ نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔''

آپ کا وصال 5 ہجری کو 37 برس کی عمر میں ہوا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دفنانے کے بعد واپس آرہے تھے تو شدت غم کی وجہ سے آپ کے آنسوؤں کے قطرات آپ کی داڑھی مبارک پر گر رہے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام:

یہ مدینہ منورہ کے رہنے والے انصاری ہیں اور مشہور صحابی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد ماجد ہیں۔قبیلہ انصار میں یہ اپنے خاندان بنی سلمہ کے سردار اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت ہی جانثار صحابی ہیں۔جنگ بدر میں بڑی بہادری اور جانثاری کے ساتھ کفار سے لڑے اور 3 ہجری میں جنگ احد کے دن سب سے پہلے شہید ہوئے۔

صحیح البخاری میں ہے کہ انہوں نے رات کو اپنے فرزند حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''اے میرے پیارے بیٹے! کل صبح جنگ احد میں سب سے پہلے میں ہی شہید ہوں گا۔بیٹا! سن لو! تم سے مجھے بڑا پیار ہے لہذا تم میرا قرض ادا کر دینا اور اپنی بہنوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔یہ میری آخری وصیت ہے۔حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ واقعی صبح کو میدان جنگ میں

سب سے پہلے میرے والد حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام ہی شہید ہوئے۔
(صحیح جامع للبخاری، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 180)

حضرت معاذ بن جبل:

ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے۔ یہ قبیلہ خزرج کے انصاری اور مدینہ منورہ کے رہائشی ہیں۔ یہ ان ستر خوش نصیب انصار میں سے ایک ہیں جن لوگوں نے ہجرت سے بہت پہلے میدان عرفات کی گھاٹی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت اسلام کی تھی۔ یہ جنگ بدر اور اس کے بعد کے تمام معرکوں میں شریک ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یمن کا قاضی اور معلم بنا کر بھیجا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں انہیں ملک شام کا گورنر بھی مقرر کر دیا جہاں انہوں نے 18 ہجری میں طاعون عمواس میں علیل ہو کر 38 برس کی عمر میں وفات پائی۔

آپ بہت ہی بلند پایہ عالم، حافظ، قاری، معلم اور نہایت ہی متقی و پرہیز گار اور عبادت گزار تھے۔ بنی سلمہ کے تمام بتوں کو انہوں نے توڑ پھوڑ کر پھینک دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"قیامت میں معاذ بن جبل کا لقب امام العلماء ہے۔"

حضرت اسید بن حضیر:

حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ انصار کے قبیلہ اوس کی شاخ بنی الاشہل سے خاندانی تعلق رکھتے ہیں۔ مدینہ منورہ میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی تبلیغ سے مسلمان ہوئے۔ اپنے قبیلے کے سردار اور مدینہ منورہ میں اپنی خوبیوں کی وجہ سے بہت ہی باوقار تھے۔ یہ قرآن مجید بڑی ہی خوش الحانی کے ساتھ پڑھتے تھے۔
جنگ بدر اور جنگ خندق وغیرہ تمام غزوات میں شرکت کی۔ زمانہ خلافت کے جہادوں میں بھی شرکت کی یہاں تک کہ فتح بیت المقدس میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے 20 ہجری میں مدینہ منورہ میں وصال فرمایا اور جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔

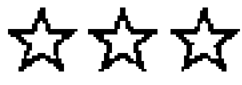
حضرت عبداللہ بن ہشام:

حضرت عبداللہ بن ہشام بن عثمان بن عمرو قریشی قبیلہ قریش کے خاندان بنی تیم سے تعلق رکھتے ہیں۔ 4 ہجری میں پیدا ہوئے۔ یہ مشہور محدث حضرت زہرہ بن معبد کے دادا ہیں۔ اہل حجاز کے محدثین میں ان کا شمار ہوتا ہے اور ان کے شاگردوں میں ان کے پوتے زہرہ بن معبد بہت مشہور ہیں۔ حضرت عبداللہ بن ہشام کو بچپن ہی میں ان کی والدہ حضرت زینب بنت حمید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئیں۔

حضرت خبیب بن عدی:

یہ مدینہ منورہ کے انصاری ہیں اور قبیلہ انصار کے خاندان اوس کے بہت ہی نامی گرامی فرزند ہیں۔ بہت ہی پرجوش اور جانباز صحابی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو بے پناہ والہانہ محبت تھی۔ جنگ بدر میں دل کھول کر انتہائی بہادری کے ساتھ کفار سے لڑے۔ جنگ احد میں بھی آپ کے مجاہدانہ کارنامے شجاعت کے شاہکار کی

حیثیت رکھتے ہیں لیکن 4 ہجری میں عسفان و مکہ مکرمہ کے درمیان مقام رجیع میں یہ کفار کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے ، چونکہ انہوں نے جنگ بدر میں کفار مکہ کے ایک مشہور سردار حارث بن عامر کو قتل کر دیا تھا اس لیے اس کے بیٹوں نے ان کو خرید لیا اور لوہے کی زنجیروں میں جکڑ کران کو اپنے گھر کی ایک کوٹھڑی میں قید کر دیا پھر مکہ مکرمہ سے باہر مقام تنعیم میں لے جا کر ایک بہت بڑے مجمع کے سامنے ان کو سولی پر چڑھا کر شہید کر دیا۔ یہ پہلے مسلمان ہیں جن کو کفار نے سولی دی۔ حارث بن عامر کے بیٹے ابو سروعہ نے آپ کے مقدس سینہ میں نیزہ مار کر آپ کو شہید کر دیا۔



دیگر مخلوقات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت واطاعت

یہاں ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دیگر مخلوقات جیسے ، درختوں ، پتھروں ، جانوروں اور پرندوں کی محبت ، ان کی محبت کے مظاہر بصورت خوشی و سرور ، سجود و رقت ، محبوب کی بے ادبی کا ڈر اور ان کے ساتھ والہانہ لگاؤ اور اطاعت کا تذکرہ کریں گے۔

حیوانات اور رسول اللہ سے محبت واطاعت

محب ، محبوب کا احترام چاہتا ہے اور ایسا عمل کرتا ہے جس سے اس کا محبوب خوش ہو۔ جب انسان عاقل مکلّف ہو کر اپنے محبوب سے ایسا کرتا ہے تو حیوانات سے بھی اس کا صدور ممکن ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جمادات ، حیوانات اور نباتات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آگاہ فرما رکھا ہے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام سے آگاہ ہیں ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام و وقار اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی اور آرام کا خیال کرنا انہوں نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ اس عمل میں حیوانات انسان کے ساتھ شریک ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے صحابہ اور ان کے متبعین کے دلوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ، اطاعت ، اعزاز ، احترام اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی راحت کا خیال رکھنا جما دیا ہے جس کے مظاہر سے محبت کی تاریخ رقم ہے۔ تو اسی کا مظاہرہ حیوانات سے بھی ان کے حسب حال وقوع پذیر ہوا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر ایک وحشی حمار تھا:

((اذا خرج رسول اللہ لعب و اشتد و اقبل و ادبر فاذا احس برسول اللہ قد دخل ربض فلم یترمرم مادام رسول اللہ فی البیت کراھیۃ ان یوذیه))

''جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے جاتے تو وہ کھیلتا کودتا ، آگے پیچھے ہوتا ، جب وہ محسوس کرتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے ہیں تو وہ بے حرکت ہو جاتا۔ جب تک تشریف فرما رہتے وہ بدکتا تک نہ تھا تا کہ کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف نہ ہو۔''

اسے امام احمد نے دو طریق سے روایت کیا۔ ابو یعلی، بزار، طبرانی نے اوسط میں ابو نعیم اور بیہقی نے دلائل میں اور دار قطنی نے رجال صحیح سے نقل کیا ہے۔ حافظ ابن کثیر سند امام احمد کے بارے میں لکھتے ہیں۔ یہ سند صحیح کی شرائط پر ہے مگر انہوں نے اس کی تخریج نہیں کی اور یہ حدیث مشہور ہے۔

(شمائل الرسول، لابن کثیر، ۲۸۳)

دیکھئے حیوان حضور ﷺ کی کس قدر عزت، احترام اور تعظیم بجالا رہا ہے۔ حرکت اور بدکنے کے ذریعے سے آپ ﷺ کو تکلیف نہیں دیتا جب آپ ﷺ کی تشریف آوری جان لیتا تو حرکت تک نہ کرتا حالانکہ حیوان ہے۔

کیا کہا جائے ان مسلمانوں کے بارے میں جن سے حجرہ شریف کے پاس اور سحری کے وقت حرم نبوی کھلنے کے وقت، ریاض الجنۃ اور تقریبات ومحافل میں آوازیں، دوڑنا، شور اور کوتاہیاں سرزد ہوتی ہیں؟ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنا اور اپنے نبی ﷺ کا ادب واحترام عطا فرمائے کیونکہ وہ قادر مطلق ہے۔

اب ہم ایک نہایت ہی پر لطف واقعہ کا تذکرہ کرنا چاہ رہے ہیں جو آپ ﷺ کے وصال کے بعد کا ہے، مگر اس میں حیوان کا ادب واحترام نبوی اپنے کمال پر ہے۔

خادم رسول حضرت سفینہ کا بیان ہے کہ میں سمندری سفر میں تھا، کشتی ٹوٹ گئی، میں اس کے ایک تختے پر تھا، اس نے مجھے شیروں کے جنگل میں جا پھینکا۔ ایک شیر میری طرف حملہ کیلئے بڑھا تو میں نے کہا: اے ابو الحارث!

((انا مولی رسول اللہ))(النساء: ۶۴)

''میں رسول اللہ ﷺ کا خادم وغلام ہوں۔''

اور اس طرح یہاں پہنچا ہوں۔

((فطا طا راسه واقبل الی فدفعنی، بمنکبه حتی اخرجنی من الاجمه ووقفنی علی الطریق ثم هجهم فظننت انه یودعنی))

''اس نے سر جھکا دیا اور میرے پاس آکر مجھے سوار کر لیا اور جنگل سے نکل کر راستہ پر لے آیا۔ یوں آہستہ آہستہ بولنے لگا کہ مجھے الوداع کہہ رہا ہے۔''

اسے حاکم نے شرط مسلم پر صحیح قرار دیا۔ ذہبی نے اس حکم کو ثابت رکھا۔ طبرانی نے کبیر میں، بزار، عبدالرزاق نے مصنف میں، ابو نعیم نے حلیہ اور دلائل میں، بیہقی اور تیمی نے دلائل میں، ابو یعلی نے، سیوطی نے اس کی نسبت خصائص میں ابن سعد اور ابن مندہ کی طرف کی ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ اس کے رجال ثقہ ہیں، اکثر نے اسے محمد بن منکدر سے نقل کیا ہے، لیکن ان سے ابو ریحانہ کے طریق پر بھی مروی ہے۔ ابن سید الناس کہتے ہیں:

واللیث انوی فی سفینه مفرتا	بالروم فی فیفاء قفر بلقع
مازال یکلوه الی ان دله	عند الامان علی سواء المشرع

''یہ شیر ہے شیر، اور حملہ آور ہونا واضح کر رہا ہے کہ وہ بھوکا تھا، لیکن جب اس نے سنا کہ وہ خادم رسول اللہ ﷺ ہیں تو اب اس نے سر جھکا دیا، ادب کرنے لگا، پھر اسی پر اکتفاء نہ کیا، بلکہ انہیں اٹھا کر لے چلا اور اس لشکر تک پہنچایا جو کافی دور جا چکا تھا۔ یہ اس حیوان کا فعل ہے جو وحشی اور پھاڑنے والا ہے۔ کوتاہی برتنے والے مسلمانو! سوچو تو سہی تمہارا کیا حال ہے؟''

شیر کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا، اس نے اس کے دل میں ادب و احترام نبوی ودیعت کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

((وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ))

''اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔''

حضور ﷺ کی خدمت میں اونٹ کا جھکنا، مطیع ہونا اور آپ ﷺ کے حکم کو بجا لانا تواتر سے ثابت ہے ایسی روایات بہت سے صحابہ سے مروی ہیں۔ ان میں حضرت انس بن مالک، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابوہریرہ، حضرت عائشہ، حضرت یعلی بن مرہ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن جعفر، حضرت عبداللہ بن ابی اوفی اور حضرت غیلان بن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی ہیں، لیکن ہم بعض پر اکتفا کر رہے ہیں۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ انصار کے پاس اونٹ تھا جو سرکش ہو گیا، اپنے اوپر کسی کو سواری نہ کرنے دیتا، انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں اس کی شکایت کی، آپ ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا: وہاں چلو! جب وہاں پہنچے تو لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ

((قد صار مثل اکلب الکلب نخاف علیک صولتہ))

''یہ ہلکائے کتے کی طرح حملہ آور ہوتا ہے۔ ہمیں خوف ہے کہ کہیں آپ ﷺ پر حملہ نہ کر دے۔''

فرمایا: فکر مت کرو کچھ نہیں ہوگا۔

((فلما نظر الجمل الی رسول اللہ اقبل نحوہ حتی خر ساجدا بین یدیہ))

''جب اونٹ نے آپ ﷺ کو دیکھا تو آپ ﷺ کی طرف سجدہ ریزی کی حالت میں آ گیا۔''

آپ ﷺ نے اسے پیشانی سے پکڑ لیا، اس کے بعد اس میں کبھی سرکشی نہ آئی۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! یہ چوپایہ ہے عقلمند نہیں یہ آپ ﷺ کو سجدہ کرتا ہے۔

((ونحن نعقل فنحن احق ان نسجدلک))

''ہم صاحب عقل ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ کو سجدہ کرنے کے زیادہ حقدار ہیں۔''

فرمایا:

''کسی بشر کیلئے جائز نہیں کہ وہ کسی بشر کو سجدہ کرے، اگر ایسا کرنا جائز ہوتا تو میں خاوند کے حق کی وجہ سے بیوی کو حکم دیتا کہ وہ خاوند کو سجدہ کرے۔''

اسے امام احمد اور بزار نے رجال صحیح سے روایت کیا ہے۔ ماسوائے حفص بن اخی انس کے، کہ وہ بھی ثقہ ہیں۔ بزار نے اس طرح روایت کیا۔نسائی نے دوسرے طریق سے۔حافظ منذری کہتے ہیں:

''اس کی سند جید ہے اور اس کے راوی ثقہ اور مشہور ہیں۔''

ابن کثیر کہتے ہیں:

''سند جید ہے۔''

سیوطی نے تخریج حدیث شفاء میں اس کو صحیح کہا ہے۔(مسند احمد 3=158)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ انصار کی حویلی میں داخل ہوئے، وہاں دو اونٹ آپس میں لڑ رہے تھے۔

((ماقترب رسول الله منهما فوضعا جرانهما علی الارض))

''جب رسول ﷺ کو انہوں نے دیکھا تو دونوں نے اپنے چہرے زمین پر رکھ دیئے۔''

صحابہ نے عرض کیا:

''ہم بھی آپ ﷺ کو سجدہ کرنا چاہتے ہیں۔''

فرمایا: کسی انسان کا دوسرے انسان کو سجدہ کرنا جائز نہیں، اگر جائز ہوتا تو میں خاوند کے عظیم حق کی بنا پر بیوی کو سجدہ کا حکم دیتا۔

اسے ابن حبان نے روایت کیا۔اسی کی مثل بزار نے اور ترمذی نے نقل کیا اور حسن کہا، ان تمام کی سند حسن ہے۔(صحیح ابن حبان، 3=158)

حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ کے ساتھ میں سفر میں تھا، اچانک بلبلاتا ہوا اونٹ آ گیا۔

((فلما کان بین السما طین خر ساجدا))

''جب وہ سامنے راستہ کے درمیان پہنچا تو سجدہ ریز ہو گیا۔''

آپ ﷺ نے پوچھا: اس کا مالک کون ہے؟ انصاری لوگوں نے کہا: حضور ﷺ! یہ اونٹ ہمارا ہے۔ فرمایا: کیا معاملہ ہے؟ عرض کیا: یہ بیس سال سے ہمارے پاس ہے، اب اس کی عمر زیادہ ہو گئی ہے، ہم اسے ذبح کر کے تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ فرمایا: کیا مجھے بیچتے ہو؟ عرض کیا:

((یا رسول الله هو لك))

''حضور ﷺ! یہ آپ کا ہی ہے۔''

فرمایا:

((فاحسنوا الیه حتی یاتیه اجله))

''موت تک اس سے حسن سلوک کرو۔''

صحابہ نے عرض کیا:

((نحن احق ان نسجدلك من البهائم))

''چوپائے سجدہ کرتے ہیں، حالانکہ ہم آپ ﷺ کو سجدہ کرنے کا زیادہ حق رکھتے ہیں۔''

فرمایا: کسی انسان کا کسی انسان کو سجدہ جائز نہیں۔ اگر جائز ہوتا تو خواتین، خاوندوں کو سجدہ کرتیں۔''

اسے ابن ابی شیبہ، بیہقی اور ابو نعیم نے دلائل میں اور دارمی نے روایت کیا ہے۔

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں:

''اس کی سند جید اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔'' (الدارمی 27=18)

جیسا کہ پیچھے گزرا یہاں سجود سے مراد سجدۂ تعظیمی ہے نہ کہ سجدۂ عبادت، کیونکہ سجدۂ عبادت سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کے لئے جائز نہیں، جب صحابہ نے بطور تعظیم و توقیر اجازت سجدہ چاہی تو منع فرماتے ہوئے واضح کر دیا کہ اب کسی انسان کو سجدہ تعظیمی بھی جائز نہیں۔ الغرض آپ ﷺ نے انسانوں کیلئے سجدہ کا دروازہ ہی بند فرما دیا۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میرے پاس اونٹ تھا، اس نے مجھے نہایت ہی پریشان کیا۔ میں نے چاہا اسے یہیں چھوڑ دوں، اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔

((فدعا لی و جربه فسار سیرالم یسر مثله))(بخاری، کتاب الشروط)

''آپ ﷺ نے دعا فرمائی اور اسے ضرب لگائی پھر اس کی مثل کوئی چل نہ سکتا تھا۔''

مسلم میں ہے کہ میں حضور ﷺ کے ساتھ غزوہ میں شریک تھا، آپ ﷺ سے اس حال میں ملاقات ہوئی کہ مجھے سواری نے پریشان کر دیا تھا، اتنی عاجز آ چکی تھی کہ اس کے چلنے کی امید نہ تھی، آپ ﷺ نے فرمایا:

''تیرے اونٹ کو کیا ہے؟''

عرض کیا: بیمار ہے۔ آپ ﷺ نے اسے پچھلی طرف سے ٹھوکر لگائی اور دعا کی:

((ماز ال بین ایدی الابل قدامها یسیر))

''اس کے بعد تمام اونٹوں سے آگے چلا کرتا۔''

اور پوچھا: اب اونٹ کا کیا حال ہے؟ میں نے عرض کیا: اب تو بہتر ہے۔ (مسلم کتاب الساقاۃ)

مسلم کی اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اسے چھڑی لگائی تو وہ دوڑ پڑا۔

((فکنت بعد ذلك اجس خطامه لا سمع حديثه فما أقدر عليه)) (مسلم، كتاب المساقاة)

''پھر میں بات سننے کیلئے اس کی نکیل کھینچتا ہی رہ گیا مگر میں اسے کنٹرول نہ کر سکا۔''

آپ ﷺ نے اس اونٹ کو جھڑکا اور اس کیلئے دعا کی تو اب اس کو نکیل سے روکنا دشوار ہو گیا کیونکہ اس کے بعد وہ دیگر اونٹوں سے آگے چلتا تھا، یہ واقعہ حاطب کی اونٹنی کی مانند ہے۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا: میں نے نکاح کیا ہے۔ اسی حدیث میں ہے کہ بنو عمیس کی طرف ایک وفد بھیجا، ان میں سے ایک آدمی نے عرض کیا: یا رسول اللہ

ﷺ! میری اونٹنی چلنے سے عاجز آ چکی ہے۔ آپ ﷺ نے اس اونٹنی کے پاس تشریف لا کر اسے پاؤں سے ٹھوکر لگائی تو حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں: اس کے بعد

((والذی نفسی بیدی لقد رایتھا تسبق القائد)) (مسلم، کتاب النکاح)

"قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! میں نے اسے ہمیشہ ہر قافلہ سے آگے چلنے والی سواری کے بھی آگے ہی دیکھا۔"

حضرت حکم بن حارث السلمی سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے بھیجا۔ آپ ﷺ میرے پاس سے گزرے، میری اونٹنی چل نہیں رہی تھی اور میں اسے مار رہا تھا۔ فرمایا: اسے نہ مارو۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا:

((حل فقامت فسارت مع الناس))

"چل! وہ لوگوں کے ساتھ چلنا شروع ہو گئی۔"

اسے طبرانی نے روایت کیا اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ میں نوجوانی میں عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چرایا کرتا، ہجرت کے دنوں میں رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر تشریف لائے اور فرمایا:

"اے نوجوان! کیا تو ہمیں کچھ دودھ پلائے گا؟"

میں نے عرض کیا: میں تو امین ہوں، اس لئے دودھ نہیں پلا سکتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تیرے پاس ایسی کوئی بکری ہے جو ابھی حاملہ نہ ہوئی ہو؟ عرض کیا: ہاں ہے۔ میں نے پیش کی۔

((مسح الضرع ودعا فحفل الضرع))

"آپ ﷺ نے تھن کو مس فرما کر دعا کی تو وہ دودھ سے بھر گیا۔"

حضرت ابو بکر کونوں والا پتھر لائے اور اس میں دودھ دوہا، حضور ﷺ نے، ابو بکر نے، پھر میں نے دودھ پیا۔ آپ ﷺ نے پھر تھن کو حکم دیا: خالی ہو جا! تو وہ فی الفور دودھ سے خالی ہو گیا، میں نے عرض کیا: مجھے تعلیم دیجئے۔ فرمایا:

((انك غلام معلم))

"تو معلم نوجوان ہے۔"

میں نے آپ ﷺ کے مقدس منہ سے ستر سورتیں سیکھی ہیں۔

اسے امام احمد، طیالسی، ابن ابی شیبہ، ابو یعلی، ابو نعیم، بیہقی، تیمی نے دلائل میں، طبرانی نے کبیر وصغیر میں، ابن سعد، فسوی، ابن حبان اور حسن بن عرفہ نے ذکر کیا ہے۔ ذہبی اور احمد شاکر نے اسے صحیح کہا ہے اور یہ حسن حدیث ہے۔ (مسند احمد 1-389)

اس حدیث میں دو اہم امور کا ذکر ہے۔

1: دودھ کا اترنا حالانکہ وہ حاملہ نہ تھی خلاف عادت ہے۔

2: آپ ﷺ کا تھن کو فرمانا دودھ سے خالی ہو جا اور اس کا پہلی حالت پر ہو جا۔

حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا کے قصہ میں ہے کہ جب ہجرت کے موقع پر رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکر اور عامر بن فہیرۃ اپنے راستے کی نشاندہی کرنے والے ابن اریسقط کے ساتھ ام معبد کے خیمہ کے پاس سے گزرے تو ان سے گوشت یا کھجور کے بارے میں پوچھا تا کہ خرید کر استعمال کریں، لیکن وہاں کوئی ایسی شے نہ تھی کیونکہ علاقہ قحط زدہ تھا، آپ ﷺ نے وہاں بکری دیکھی تو فرمایا:

''ام معبد! اس بکری کا کیا حال ہے؟''

عرض کیا:

''کمزوری کی وجہ سے دوسری بکریوں سے پیچھے رہ گئی ہے۔''

فرمایا: یہ دودھ دیتی ہے؟ عرض کیا: یہ اس عمر سے گزر چکی ہے۔ فرمایا: کیا تم مجھے دھونے کی اجازت دیتی ہو۔ عرض کیا:

((بابی انت وامی ان رایت بھا حلبا فاحلبھا))

''میرے ماں باپ قربان اگر آپ ﷺ دودھ محسوس فرماتے ہیں تو دھولیں۔''

آپ نے اس کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا، اللہ تعالیٰ کا مبارک نام لیا اور بکری کیلئے دعا فرمائی:

((فتفاحت علیه ودرت واجترت و دعا باناء یربض الرھط فحلب فیه ثجا حتی علاه البھاء ثم سقاھا حتی رویت و سقی اصحابه حتی رووا))

''تو بکری کے تھنوں میں دودھ بھر آیا۔ آپ ﷺ نے برتن منگوا کر اسے دوہا حتیٰ کہ برتن بھر گیا، وہ دودھ اس خاتون کو پلایا پھر اپنے ساتھیوں کو دیا۔ انہوں نے بھی سیر ہو کر پیا۔''

پھر دوبارہ دوہا حتیٰ کہ برتن بھر گیا۔

اسے طبرانی، ابن سعد، ابو نعیم، بیہقی نے دلائل میں، حاکم نے کئی طرق سے روایت کیا، بعض کو صحیح کہا، ذہبی نے اس حکم کو برقرار رکھا، ھیثمی نے اسے صحیح کہا، ابن حجر نے حضرت قیس بن لقمان سے بیان کیا ہے۔

(المعجم الکبیر 4-55)

ابن اثیر کہتے ہیں:

''حدیث ام معبد علماء کے درمیان مشہور ہے اور کتب میں مروی ہے اور دلائل نبوت میں سے ہے۔ اسے حفاظ حدیث کی پوری جماعت نے روایت کیا ہے، یہ واقعہ مشہور ہے اور ایسے طرق سے مروی جو ایک دوسرے کو تقویت دیتے ہیں۔''

ہم کہتے ہیں اس حدیث میں بھی دو امور قابل توجہ ہیں:

1: یہ واقعہ ہجرت کے موقع کا ہے اور واقعہ ابن مسعود بعثت کے ابتدائی دنوں کا ہے۔ جیسا کہ حدیث جابر،

حدیث بریدہ اور دیگر احادیث کثیرہ سے معلوم ہوتا ہے۔

2: حدیث ابن مسعود میں تھا کہ آپ ﷺ نے تھن کو دودھ سے خالی ہونے کا حکم دیا اور وہ حکم بجالاتے ہوئے خالی ہوگیا لیکن قصہ ام معبد میں ہے کہ وہ بکری پھر ہمیشہ دودھ دیتی رہی اور یہ برکت تاحیات (حضرت عمر کے دور تک) حاصل رہی۔ حتیٰ کہ بہت سی روایات ہیں کہ قحط کے دنوں میں بھی وہ بکری دودھ دیا کرتی تھی۔

شاید واقعہ ابن مسعود میں دودھ واپس کردینے کی وجہ مالک کا کافر ہونا ہو اور وہ ابن ابی معیط تھا۔ رہا معاملہ حضرت ام معبد کی بکری کا تو وہ اہل اسلام کیلئے تھی۔

محبّ جس طرح یہ چاہتا ہے کہ میرا محبوب صاحب تقویٰ، ورع اور زہد رہے اس طرح وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ محبوب کوئی ایسی شے استعمال نہ کرے جس سے اسے تکلیف ہو، وہ یہ ہی نہیں چاہتا کہ اسے تکلیف نہ ہو بلکہ اپنی ذات سے بڑھ کر محبوب کا خیال رکھتا ہے۔ اس طرح کا معاملہ ایک بکری کا ہے۔ جسے بغیر اجازت مالک کے ذبح کر کے آپ ﷺ اور صحابہ کرام کی خدمت میں لایا گیا تھا تو اس ذبح شدہ بکری نے آپ ﷺ کو اس پر مطلع کردیا۔

ایک انصاری صحابی سے مروی ہے کہ ہم ایک جنازہ کے لئے رسول ﷺ کے ساتھ نکلے، میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ قبر کھودنے والے کو ہدایات دے رہے ہیں:

''اسے پاؤں اور سر کی طرف سے کشادہ کرو۔''

جب واپس ہوئے تو ایک خاتون نے کھانے کیلئے عرض کیا۔ آپ ﷺ تشریف لائے، پہلے آپ ﷺ نے شروع فرمایا، پھر صحابہ نے۔ آپ ﷺ نے منہ میں لقمہ رکھا ہی تھا تو فرمایا:

((اجد لحم شاة اخذت بغير اذن اهلها))

''میں نے محسوس کرلیا اس بکری کو مالک کی اجازت کے بغیر ذبح کیا گیا ہے۔''

آپ ﷺ نے خاتون سے پوچھا تو اس نے عرض کیا:

''یارسول اللہ ﷺ میں نے بکری خریدنے کیلئے آدمی بھیجا تھا مگر نہ ملی، پھر پڑوسی کی طرف پیغام بھیجا کہ اپنی بکری ہمیں بیچ دو، مگر وہ بھی وہاں موجود نہ تھا، پھر میں نے اس کی بیوی کو پیغام بھیجا تو اس نے بکری بھیج دی۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''اس کا گوشت قیدیوں کو کھلا دیا جائے۔''

اسے امام داؤد، امام احمد، بیہقی اور دارقطنی نے اسناد صحیحہ سے بیان کیا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے ساتھ ایک خاتون کے ہاں تشریف لے گئے، اس نے بکری ذبح کر کے کھانا پیش کیا:

((وکانوا لا یبدؤن حتی یبتدیء النبی ﷺ))

''صحابہ کی عادت تھی آپ ﷺ سے پہلے وہ ابتداء نہ کرتے تھے۔''

آپ ﷺ نے لقمہ لیا مگر تناول نہ فرمایا اور فرمایا:

((هذه شاة ذبحت بغير اذن اهلها))

''اس بکری کو اس کے مالک کی اجازت کے بغیر ذبح کیا گیا ہے۔''

خاتون سے پوچھا تو عرض کرنے لگیں:

''یا نبی اللہ ﷺ! ہمارے اور سعد بن معاذ کے خاندان کے درمیان اس قدر باہمی اعتماد ہے کہ اشیاء کی قیمتیں پوچھے بغیر:

((ناخذ منهم ويأخذون منا))

''ہم ان کی اور وہ ہماری اشیاء استعمال کرتے ہیں۔''

اسے امام احمد نے رجال صحیح سے بیان کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور حبیب ﷺ کو مال حرام سے محفوظ رکھا اور اس لقمہ سے آگاہ کرایا جسے آپ ﷺ نے منہ میں ڈالا تھا، یہ اللہ تعالیٰ کی آپ ﷺ پر خصوصی عنایت ہے۔

محبت کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ محبّ ہر اس شے سے ڈرتا ہے جس سے اس کے محبوب کو خطرہ ہو چہ جائیکہ اسے تکلیف پہنچے، اور جب معاملہ محبوب کی ہلاکت تک پہنچ جائے تو محبّ کیلئے خاموش رہنا ہرگز ممکن نہیں رہتا۔ اس لئے وہ حتی الوسع ہر وہ طریقہ اختیار کرے گا جس کی وجہ سے محبوب ہلاکت سے محفوظ ہو جائے۔

جب غزوہ خیبر اپنے اختتام کو پہنچا تو ایک یہودی عورت نے صحابہ سے پوچھا:

''حضور ﷺ بکری کے گوشت کا کون سا حصہ پسند کرتے ہیں؟''

اسے بتا دیا گیا، اس نے بکری ذبح کر کے پکائی اور اس کی دستی کو زہر آلود کر کے آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کھانا تناول کرنے کیلئے جلوہ افروز ہوئے، ابھی لقمہ کو اٹھا کر منہ میں رکھا ہی تھا تو:

((اخبرته الزراع بانها مسمومة وان الشاة كلها مسمومة))

''اس دستی نے اطلاع دی میں بلکہ تمام بکری زہر آلود ہے۔''

آپ ﷺ نے صحابہ کو کھانے سے منع فرما دیا، آپ ﷺ نے یہود سے پوچھا تو انہوں نے اس بات کا اعتراف کر لیا، یہ واقعہ بخاری و مسلم میں متعدد صحابہ سے مروی ہے جیسا کہ دیگر اہل مغازی و سیر نے اسے غزوہ خیبر کی تفصیل میں ذکر کیا ہے لیکن ہم ان میں سے بعض کے تذکرہ پر اکتفاء کر رہے ہیں۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت نے زہر آلود گوشت آپ ﷺ کو پیش کیا، آپ ﷺ نے تناول فرمایا، پھر اس خاتون کو آپ کی خدمت میں لایا گیا تو اس نے اعتراف کرتے ہوئے کہا:

''میں آپ ﷺ کو قتل کرنا چاہتی تھی۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

((لاما كان الله ليسلطك على ذلك))(بخاری ، کتاب الھبہ)

"اللہ تعالیٰ نے تجھے ناکام فرمادیا ہے۔"

روایت بزار میں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جب میں نے تناول کرنے کیلئے ہاتھ بڑھایا:

((ان عضوا من اعضائها يخبرني انها مسمومة))(کشف الستار 3=140)

"تو اس کے حصہ نے مجھے اطلاع دی کہ گوشت زہر آلود ہے۔"

حضرت ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ جب خیبر فتح ہوا تو آپ ﷺ کی خدمت میں زہر آلود بکری کا گوشت لایا گیا۔

ابو داود اور بیہقی میں ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کو یہ کہتے ہوئے کھانے سے منع فرمادیا:

((اخبرتني انها مسمومة))

"اس دستی نے مجھے زہر آلود ہونے کی اطلاع دی ہے۔"

تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"جو جو یہودی یہاں ہیں ان کو میرے پاس لاؤ۔"

جب ان کو اکٹھا کر دیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں، تم سچ کہو گے۔؟"

انہوں نے کہا: ہاں! ضرور! فرمایا: تمہارا والد کون ہے؟ کہنے لگے: فلاں ہے۔ فرمایا: تم نے جھوٹ بولا۔ تمہارا والد تو فلاں ہے۔ کہنے لگے: آپ ﷺ نے سچ کہا۔ فرمایا: ایک اور بات پوچھتا ہوں تم سچ کہو گے؟ کہنے لگے: ہاں! فرمایا: کیا تم نے اس بکری میں زہر ملایا تھا؟ کہنے لگے: ہاں! فرمایا: کیوں ایسا کیا؟ کہنے لگے:

((اردنا ان كنت كاذبا نستريح منك وان كنت نبيا لم يضرك))(بخاری، کتاب الطب)

"ہم نے چاہا تھا اگر آپ ﷺ کاذب ہیں تو ہماری جان چھوٹ جائے گی اور اگر آپ ﷺ نبی ہیں تو نقصان ہی نہ دے گا۔"

ابو داؤد میں حضرت جابر سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کو کھانے سے منع فرما کر اس یہودی عورت کو طلب فرمایا اور پوچھا:

"کیا تو نے اس میں زہر ڈالا ہے؟"

کہنے لگی: آپ ﷺ کو کس نے بتایا؟ فرمایا:

((اخبرتني هذه في يدي للذراع))(ابو داؤد ، کتاب الدیات)

"مجھے اس دستی نے اطلاع دی ہے۔"

مسند بزار میں ثقہ رجال سے حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صحابہ رک جاؤ:

((فان عضوا من اعضائها یخبرنی انها مسمومة))

(کشف الاستار 3=141)

''اس کے ایک عضو نے مجھے زہر آلود ہونے کی اطلاع دی ہے۔''

حافظ ابن حجر رقمطراز ہیں:

((فی الحدیث اخباره عن الغیب وتکلیم الجماد له))

(فتح الباری، 10=246)

''اس حدیث سے آپ ﷺ کا غیبی خبر دینا اور جماد کا آپ ﷺ سے گفتگو کرنا ثابت ہو رہا ہے۔''

واقعتہً محب اپنے محبوب کی اسی طرح حفاظت کرتا ہے۔ وہ اپنے محبوب کی ہر تکلیف سے دفاع کرتا ہے، کیا عالم ہوگا جب محبوب کو بڑا خطرہ لاحق ہو؟

حضرت جعیل اشجعی سے روایت ہے کہ میں آپ ﷺ کے ساتھ غزوہ میں شریک تھا۔ میرے پاس جو گھوڑا تھا وہ نہایت ہی کمزور اور لاغر تھا، رسول اللہ ﷺ پیچھے سے تشریف لے آئے، فرمایا:

''اے صاحب فرس! جلدی چلو!''

میں نے عرض کیا یا: رسول اللہ ﷺ یہ سست اور کمزور ہے:

((فرفع رسول الله مخفقة كانت معه فضر بها وقال اللهم بارك له فيها))

''آپ ﷺ نے اپنے کوڑے سے اسے ضرب لگائی اور دعا کی: اے اللہ! اس میں برکت عطا فرما۔''

اس کے بعد اس کی کیفیت یہ تھی:

((ما املك راسها ان تقدم الناس ولقد بعت من بطنها باثنی عشر الفا))

''میں اب اسے لوگوں سے آگے بڑھنے سے روک نہیں سکتا تھا۔ میں نے اس کی اولاد کو بارہ ہزار میں بیچا۔''

اسے نسائی نے کبریٰ میں اور بیہقی نے دلائل میں ذکر کیا۔ حافظ نے اصابہ میں اسے صحیح کہا۔

بخاری کی ہی دوسری روایت میں ہے کہ جب لوگ خوفزدہ ہوئے تو آپ ﷺ ابوطلحہ کے کمزور وسست رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر نکلے، لوگ بھی بعد میں نکلے واپسی پر فرمایا: نہ گھبراؤ اور

((انه لبحر فما سبق بعد ذلك اليوم)) (بخاری، کتاب الجهاد)

''یہ گھوڑا سمندر کی طرح تیز رفتار ہے۔ اس دن کے بعد اس کا کوئی گھوڑا مقابلہ نہ کر پاتا۔''

یہ گھوڑا نہایت ہی سست رفتار تھا مگر جب آپ ﷺ نے اس پر سواری فرمائی تو وہ اس قدر تیز رفتار ہو گیا کہ اس کے بعد اس سے آگے کوئی گھوڑا نہ گزر سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتیں ہوں اللہ کے نبی اور اس کے منتخب

بندے پر۔ اس گھوڑے کو آپ ﷺ کے سوار ہونے سے برکت حاصل ہوگئی کہ اس سے آگے نہیں گزرا جا سکتا تھا اور نہ ہی مقابلہ کیا جا سکتا جیسا کہ حضرت جعیل اشجعی کے گھوڑے کو آپ ﷺ کے ٹھوکر لگانے اور دعا دینے سے برکت حاصل ہوگئی تھی۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سب سے خوبصورت، سب سے زیادہ سخی تھے اور سب سے زیادہ بہادر تھے، ایک رات اہل مدینہ خوف زدہ ہوگئے اور کچھ لوگ جانب آواز (جس کی وجہ سے خوف لاحق ہوا تھا) نکلے تو دیکھا کہ آپ ﷺ ادھر سے واپس تشریف لا رہے ہیں:

((وهو على فرس لابى طلحة عربى فى عنقه السيف وهو يقول لم تراعوا لم تراعوا))

”آپ ﷺ ابوطلحہ کے گھوڑے پر تھے، تلوار بھی ساتھ تھی اور فرمایا: فکر نہ کرو۔“

اور گھوڑے کے بارے میں فرمایا:

((وجدناه بحرا))

”اسے ہم نے سمندر سا تیز رفتار پایا ہے۔“

حالانکہ وہ گھوڑا پہلے تیز رفتار نہ تھا۔ (مسلم، کتاب الفضائل) (الاصابہ 1-39)

صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ ایک دفعہ اہل مدینہ خوف زدہ ہو گئے، حضور ﷺ ابوطلحہ کے گھوڑے پر سوار ہو کر باہر نکلے اور وہ گھوڑا سست رفتار تھا۔ جب آپ ﷺ واپس لوٹے تو فرمایا:

((وجدنا فرسكم هذا بحرا))

”ہم نے اسے سمندر سے بھی (تیز رفتار) پایا ہے۔“

اس کے بعد اس کا مقابلہ نہ کیا جا سکتا۔ (بخاری، کتاب الجہاد)

محبت کا ایک منظر یہ بھی ہوتا ہے کہ محبت، محبوب کے سامنے اظہار سرور کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کھانے نے آپ ﷺ کے سامنے اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھی، اگرچہ یہ خلاف عادت ہے مگر ہے محبت کا ہی ایک منظر، یاد رہے جو پہلے ذکر ہو یا آگے ذکر ہوگا یہ تمام کے تمام معاملات خارق عادت ہی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم آیات کو برکت تصور کرتے تھے اور تم انہیں خوف کا ذریعہ سمجھتے ہو۔ ایک مرتبہ ہم سفر میں حضور ﷺ کے ساتھ تھے پانی میں کمی واقع ہوگئی، فرمایا:

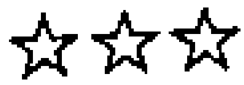
”بچا ہوا پانی لے آؤ۔“

ہم نے ایک برتن میں تھوڑا سا پانی پیش کیا، آپ ﷺ نے اس میں اپنی مبارک انگلیاں داخل فرما دیں اور فرمایا:

((حى على الطهور المبارك والبركة من الله))

”مبارک پانی کی طرف آؤ اور برکت اللہ کی طرف سے ہے۔“

میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی مبارک انگلیوں سے پانی کے چشمے پھوٹ پڑے۔
((لقد کنا نسمع تسبیح الطعام وھو یو کل))
''ہم کھانا کھاتے ہوئے کھانے کی تسبیح سنا کرتے۔'' (بخاری، کتاب المناقب)
امام اسماعیلی، ترمذی اور بیہقی کے الفاظ ہیں:
((کنا نا کل مع النبی الطعام و نحن نسمع تسبیح الطعام))
''ہم آپ ﷺ کے ساتھ کھانا کھایا کرتے اور کھانے کی تسبیح سنا کرتے تھے۔'' (فتح الباری6=592)
''کنا نسمع'' ''ہم سنا کرتے تھے''، کے الفاظ بتا رہے ہیں، ایسا متعدد مرتبہ ہوا۔
ابن حبان نے سند مرفوع کے ساتھ انہی سے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:
((کنا مع رسول اللہ فی سفر فدعا بالطعام و کان الطعام یسبح۔))
(ابن حبان8=144)
''ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے، آپ ﷺ نے کھانا طلب فرمایا تو وہ کھانا تسبیح پڑھ رہا تھا۔''



شجر و حجر اور محبت و اطاعت مصطفیٰ

آپ نے پڑھا محب، محبوب کی تکلیف پر پریشان ہوتا ہے، اور اسے یہ خوف لاحق رہتا ہے کہ کہیں محبوب کو کوئی تکلیف نہ پہنچ جائے۔ جنات کا جہان انسانوں سے الگ ہے، جنات میں سے کچھ ایک رات درخت کے پیچھے سے حضور ﷺ کا قرآن سن رہے تھے اور یہ طائف کے واقعہ کے بعد کی رات تھی، تو اس درخت نے آپ ﷺ کو ان کی موجودگی کی اطلاع دی۔
حضرت عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ میں نے مسروق سے پوچھا:
''اس رات آپ ﷺ کو کس نے اطلاع دی تھی کہ آپ کا قرآن جنات بھی سن رہے ہیں۔؟''
فرمایا:
''تیرے والد (عبداللہ بن مسعود) نے مجھے بتایا تھا کہ
((اذنتہ بھم شجرۃ))
''درخت نے ان کے بارے میں اطلاع دی تھی۔'' (بخاری، مناقب الانصار)
محب اپنے محبوب کی بہتری ہی چاہتا ہے، اس لئے اس کے ساتھ تعاون و مدد کرنا اپنا فریضہ تصور کرتا ہے اور اپنے محبوب کے بارے میں اپنی معلومات دوسروں کو فراہم کرتا رہتا ہے۔ جماد اور درخت چونکہ آپ ﷺ کی

رسالت سے آگاہ تھے۔ جب بھی رسالت پر گواہی کی ضرورت پیش آتی تو اس کا اعلان کرتے ہوئے کلام کرتے تا کہ امانت کا ابلاغ، رسالت کی تصدیق اور شہادت کی ادائیگی ہو جائے، ایسا ہی واقعہ ایک ببول کے درخت کا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم حضورﷺ کے ساتھ سفر میں تھے۔ ایک بدو سامنے آیا، آپﷺ نے اس سے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ کہنے لگا: جا رہا ہوں۔ فرمایا: کیا تیرے پاس خیر ہے؟ پوچھنے لگا: اس سے کیا مراد ہے؟ فرمایا:

''یہ کہ تو اس بات کی گواہی دے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا ذات وصفات میں کوئی شریک نہیں اور محمد اس کے بندے ہیں۔''

کہنے لگا: اس پر کوئی دلیل ہے؟ فرمایا: یہ ببول کا درخت۔ پھر آپﷺ نے اس درخت کو بلایا اور وہ وادی کے کنارے پر تھا:

((فاقبلت تخد الارض خدا حتی کانت بین یدیه))

''تو وہ زمین پھاڑتے ہوئے آپﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔''

آپﷺ نے تین دفعہ گواہی دینے کا فرمایا تو حسب حکم گواہی دی، پھر اپنی جگہ لوٹ گیا، وہ بدو اپنے دیہات کی طرف یہ کہتے ہوئے لوٹا:

''اگر میری قوم نے میری بات مان لی تو میں انہیں لے کر آؤں گا اور اگر وہ نہ مانے تو میں آپﷺ کی غلامی میں آ جاؤں گا۔''

اسے ابن حبان، دارمی، ابو یعلی، طبرانی نے کبیر میں، بزار، بیہقی نے دلائل میں ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن کثیر نے طریق حاکم سے نقل کر کے کہا: یہ سند جید ہے لیکن انہوں نے اس کی تخریج نہیں کی اور نہ اسے امام احمد نے روایت کیا۔

بیہقی کہتے ہیں:

''اسے طبرانی نے روایت کیا اور اس کے رجال، صحیح کے رجال ہیں۔ اسے ابو یعلی اور بزار نے روایت کیا۔''

بوصیری نے کہا:

''شیخ حبیب الرحمٰن نے حاشیہ مطالب میں لکھا کہ اسے ابو یعلی نے سند صحیح اور بزار، طبرانی اور ابن حبان نے صحیح میں ذکر کیا ہے۔''

ہم کہتے ہیں کہ اس حدیث کے شواہد ہیں۔ مسلم میں حضرت جابر سے ہے، حضرت انس، حضرت عمر، حضرت ابن عباس، حضرت یعلی اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہم سے بھی ہے۔

اس روایت میں دو اہم امور کی نشاندہی ہے:

1: حضور ﷺ کے بلانے پر درخت کا آنا اور واپسی کے حکم پر لوٹ جانا آپ ﷺ کی نبوت اطاعت ہے اور یہ خارق عادت ہے۔

2: درخت نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے نبی کی نبوت و رسالت پر بول کر گواہی دی، یہاں تک کہ اعرابی نے کانوں سے سنا اور یہ بھی خلاف عادت ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات پاک جس نے اپنے رسول اللہ ﷺ کی مدد و تائید اس سے بڑے دلائل سے فرمائی ہے، وہ اس پر بھی قادر ہے۔

مسجد نبوی میں منبر شریف تیار ہونے سے پہلے آپ ﷺ ایک کھجور کے تنے کے ساتھ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے، جب قیام طویل ہو جاتا یا کچھ تھکاوٹ محسوس فرماتے تو اس تنے پر دست اقدس بھی رکھتے، نمازیوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ جمعہ میں دور بیٹھنے والے آپ ﷺ کی زیارت نہ کر پاتے۔ آپ ﷺ کی عمر شریف بھی زیادہ ہو گئی تھی، صحابہ کیلئے آپ ﷺ کا اتنا طویل قیام دشوار گزرنے لگا، انہوں نے منبر تیار کرنے کا سوچا، عرض کرنے پر آپ ﷺ نے بھی اس رائے کو پسند فرمایا۔ لہٰذا منبر تیار کر لیا گیا۔ جب منبر اپنی جگہ پر رکھ دیا گیا، آپ ﷺ جمعہ کے خطبہ کے لئے حجرہ انور سے نکل کر منبر کی طرف بڑھے، آپ ﷺ کا گزر جب اس تنے کے پاس سے ہوا، آپ ﷺ وہاں نہ رکے اور منبر پر جلوہ افروز ہوئے۔

((اذا بالجزع یصرخ صراخا شدیدا ویحن حنینا مولما حتی ارتج المسجد و تساقط البناء و تشقق الجذع ولم یهدا))

"تو تنا نے چیخ و پکار شروع کر دی وہ اس قدر دردناک انداز میں رویا کہ پوری مسجد آواز سے گونج اٹھی ۔تنا پھٹ گیا۔"

اس کا صحابہ پر یہ اثر ہوا:

((ویکوابکاء شدیدا الحنین هذا الجزع))

"انہوں نے بھی اس تنے کے ساتھ خوب رونا شروع کر دیا۔"

یہ بے جان تنا رویا اور چیخا۔ حضور ﷺ منبر سے نیچے تشریف لائے، اس پہ دست اقدس رکھتے ہوئے دلاسہ دیا، اسے گلے لگایا، یہاں تک کہ وہ خاموش ہو گیا۔ پھر آپ ﷺ نے بے جان تنے سے گفتگو کی اور اسے اختیار دیا، چاہے تو تجھے جنتی درخت بنا دیا جائے، تیری جڑیں جنت کی نہروں اور چشموں سے فیض یاب ہوں اور اہل ایمان تیرا پھل کھائیں یا تجھے دنیا کا پھل دار درخت بنا دیا جائے۔ بایں طور کہ تجھے باغ میں لوٹا دیا جائے تو پھل دے اور مومن تیرا پھل کھائیں؟ شوق میں رونے والے تنے نے جنتی ہونا پسند کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((افعل ان شاء الله افعل ان شاء الله))

"اللہ تعالیٰ کی توفیق سے میں ایسا کرتا ہوں۔"

اس پر وہ تنا خاموش ہو گیا، اس کے بعد رسول ﷺ نے فرمایا:

((والذی نفسی بیده لو لم التزمه لبقی یحن الی قیام الساعة

شوقا الی رسول اللہ ﷺ))

”مجھے قسم ہے اس ذات اقدس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! اگر میں اسے گلے نہ لگاتا تو یہ اللہ کے رسول کے شوق میں قیامت تک روتا رہتا۔“

اس بے جان تنے سے چار پانچ ہاتھ رسول اللہ ﷺ دور ہوتے ہیں، لیکن وہ یہ دوری برداشت نہ کر سکا، وہ سسکیاں لے لے کر رونے لگا، آپ ﷺ کے فراق میں نہایت غمزدہ ہو گیا اور اس وقت تک خاموش نہ ہوا جب تک آپ ﷺ نے وصل کی صورت میں اسے گلے نہ لگا لیا اور اختیار عطا نہ فرمایا۔ حالانکہ اس کے پاس عقل کہاں؟ ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ اس نے دوبارہ باغ میں پھلدار ہونا قبول اس لئے نہیں کیا کہ اگر وہ یہ قبول کر لیتا تو سینکڑوں میٹر حضور ﷺ سے دور ہو جاتا، جب وہ چند ہاتھ دوری کو برداشت نہیں کر سکا تو اتنی طویل مسافت کی دوری کیسے برداشت کر سکتا تھا؟ تو اس نے دوبارہ پھلدار درخت ہونا قبول نہ کیا کیونکہ اگر وہ یہ قبول کر لیتا تو اسے دوبارہ فراق مل جاتا یا تو اس کی اپنی موت کی صورت میں یا اس کائنات سے حضور ﷺ کے وصال کی صورت میں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی موت آپ ﷺ کے وصال سے پہلے ہو جاتی تو وہ آپ ﷺ کے چند میٹر دور ہونے پر رویا اور چلایا۔

اب تو ہر حال میں دوری تھی، طویل فراق تھا تو جب اس نے چند ہاتھ پر فراق برداشت نہ کیا تو وہ باغ میں درخت بن کر اتنی دوری کیسے برداشت کر سکتا تھا؟ اس لئے اس نے جنتی ہونے کو اختیار کر لیا، وہاں موت نہیں بلکہ بقاء اور زندگی ہے۔ اگر موت یا دفن کی وجہ سے کچھ جدائی بھی ہوگی تو یہ عارضی و وقتی ہوگی اور پھر وصال دائمی ہوگا، کیونکہ جنت دارِ حیات ہے، وہاں موت نہیں۔

اس تنے کے رونے اور شوق سے اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں پر حجت قائم فرما دی ہے۔ اگر وہ اس میں کوتاہی اور سستی برتیں، کیونکہ مسلمان اس جماد اور بے جان تنے سے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ زیادہ شوق و رونے کے حقدار ہیں۔

امام حسن بصری فرمایا کرتے تھے:

((یا معشر المسلمین الخشبه تحن الی رسول الله ﷺ شوقا الی لقائه فانتم احق ان تشتاقوا الیه ﷺ))

”اے مسلمانو! ایک لکڑی اللہ کے رسول ﷺ کی ملاقات کے شوق میں روتی ہے تو تم آپ ﷺ کے شوق کے زیادہ حقدار ہو۔“ (صحیح ابن حبان 151,8)

حضرت امام شافعی نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نے جو کچھ حضور ﷺ کو عطا فرمایا وہ کسی دوسرے نبی کو عطا نہیں فرمایا۔“

اس پر حضرت عمرو بن سواد نے عرض کیا:

”حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مردے زندہ کرنے کی طاقت عطا فرمائی۔“

امام شافعی نے فرمایا:

((اعطی محمدا ﷺ حنین الجزع حتی سمع صوته هذا اکبر من ذلك))

"حضور ﷺ کیلئے تنا رویا اور اس کی آواز سنی گئی تو یہ اس سے کہیں بلند معجزہ ہے۔" (آداب الشافعی و مناقبہ، 83)

میت کو زندہ کرنا اسے اس کے سابقہ حال کی طرف لوٹانا ہے، تنے کا رونا اس سے نہایت ہی عظیم ہے کیونکہ کھجور کا تنا پودا تھا اگر اصل حالت کی طرف لوٹایا جاتا تو پودا ہی رہتا، نہ بولتا نہ کلام کرتا، نہ صاحب عقل کی طرح احساس رکھتا، لیکن یہاں تو جماد کو ادراک واحساس، محبت اور غم والا بنا دیا گیا۔ جیسا کہ اشرف المخلوق صاحب عقل و ادراک میں ہوتا ہے تو واقعتہً یہ مردہ کو زندہ کرنے سے عظیم معجزہ ہے۔ جزع جماد ہونے کے باوجود، نباتات سے اٹھ کر اشرف المخلوقات میں شامل ہو گیا۔ میت جماد، عاقل، مدرک اور کامل الصفات بن گیا اور قدرت الٰہیہ کیلئے یہ ہرگز دشوار نہیں، آپ ﷺ کے فراق میں تنے کا رونا تواتر سے ثابت ہے۔ بخاری و مسلم وغیرہ میں متعدد صحابہ سے یہ مروی ہے۔ کثیر ائمہ نے اسے بیان کیا ہے۔

ہم یہاں صرف ایک روایت ذکر کر رہے ہیں۔

حضرت یعلی بن مرۃ ثقفی سے روایت ہے کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے۔ ایک جگہ ہم نے پڑاؤ ڈالا، حضور آرام فرما ہوئے۔

((فجاء ت شجرة تشق الارض حتی غشيته ثم رجعت الی مكانها))

"تو ایک درخت نے زمین پھاڑتے ہوئے حاضر ہو کر سایہ کیا، پھر اپنی جگہ کی طرف لوٹ گیا۔"

جب آپ ﷺ بیدار ہوئے تو ہم نے عرض کیا تو فرمایا:

((هی شجرة استاذنت ربها عزوجل فی ان تسلم علی فاذن لها))

(مسند احمد، 4-173)

"اس درخت نے رب العزت سے مجھے سلام عرض کرنے کی اجازت مانگی جو اسے مل گئی۔"

اسے امام احمد، طبرانی، ابونعیم اور بیہقی نے روایت کیا، احمد، ابونعیم اور بیہقی کے رجال صحیح کے ہیں اور حدیث کے دیگر شواہد بھی موجود ہیں۔

بارگاہ نبوی میں پہاڑ غلامی کر رہے ہیں، پتھر حکم مان رہے ہیں، بادل اطاعت کر رہے ہیں، مٹی حکم بجالا رہی ہے۔ بت سجدہ ریز ہو رہے ہیں، پانی قربان ہو رہا ہے، درخت فرمانبرداری کر رہے ہیں اور کھانا اطاعت گزاری کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ ان کے بارے میں اتنے صحابہ سے مروی ہے کہ یہ معاملہ حد تواتر کو پہنچا ہوا ہے۔

حضرت یعلی بن مرہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے تین چیزیں ایسی دیکھیں جو مجھ سے پہلے

کسی نے نہیں دیکھیں اور نہ میرے بعد کوئی دیکھے گا۔ میں حضور ﷺ کے ساتھ سفر میں تھا، ایک جگہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''کوئی ایسی شے ہے جو ستر کا کام دے؟''

عرض کیا گیا:

''ایک درخت ہے لیکن وہ ستر کیلئے کافی نہیں۔''

فرمایا: اس کے قریب کچھ ہے؟ عرض کیا: اس کے قریب ایک اور درخت ہے۔ فرمایا: ان دونوں کے پاس جاؤ اور کہو:

((ان رسول الله يامر كما ان تجتمعا باذن الله))

''رسول اللہ ﷺ فرمار ہے ہیں: اللہ کے حکم سے دونوں جمع ہو جاؤ۔''

وہ دونوں جمع ہو گئے۔ رفع حاجت کے بعد مجھے فرمایا: انہیں واپسی کا کہہ دو۔ میں نے کہا تو وہ اپنی جگہ واپس لوٹ گئے۔

بعض محدثین نے اسے یعلی کے والد حضرت مرۃ سے نقل کیا ہے، اسے امام احمد، ابن ابی شیبہ نے رجال صحیح سے نقل کیا ہے، ابن ماجہ، حاکم نے صحیح کہا، ذہبی نے اس حکم کو برقرار رکھا، ابو نعیم، بیہقی نے دلائل میں ذکر کیا۔

ابن کثیر کہتے ہیں:

''یہ متعدد طرق جیدہ ماہرین حدیث کے ہاں غلبہ ظن و قطعیت تک پہنچاتے ہیں کہ حضرت یعلی بن مرۃ سے یہ واقعہ منقول ہے۔'' (مسند احمد: 4-170)

اس سلسلے میں اور بھی روایات ہیں، بعض میں خود حکم دینے کا ذکر ہے اور بعض میں صحابہ کے ذریعے، ایسے واقعات دس صحابہ سے مروی ہیں ان میں حضرت عمر، حضرت انس، حضرت جابر، ابن عمر، حضرت بریدہ، ابن مسعود، حضرت غیلان بن سلمہ، حضرت یعلی بن امیہ اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ ایک اعرابی حضور ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا:

((بم اعراف انك رسول الله))

''میں کیسے جان لوں، آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔؟''

فرمایا: اگر میں اس کھجور کے گچھے کو بلاؤں اور وہ گواہی دے کہ میں اللہ کا رسول ہوں تو پھر کیا خیال ہے؟ کہنے لگا: پھر مان لوں گا۔ آپ ﷺ نے گچھے کو بلایا:

((فجعل العذق ينزل من النخلة حتى سقط فى الارض فجعل ينقز حتى اتى النبى))

''گچھا کھجور سے نیچے آگرا اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔''

اس کے بعد فرمایا: اب واپس لوٹ جا تو وہ اپنے مقام پر واپس لوٹ گیا۔ وہ اعرابی آپ ﷺ پر ایمان لے

آیا۔

اسے امام احمد، بخاری نے تاریخ میں، ترمذی، حاکم، ابن حبان نے صحیح کہا، ذہبی نے حکم برا قرار رکھا، دارمی، ابویعلی، طبرانی نے کبیر میں، بیہقی، ابونعیم نے دلائل میں ذکر کیا۔ ان میں سے اکثر کی سند صحیح ہے۔

مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ دوران سفر ایک وسیع وادی میں اترے تو رسول اللہ ﷺ رفع حاجت کیلئے تشریف لے گئے۔ میں پانی کا برتن لے کر ساتھ ہولیا، آپ ﷺ نے دیکھا کہ کوئی مقام ستر نہ تھا تو وادی کے کنارے پر درخت نظر آئے، آپ ﷺ نے ایک کے پاس جا کر اس کی ٹہنی پکڑ کر فرمایا:

((انقادی علی باذن الله))

''اللہ تعالیٰ کے حکم سے میری اطاعت کر۔''

وہ درخت غلام بن کر آپ ﷺ کے ساتھ اس طرح چل پڑا جیسے نکیل شدہ اونٹ اپنے مالک کے ساتھ چلتا ہے۔ حتیٰ کہ دوسرے درخت کے پاس آپ ﷺ پہنچ گئے۔ اس سے بھی آپ ﷺ نے یہی فرمایا تو وہ بھی غلامی کرنے لگا، ان دونوں کو آپ ﷺ نے فرمایا:

((التما علی باذن الله))

''اللہ کے حکم سے تم دونوں میرے لئے پردہ بنادو۔''

میں پریشان ہوا۔ شاید میرے قریب آنے کی وجہ سے آپ ﷺ دور تشریف لے گئے ہیں۔ میں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ آپ ﷺ تشریف لے آئے اور دونوں درخت اپنی اپنی جگہ واپس لوٹ گئے۔

(مسلم، کتاب الزہد)

آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں پتھر اور درختوں کے سجدہ کے واقعات نہایت کثرت سے موجود ہیں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری سے مروی ہے کہ جناب ابوطالب، قریش کے شیوخ کے ساتھ شام کی طرف نکلے، حضور ﷺ بھی ان کے ساتھ تھے۔ جب راہب کے پاس پہنچے تو راہب ان کو ملنے کیلئے خود آ گیا۔ حالانکہ اس سے پہلے ملنے نہیں آتا تھا، بلکہ توجہ ہی نہ دیتا تھا۔ قافلہ میں سے ہر ایک کو دیکھتا ہوا آپ ﷺ کے پاس آ گیا۔ آپ ﷺ کا دست مبارک پکڑ کر کہنے لگا:

((هذا سيد العالمين، هذا رسول رب العالمين، هذا يبعثه الله رحمة للعالمين))

''یہ تمام کائنات کے سردار، یہ رب العالمین کے رسول اور انہیں اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔''

قریشی شیوخ نے کہا:

''تجھے اس کا کیسے علم ہوگیا ہے؟''

کہنے لگا:

میں دیکھ رہا تھا جب تم سامنے کی گھاٹی چڑھے ہو:

((لم یبق شجر و لا حجر الا خر ساجدا و لا یسجدا الا لنبی))

''کوئی درخت اور پتھر ایسا نہ تھا جو سجدہ نہ کر رہا ہو اور یہ نبی کے لئے ہی سجدہ کرتے ہیں۔''

یہ ابن شیبہ کے الفاظ ہیں، ترمذی نے اسے حسن کہا، ابونعیم اور حاکم نے صحیح کہا، تیمی اور بیہقی نے بھی نقل کیا۔ تمام نے قراد (عبدالرحمٰن بن غزوان الضبی) سے جو ثقہ ہے اور یونس بن ابی اسحاق جو صداق اور رجال مسلم میں سے ہیں، ابوبکر بن ابی موسیٰ سے جو ثقہ ہے روایت کیا اور انہوں نے اپنے والد گرامی سے کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں حدیث سیدہ عائشہ فی بدء الوحی کے تحت کہا:

''سب سے پہلے آپ ﷺ نے جو بات اس سلسلہ میں سنی تھی وہ بحیرا راہب سے ہی تھی۔''

اور ترمذی کے نزدیک یہ روایت حضرت ابوموسیٰ سے سند قوی کے ساتھ ثابت ہے اور الاصابہ میں بحیرا کے حالات میں فرمایا:

''یہ واقعہ حضرت ابوموسیٰ اشعری سے مروی ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں، ترمذی وغیرہ نے اسے روایت کیا لیکن راہب کا نام نہ لیا، اس میں ان الفاظ منکرو کا بھی اضافہ ہے۔''

''واتبعہ ابوبکر بلالا'' ان کے منکر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت حضرت ابوبکر نہ تھے اور نہ انہوں نے ان دنوں بلال کو خریدا تھا۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ یہ جملہ کسی اور روایت کا ہو لیکن مذکورہ روایت میں شامل کر دیا گیا ہو۔ الغرض یہ کسی راوی کا وہم ہے۔

ہم کہتے ہیں جو روایت ہم نے ذکر کی ہے وہ ابن ابی شیبہ کی ہے اور اس میں یہ الفاظ نہیں، یہ سنن ترمذی اور بعد کے لوگوں کی روایت میں ہیں، حافظ ابن حجر نے جو کچھ فرمایا، یہ حافظ ذہبی کے اسے تلخیص المستدرک میں منکر سمجھنے کا جواب بن سکتا ہے۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ بنو عامر کا ایک آدمی آپ ﷺ کی خدمت میں آیا وہ طبیب تھا۔ کہنے لگا:

''اے محمد ﷺ! آپ عجیب قسم کی باتیں کرتے ہیں! کیا میں تمہارا علاج نہ کروں؟''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''میں تجھے کوئی نشانی نہ دکھاؤں؟''

آپ ﷺ نے سامنے موجود کھجور کے درخت کو بلایا۔

((فاقبل الیہ وھو یسجدو یرفع و یسجد و یرفع رأسہ حتی انتھی الیہ فقام بین یدیہ))

''وہ اس طرح حاضر ہوا کبھی سجدہ ریز ہوتا، کبھی سر اٹھاتا حتیٰ کہ آ کر آپ ﷺ کی خدمت میں کھڑا ہو گیا۔''

پھر آپ ﷺ نے اسے واپس جانے کا حکم دیا تو وہ اپنے مقام پر لوٹ گیا، اس پر وہ معالج کہنے لگا:

((واللہ لا اکذبک شیء تقولہ بعدھا ابدا))

''اللہ کی قسم! اس کے بعد آپ ﷺ کی کسی بات کو کبھی بھی نہیں جھٹلاؤں گا۔''

اسے ابویعلی نے رجال صحیح سے روایت کیا ہے۔ ماسوائے ابراہیم بن حجاج کے اور وہ بھی ثقہ ہیں۔ ابن حبان نے اس کو صحیح کہا ہے، طبرانی نے کبیر میں، ابن سعد، ابونعیم اور بیہقی نے دلائل میں اسی طرح نقل کیا ہے۔ امام احمد، ترمذی اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔ امام بخاری نے تاریخ میں، طبرانی نے کبیر میں اور دارمی و بیہقی نے بھی لفظ سجود کے علاوہ یہ روایت ذکر کی ہے۔ (مسند ابویعلی 4-236)

سجدہ کی دو قسمیں ہیں:

(1) سجدۂ عبادت۔

(2) سجدۂ تعظیمی۔

سجدۂ عبادت : یہ صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہی جائز ہے کسی اور کیلئے ہرگز جائز نہیں، نہ ہماری شریعت میں اور نہ سابقہ شریعتوں میں۔

سجدۂ تعظیمی : انسانی تخلیق سے لے کر حضور ﷺ کی تشریف آوری تک یہ سجدہ سماوی ادیان میں جائز تھا، حضرت آدم علیہ السلام کو ملائکہ نے جو سجدہ کیا تھا اکثر مفسرین کی رائے کے مطابق وہ سجدہ تعظیمی ہی تھا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((واذ قلنا للملئکۃ اسجدوا لا دم فسجدوا الا ابلیس ابی واستکبر وکان من الکافرین))(البقرہ:34)

''اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے کہ منکر ہوا اور غرور کیا اور کافر ہو گیا۔''

حضرت یوسف اور ان کے والدین علیہم السلام کے واقعہ میں ارشاد ہوتا ہے:

((ورفع ابویہ علی العرش وخروا لہ سجدا وقال یابت ھذا تاویل رءیائی))(سورت یوسف:100)

''اور اپنے ماں باپ کو تخت پر بٹھایا اور سب اس کے لئے سجدے میں گرے اور یوسف نے کہا: اے میرے باپ! یہ میرے پہلے خواب کی تعبیر ہے۔''

یہ بھی سجدہ تعظیمی ہی تھا اور یہ رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری تک جائز رہا۔

حضرت عبداللہ بن اوفی سے مروی ہے کہ جب حضرت معاذ بن جبل شام سے آئے تو انہوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں سجدہ کیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: یہ کیا؟ عرض کیا:

''یارسول اللہ ﷺ! میں شام گیا، وہاں لوگ اپنے سربراہوں کو سجدہ کرتے ہیں، میں نے چاہا کیوں نہ

آپ ﷺ کو میں سجدہ کروں۔"

فرمایا: آئندہ ہرگز ایسا نہ کرو، اگر کسی کیلئے سجدہ جائز ہوتا تو میں بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کیا کرے۔

اسے امام احمد، ابن ماجہ، ابن حبان نے روایت کیا، اس کے راوی، رجال صحیح ہیں۔ امام ابن ماجہ اور بزار نے رجال صحیح کے ساتھ روایت کیا، حاکم نے صحیح کہا، ذھبی نے ان کے حکم کو ثابت رکھا اور اس حدیث کے کثیر شواہد ہیں۔ (مسند احمد، 4-381)

یہ سجدہ فقط تعظیمی اور بطور احترام واکرام تھا نہ کہ سجدہ عبادت، لیکن حضور ﷺ نے اسے بھی حرام فرمادیا اور اعلان فرمادیا کہ یہ کبھی کسی کیلئے جائز نہیں۔ پتھروں، درختوں اور جانوروں کا یہ سجدہ بطور تعظیم تھا بطور عبادت نہ تھا۔

صحابہ کرام سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے طعام تسبیح پڑھا کرتا اور آپ ﷺ کے سامنے سنگریزے بھی تسبیح کرتے۔ سنگریزوں نے صرف آپ ﷺ کے مقدس ہاتھوں میں ہی تسبیح نہیں پڑھی بلکہ حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان کے ہاتھوں میں بھی پڑھی۔ ہاں یہ آپ ﷺ کی عطا سے ہی ہوا، نبی اکرم ﷺ نے ان کو بظاہر تسبیح کا حکم نہیں دیا لیکن عمل، قول سے زیادہ موثر ہوتا ہے۔

حضرت ابوذر غفاری سے مروی ہے کہ میں حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر تھا:

((وفي يده حصيات فسبحن في يده))

"آپ ﷺ کے دست اقدس میں سنگریزے تھے جو تسبیح پڑھ رہے تھے۔"

ان کی تسبیح کو حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم نے بھی سنا۔ پھر وہ سنگریزے آپ ﷺ نے یکے بعد دیگرے حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان کو عطا فرمائے، وہاں بھی ان کی تسبیح لوگوں نے سنی، اس کے بعد ہمیں عطا فرمائے مگر کسی کے ہاتھ میں انہوں نے تسبیح نہ پڑھی۔

اسے امام ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں دو اسناد کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ایک سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ محدث بزار نے دو اسناد سے اسے ذکر کیا، ان میں سے ایک کے راوی ثقہ ہیں۔

اسے امام ابن عاصم نے سند جید کے ساتھ نقل کیا، بیہقی اور طبرانی نے اوسط میں ایک اور سند سے ذکر کیا ہے۔

ہیثمی نے امام بزار کی پہلی سند کے بارے میں فرمایا:

"اس کی سند صحیح ہے۔"

دوسرے مقام پر فرمایا:

"بزار نے اسے دو سندوں سے ذکر کیا ہے، ایک کے راوی ثقہ ہیں اور ان میں سے بعض میں ضعف ہے۔"

شیخ ہیثمی نے اسے دلائل میں مختصر اور طویل طریقہ سے بیان کیا۔ (دلائل النبوۃ 2=555)

ہم کہتے ہیں کہ ابونعیم کی پہلی سند اور بزار کی دوسری سند صحت حدیث کیلئے کافی ہیں۔

یہ تو مسلم ہے کہ انسان کسی حسین منظور کی وجہ سے جماد سے محبت کرتا ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے نفس کو راحت، سکون، اطمینان اور حسب موقع انسانی حواس کو اس سے تاثیر حاصل ہوتی ہے، لیکن جماد، انسان سے محبت کرے یہ عجیب بات ہے اور بظاہر معروف بھی نہیں کیونکہ جماد نطق وزبان نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ نے جمادات میں بھی ادراک پیدا فرما رکھا ہے۔ ادراک کے مظاہر میں محبت کرنا، ناراض ہونا، رونا، خوشی وسرور، غضب، اطاعت، خشوع، ڈرنا، شوق، یاد اور خشیت وغیرہ ہیں۔ جبل احد کے ادراک کا حصہ یہ بھی ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی محبت رکھ دی ہے۔ جیسا کہ اس کی محبت حضور ﷺ کے قلب انور میں تھی، حضور ﷺ نے اس بات کا اظہار فرمایا اور یہ آپ ﷺ سے تواتر سے منقول ہے۔ (النظم المتناثر، 128، الازھار المتناثرہ 136)

ہم یہاں صرف دو احادیث کا تذکرہ کر رہے ہیں:

حضرت انس بن مالک کا بیان ہے میں نے حضور علیہ السلام کے ساتھ خیبر کی طرف سفر کیا۔ جب آپ ﷺ واپس لوٹے اور احد دکھائی دیا تو فرمایا:

((ھذا جبل یحبنا و نحبه))

''یہ پہاڑ ہم سے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔'' (بخاری، کتاب الجہاد)

بخاری و مسلم میں روایت کے یہ الفاظ بھی ہیں:

((نظر رسول اللہ ﷺ الی احد فقال ان احدا جبل یحبنا و نحبه))

''آپ ﷺ نے احد کو دیکھ کر فرمایا: احد پہاڑ ہم سے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔'' (مسلم، کتاب الحج)

حضرت ابوحمید ساعدی سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ تبوک کے لئے گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''میں تیز چلنا چاہتا ہوں۔ تم میں سے جو چاہتا ہے چلے، ورنہ آہستہ رہے۔''

ہم جب مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((ھذہ طابة وھذا احد وھو جبل یحبنا و نحبه))

''یہ شہر طابہ ہے اور یہ احد پہاڑ ہے جو ہم سے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔'' (بخاری، کتاب الزکوٰۃ)

انسان طبعی طور پر خوبصورت مقامات، مثلاً: سرسبز پہاڑوں اور پھلوں و پھولوں سے لدے باغات کو پسند کرتا ہے۔ ان میں بیٹھنا اور انہیں بار بار دیکھنا چاہتا ہے کیونکہ اسے راحت، طمانیت، سکون، آرام اور لذت وخوشی حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ انسان ہر خوبصورت شے حتیٰ کہ جماد کو بھی پسند کرتا ہے، لیکن کسی سخت پتھر کا انسان سے محبت کرنا نہ عادت ہے اور نہ معمول بلکہ نادر وغیر معروف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر مقام پر آپ ﷺ نے پہاڑ کی محبت کا ذکر پہلے اور اپنی محبت کا بعد میں ذکر فرمایا۔ جس نے بھی جبل احد کی زیارت کی ہے وہ جانتا ہے کہ بظاہر اس پہاڑ میں دوسرے پہاڑوں سے کوئی امتیاز نہیں بلکہ کئی دوسروں کے اعتبار سے کم درجہ کا ہے۔ اس پر نہ کوئی درخت ہے نہ

چشمہ اور نہ سبزہ۔

جب اللہ سبحانہ نے اس میں حضور ﷺ کی محبت کا پودا لگا دیا تو حضور ﷺ نے بھی اس سے محبت فرمائی۔

اس حدیث میں مقام نبی ﷺ کا بھی بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جمادات میں آپ ﷺ کا شوق ومحبت پیدا فرما دیا حالانکہ پہاڑ میں سوائے خشکی، سختی، قوت اور کثافت کے کچھ نہیں ہوتا۔

جب اللہ تعالیٰ نے ان جمادات مثلاً: مذکورہ پہاڑ میں اپنے منتخب اور محبوب نبی ﷺ کی محبت پیدا فرمادی جو بظاہر نہ شعور وعقل رکھتے ہیں اور نہ ادراک، اب اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ ﷺ کی محبوبیت اور بلندی شان ومقام پر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے؟

جب جمادات جو بظاہر عدم عقل وادراک کی وجہ سے مکلف نہیں۔ آپ ﷺ سے محبت کرتے ہیں تو خود غور کریں اس انسان کو آپ ﷺ سے کس قدر محبت کرنی چاہیے جو عاقل، صاحب ادراک، مکلف اور مامور ہے؟

محب سے اگر محبوب کی ملاقات ہو جائے تو وہ خوشی سے پھولا نہیں سماتا، وہ خوب فرحت وسرور کا اظہار کرتا ہے، لیکن اس میں یہ خیال رکھتا ہے کہ کہیں اس کے محبوب کو ایذا نہ ہو، کچھ اسی طرح کا معاملہ جبل احد، جبل حراء اور جبل ثبیر سے وقوع پذیر ہوا، جب آپ ﷺ اپنے بعض کبار صحابہ کے ساتھ ان پر جلوہ افروز ہوئے تو یہ جھوم اٹھے جو خوشی وسرور کا اظہار تھا، آپ ﷺ نے انہیں ساکن ہو جانے کا حکم دیا تو یہ فی الفور بے حرکت ہو گئے۔

حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ آپ ﷺ، حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم احد پر تشریف فرما ہوئے تو احد نے حرکت کی، آپ ﷺ نے فرمایا:

((اثبت احد فما عليك الا نبي و صديق و شهيدان))

''احد ساکن ہو جا تجھ پر نبی، صدیق اور دو شہید ہیں۔''

اسے امام احمد، ابویعلی، ابن حبان نے رجال صحیح سے روایت کیا ہے۔ (مسند احمد 5=331)

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ، حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم احد پر چڑھے، وہ کانپ اٹھا، آپ ﷺ نے ایڑی ماری اور فرمایا:

((اثبت احد فما عليك الا نبي او صديق او شهيدان))

(بخاری، کتاب الفضائل الصحابہ)

''احد! ٹھہر جا تجھ پر نبی، صدیق اور دو شہید ہیں۔''

بخاری کی دوسری روایت کے الفاظ ہیں:

((فانما عليك نبي و صديق و شهيدان))

''بلاشبہ تجھ پر نبی، صدیق اور دو شہید ہیں۔''

مکہ میں جبل ثبیر کا واقعہ بھی اسی طرح ہے۔ جب آپ ﷺ کے وہاں مبارک قدم لگے تو اس نے حرکت کی، آپ ﷺ نے ٹھہر جانے کا حکم دیا تو وہ ٹھہر گیا۔

حضرت ثمامہ بن حزن القشیری کہتے ہیں کہ جب حضرت عثمان غنی پر حملہ ہوا تو میں وہیں تھا، آپ نے فرمایا: میں تمہیں اللہ اور اسلام کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم نہیں جانتے رسول اللہ ﷺ ثبیر پر تھے، ان کے ساتھ ابو بکر، عمر اور میں تھا، پہاڑ نے حرکت کی۔

((فركز رسول الله ﷺ برجله وقال اسكن ثبير فانما عليك نبي و صديق و شهيدان))

''آپ ﷺ نے پاؤں سے ٹھوکر لگائی اور فرمایا: رک جا تجھ پر نبی، صدیق اور دو شہید ہیں۔''

کہنے لگے: ہاں ہم جانتے ہیں۔ فرمایا: اللہ اکبر رب کعبہ کی قسم! تم میری شہادت کے گواہ ہو۔ اسے ترمذی نے روایت کر کے حسن کہا۔ نسائی اور دار قطنی نے بھی اسے روایت کیا۔ (ترمذی، کتاب المناقب)

اطاعت جبل حرا کے بارے میں متعدد روایات ہیں، بعض یہ ہیں:

حضرت سعید بن زید فرمایا کرتے ہیں:

''نو افراد کے جنتی ہونے کی گواہی دیتا ہوں اور دسویں کی دوں تو گنہگار نہیں۔''

پوچھا گیا: یہ کیسے؟ فرمایا: ہم حراء پر حضور ﷺ کے ساتھ تھے (تو حرا نے حرکت کی) تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((اثبت حراء فانه ليس عليك الا نبي او صديق او شهيد))

''حرا ٹھہر جا! تجھ پر نبی، صدیق اور شہید ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ، حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ پوچھا گیا: دسویں کون؟ فرمایا: بندہ۔

اسے امام احمد، ابن ابی شیبہ، طیالسی، ابوداؤد، ترمذی، حاکم اور ابن حبان نے صحیح قرار دیا، ابن ماجہ اور ابو یعلی نے روایت کیا۔ (مسند احمد 1-188)

حدیث عثمان، حدیث عبداللہ بن ابی جرح، حدیث بریدہ، حدیث ابن عباس میں بھی جبل حراء کی حرکت کا تذکرہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ، حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم حرا پر تھے، پتھر نے حرکت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((اهدا فما عليك الا نبي او صديق او شهيد))

''ٹھہر جا! تجھ پر نبی، صدیق اور شہید ہیں۔'' (مسلم، فضائل الصحابہ)

اس کی دوسری روایت میں حضرت سعد بن ابی وقاص کا ذکر بھی ہے۔

حضور ﷺ اور صحابہ کبار کی جلوہ افروزی کی بنا پر گونگے، بہرے اور سخت پہاڑوں کا حرکت کرنا خوشی اور ان کے قرب کی بنا پر تھا، یہ حرکت بطور زلزلہ نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کے حکم پر انہوں نے سکون اختیار کر لیا، حجاز

میں یہ پہاڑ سب سے بڑے ہیں۔ احد، مدینہ میں اور حرا، ثبیر مکہ میں باوجود اس کے وہ جھوم اٹھے۔

قاضی ابوبکر بن العربی لکھتے ہیں:

((انما اضطربت الفخرة ورجف الجبل استعظاما لما كان عليه من الشرف ويمن كان عليه من الاشراف))

"پتھر اور پہاڑوں نے بطور فخر وجد کیا کہ انہیں شرف ملا اور اتنی عظیم ہستیاں تشریف فرما ہوئیں۔" (عارضۃ الاحوذی 13-151)

یہ فائدہ عظیم بھی حاصل ہوا کہ حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر تمام شہداء ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق ہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ عظیم نبی ہیں، بحمد اللہ ان سبھی کو شہادت نصیب ہوئی اگرچہ اسباب مختلف تھے۔

حضور ﷺ کا انہیں ساکن رہنے کا حکم دینا، ان پر تشریف فرما ہونے والوں کے شرف کی وجہ سے تھا۔

یہ پہاڑوں کی حرکت مکہ میں بھی ہوئی اور مدینہ میں بھی گویا اللہ تعالیٰ ان اشخاص کے فضل و شرف کو بار بار واضح فرمانا چاہتا تھا۔

یہ حرکت کسی زلزلہ یا غضب کی وجہ سے نہ تھی العیاذ باللہ، یہ تو ان اشراف کی خوشی میں تھی جن کے سربراہ رسول اللہ ﷺ تھے۔

امام قسطلانی نے ابن منیر سے نقل کیا کہ اس میں یہ حکمت تھی کہ جب پہاڑ نے حرکت کی تو آپ ﷺ نے یہ واضح کرنے کا ارادہ فرمایا کہ یہ حرکت اس طرح کی نہیں جو قوم موسیٰ علیہ السلام پر پہاڑ نے اس وقت کی تھی جب انہوں نے کلام الٰہی میں تحریف سے کام لیا۔

((فتلك رحفة الغضب وهذه هزة الطرب وهذا نص على مقام انبوة والصديقة والشهادة التي وجب سرور ما اتصلت به فاقر الجبل بذلك فاستقر))

"وہ غضب کی کڑک تھی اور یہ خوشی کا وجد تھا، یہی وجہ ہے کہ یہاں مقام نبوت وصد یقیت اور شہادت کا ذکر ہوا جس کی وجہ سے سرور میں اضافہ ہوا، اسے ٹھنڈک ملی اور وہ سکون پا گیا۔" (ارشاد الساری، 6-97)

یہی وجہ ہے کہ ان کے ساتھ آپ ﷺ نے معاملہ بھی عاقل والا فرمایا۔ قول کے ساتھ آپ ﷺ نے مخاطب ہو کر فرمایا:

((اثبت احد، اسكن ثبير، اثبت حرا))

اس طرح فعل کے ساتھ بھی کہ ان پر پاؤں سے ٹھوکر لگائی تو وہ ساکن ہو گئے۔

سوال: جب ان اشراف وابرار کی مذکورہ صفات ان کے خوشی کے ساتھ جھومنے کا سبب تھیں تو پھر انہیں سکون کا حکم کیوں دیا گیا؟

جواب: جواب یہ ہے کہ واقعتہً خوشی کا ہی سبب تھا اور انہوں نے اس کا اظہار کیا، اب ان کیلئے بہتر یہ تھا

کہ جب ان پر یہ مبارک ہستیاں جلوہ افروز ہو چکیں تو ساکن ہو جاتے۔ تاکہ کہیں محبوب کو تکلیف نہ ہو اور انہیں علم ہو ان کا مقام کیا ہے؟ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس پر تنبیہ فرمائی کہ خوشی کا اظہار ضرور کرو مگر محبت کی طرح ادب بجالاؤ لہٰذا پہاڑ اسی وقت ساکن ہو گئے۔ (مرقاۃ المفاتیح، 11-472)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہمیں خبر دی ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے اسرائیلی سرداروں کے ساتھ پہاڑ پر چڑھے تو وہ لرز اٹھا، کیا اس پہاڑ کی حرکت اور جبل احد، ثبیر اور حرا کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک قدموں کے نیچے ایک جیسی تھی؟

جواب: ہرگز ایک جیسی نہیں بلکہ ان دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔ جبل احد، حرا اور ثبیر ا کی حرکت تو اس خوشی و فرحت میں تھی کہ ہم پر اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے برگزیدہ صحابہ کرام (صدیق و شہید) تشریف فرما ہوئے ہیں، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ان اوصاف سے آگاہ فرمایا تو وہ فی الفور ساکن ہو گئے تاکہ کہیں انہیں گزند نہ پہنچ جائے، یہی وجہ ہے کہ انہیں ادنیٰ سے ادنیٰ تکلیف بھی نہ ہوئی۔ الحمدللہ تعالیٰ۔!

رہا معاملہ قوم موسیٰ علیہ السلام کا تو وہ اس کے بالکل برعکس ہے، انہوں نے تو بچھڑے کو معبود بنایا، حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سے ناراض ہوئے، توبہ کا مطالبہ کیا تو وہ تیار ہو گئے۔ ان کی شریعت میں توبہ بصورت قتل تھی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان میں سے ستر افراد ساتھ لیے تاکہ اللہ تعالیٰ سے قوم کے بارے میں معافی مانگیں اور وہ اپنے نبی کے مقام سے بھی آگاہ ہو جائیں، لیکن جب مقام مقررہ پر پہنچے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رب کریم کی بارگاہ میں عرض کیا تو یہ معافی کے بجائے بگڑ کر کہنے لگے: ہمیں بھی باری تعالیٰ کا دیدار کراؤ، یہ ظلم اور سرکشی یں جب آگے بڑھ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ناراض ہو کر پہاڑ کو حکم دیا۔ اس پر زلزلہ طاری ہو گیا، کڑک نے انہیں پکڑ لیا ور تمام کے تمام وہیں ڈھیر ہو گئے حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ کہتے ہوئے زندہ کرنے کی درخواست کی کہ یں بنی اسرائیل کو ان کے سرداروں کے بارے میں کیا جواب دوں گا؟ تو اللہ تعالیٰ نے دوبارہ زندہ فرما دیا، جب ن کے کبار کا یہ حال ہے تو نیچے والوں کا کیا ہوگا؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

((واختار موسی قومہ سبعین رجلا لمیقاتنا فلما اخذتھم الرجفۃ قال رب لو شئت اھلکتھم من قبل وایای اتھلکنا بما فعل السفھاء منا ان ھی الا فتنتک تضل بھا من تشاء وتھدی من تشاء انت ولینا فاغفرلنا وارحمنا وانت خیر الغفرین)) (الاعراف: 155)

''اور موسیٰ نے اپنی قوم سے ستر مرد ہمارے وعدے کے لئے چنے، پھر جب انہیں زلزلہ نے لیا، موسیٰ نے عرض کی: اے رب میرے! تو چاہتا تو پہلے انہیں اور مجھے ہلاک کر دیتا کیا۔ تو ہمیں اس کام پر ہلاک فرمائے گا جو ہمارے بے عقلوں نے کیا؟ وہ نہیں مگر تیرا آزمانا تو اس سے بہکائے جسے چاہے اور راہ دکھائے جسے چاہے۔ تو ہمارا مولیٰ ہے تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر اور تو سب سے بہتر بخشنے

والا ہے۔''

((واذ قال موسیٰ لقومه یقوم انکم ظلمتم انفسکم باتخاذکم العجل فتوبوا الی بارئکم فاقتلوا انفسکم ذالکم خیر لکم عند بارئکم فتاب علیکم انه هو التواب الرحیم ○ واذقلتم یموسی لن نؤمن لك حتی نری الله جهرة فاخذ تکم الصعقة وانتم تنظرون ○ ثم بعثنکم من بعد موتکم لعلکم تشکرون))(البقرہ:54-56)

''اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! تم نے بچھڑا بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا تو اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع لاؤ تو آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرو۔ یہ تمہارے پیدا کرنے والے کے نزدیک تمہارے لئے بہتر ہے تو اس نے تمہاری توبہ قبول کی۔ بیشک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ اور جب تم نے کہا: اے موسیٰ! ہم ہرگز تم پر ایمان نہ لائیں گے، جب تک اعلانیہ خدا کو نہ دیکھ لیں تو تمہیں کڑک نے آلیا اور تم دیکھ رہے تھے، پھر موت کے بعد ہم نے تمہیں زندہ کیا کہ کہیں تم احسان مانو۔''

لہٰذا ان دونوں احوال کے درمیان نمایاں اور واضح فرق ہے، پہلی حالت میں حرکت، خوشی، سرور اور محبت کا اظہار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کبار واخیار میں سے کسی کو ادنیٰ سے ادنیٰ اذیت بھی نہ ہوئی۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ یہ تو بہتر سے بہتر تھے، جبکہ دوسری حرکت غضب اور انتقام کی تھی، یہی وجہ ہے کہ وہ تمام مر گئے، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا پر ان کو زندہ فرما دیا۔ یاد رہے ان دونوں جماعتوں کے ساتھ اولوالعزم نبی اور رسول تھے۔ بنی اسرائیل کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور مسلمانوں کے ساتھ اللہ کے حبیب اور صفی سیدنا رسول اللہ ﷺ، لیکن دونوں رسولان کرام میں فرق معروف ہے۔ رہا دونوں جماعتوں میں فرق وہ بہت ہی زیادہ ہے۔ جو مصطفیٰ مختار ﷺ کے ساتھ تھے وہ صدیق اور شہدا تھے جو انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے زیادہ بلند درجات پر فائز ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

((من النبین والصدیقین والشهداء والصلحین وحسن اولئك رفیقا))

(النساء:69)

''انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔''

یہ فرمانبردار، تابع، محسن، صالح اور اللہ ورسول کے حقوق ادا کرنے والے تھے، یہ اطاعت، حکم کی بجا آوری، تصدیق ویقین کے آخری درجہ پر فائز تھے، حضور ﷺ نے انہی کے بارے میں فرمایا:

''انہوں نے نہ تجاوز کیا، نہ آگے بڑھے اور نہ ناجائز کا مطالبہ کیا۔''

حتیٰ آپ ﷺ نے انہیں ان کی زندگی میں جنت کی بشارت عطا فرما دی، وہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر تاقیامت انسانوں پر انبیاء کے بعد فضیلت رکھنے والے ہیں۔ تو کیوں نہ پہاڑ ایسی ہستیوں کی تشریف آوری پہ

خوشی سے جھومیں، کیوں نہ ایسی سعادت مندی پر فخر کریں۔

لیکن جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھے۔ان کا حال یہ نہ تھا، وہ موسیٰ علیہ السلام کے قریب نہ تھے۔ ان کا ان سے کوئی تھوڑا سا تعلق بھی نہ تھا، کیونکہ انہوں نے بچھڑے کو معبود بنالیا تھا اور جب ان کو جہاد کا کہا تو کہنے لگے:

((فاذهب انت و ربك فقاتلا انا ههنا فعدون))

''تو آپ جایئے اور آپ کا رب، تم دونوں لڑو، ہم یہاں بیٹھے ہیں۔'' (المائدہ:24)

جب ناراض ہوتے تو ندامت کا اظہار کرنے لگے اور رب کے حضور معافی طلب کرنے کیلئے کہا، وہ سراسر بے ادب اور عدم تصدیق و یقین کا شکار تھے۔ جب معافی کیلئے حاضر ہوئے تو دیدار کا مطالبہ کر دیا تو وہ بغاوت و سرکشی اور اپنے نبی کی عدم تصدیق میں بہت آگے جا چکے تھے۔اس وجہ سے وہ اللہ کے عذاب کے مستحق بن گئے۔ پہاڑ پر زلزلہ طاری ہو گیا، کڑک نے پکڑ لیا اور تمام مارے گئے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی عزت و تکریم کی وجہ سے انہیں دوبارہ زندہ کر دیا تا کہ ان پر اتمامِ حجت اور ان کو انکار و تکذیب کا سبب نہ بنائیں تو جیسا دو قوموں اور جماعتوں میں فرق تھا اسی طرح کی دونوں حالتوں میں بھی فرق ہے۔ جب پہاڑ اپنے اوپر مبارک ہستیوں کی وجہ سے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے جھومے تو آپ ﷺ نے ٹھہرنے کا حکم دیا تو وہ فی الفور خاموش اور پرسکون ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ کی عظمت میں سے پتھر اور چٹانوں کی غلامی بھی ہے اور یہ واقعات کثرت کے ساتھ موجود ہیں۔

حضرت اسامہ بن زید سے روایت ہے کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ سفر حج میں نکلے۔طویل حدیث ہے، اس میں بچے والی خاتون کا اور زراع کا واقعہ ہے۔اس کا آخری حصہ یہ ہے کہ میں نے عرض کیا:

''یارسول اللہ ﷺ! میں نے کھجوروں کے باغات اور پتھروں کی چٹان دیکھی ہے۔''

فرمایا: ان باغات کے پاس جاؤ اور ان سے کہو:

((ان رسول الله يامر كن ان تدانين لمخرج رسول وقل للحجارة مثل ذلك))

''تمہیں اللہ کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے، تم رفع حاجت کیلئے پردہ بنو اور اسی طرح پتھروں سے کہو۔''

میں ان کے پاس گیا اور آپ ﷺ کا حکم سنایا:

((فو الذی بعثه بالحق نبيا لقد جعلت انظر الى النخلات يخددن الارض خدا حتى اجتمعن و النظر الى الحجارة يتقافزن حتى صرف رجما خلف النخلات))

''اس اللہ کی قسم! جس نے آپ ﷺ کو نبی برحق بنا کر بھیجا۔ میں نے دیکھا کہ درخت اپنی اپنی جڑوں

سے اکھڑ کر اکٹھے ہو گئے اور پتھروں نے جمع ہو کر درختوں کے ساتھ مل کر دیوار بنالی۔''
میں نے واپس آ کر عرض کیا، فرمایا: پانی کا برتن لے کر چلو۔ جب آپ ﷺ نے رفع حاجت فرمالیا تو فرمایا: اے اسامہ! باغات اور پتھروں سے کہو اپنی جگہ واپس ہو جاؤ، لہٰذا میں نے انہیں آپ ﷺ کا پیغام دیا تو وہ اپنی جگہ لوٹ گئے۔

اسے ابو یعلیٰ، ابو نعیم اور بیہقی نے دلائل میں ذکر کیا، ان تمام کی سند میں معاویہ بن یحییٰ الصدفی ہے جو ضعیف ہے۔ اس کے باوجود حافظ نے مطالب میں فرمایا: اس کی سند حسن ہے اور اس میں ضعیف راوی ہے، لیکن امام احمد کے ہاں طریق یعلیٰ سے اس کا شاہد ہے۔ اس کے محقق نے بوصیری سے نقل کیا، اسے ابو یعلیٰ نے سند حسن سے روایت کیا ہے اور باب میں اس کے شواہد کا تذکرہ آ چکا ہے۔

بیہقی کہتے ہیں:

''باب میں اس حدیث سے شواہد آ چکے ہیں۔ اس کی مثل حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت یعلیٰ بن مرہ رضی اللہ عنہم سے درختوں کے بارے میں روایت ہے جس میں زراع کا اضافہ ہے۔''

ہم کہتے ہیں اس حدیث کے متعدد شواہد ہیں، ہم آئندہ گفتگو میں اس کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

حضرت براء بن عازب سے مروی ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے خندق کھودنے کا حکم دیا۔ ایک چٹان ایسی آ گئی جس میں ہماری کدالیں عاجز آ گئیں۔ ہم نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا، آپ ﷺ تشریف لائے۔

((فاخذ المعول فقال باسم الله فضرب ضربة فكسر ثلث الحجر))

''کدال لے کر اللہ کا نام لے کر اسے ماری اس کا تہائی حصہ ٹوٹ گیا۔''

اور فرمایا:

((الله اكبر اعطيت مفاتيح الشام والله انى لابصر قصورها الحمر من مكانى هذا))

''اللہ اکبر! مجھے ملک شام کی چابیاں عنایت کر دی گئیں ہیں۔ اللہ کی قسم! میں یہاں کھڑے اس کے سرخ محلات دیکھ رہا ہوں۔''

پھر آپ ﷺ نے بسم اللہ پڑھ کر دوسری ضرب لگائی تو اس کا ایک اور تہائی حصہ ٹوٹ گیا، تو فرمایا:

((الله اكبر اعطيت مفاتيح فارس والله انى لا بصر المدائن وابصر قصرها الابيض من مكانى هذا))

''اللہ اکبر! مجھے ملک فارس کی چابیاں دے دی گئیں ہیں۔ اللہ کی قسم! میں مدائن شہر اور اس کے سفید محل یہاں سے دیکھ رہا ہوں۔''

پھر آپ ﷺ نے بسم اللہ پڑھ کر تیسری ضرب لگائی تو باقی چٹان بھی اکھڑ گئی تو فرمایا:

((الله اكبر اعطيت مفاتيح اليمن والله انى لا بصر ابواب صنعاء من

مکانی ھذا))

''اللہ اکبر! مجھے یمن کی چابیاں عطا کر دی گئیں ہیں۔ اللہ کی قسم! میں یہاں سے صنعاء کے ابواب ملاحظہ کر رہا ہوں۔''

اسے امام احمد، نسائی نے کبریٰ میں اور بیہقی نے روایت کیا، حافظ نے فتح میں اسے حسن کہا۔ طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عمرو سے بھی اس کی مثل نقل کیا، بیہقی نے حضرت عمرو بن عوف اور نسائی نے طویل حدیث سند حسن سے ایک صحابی سے نقل کی، اس کا کچھ حصہ ابوداؤد نے بھی نقل کیا ہے، طبرانی نے کبیر میں حضرت عبداللہ بن عباس سے رجال صحیح سے روایت کیا، ماسوائے عبداللہ ابن احمد بن حنبل اور نعیم العبدی کے یہ دونوں ثقہ ہیں۔

(مسند احمد 4-303)

حضرت ایمن مخزومی کہتے ہیں کہ میں حضرت جابر کی خدمت میں گیا تو انہوں نے بتایا: یوم خندق میں ہم خندق کھود رہے تھے، ایک سخت چٹان سامنے آ گئی، ہم نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا، فرمایا: میں آ رہا ہوں۔ آپ ﷺ تشریف لائے بطن مبارک پر پتھر بندھے ہوئے تھے کیونکہ ہم نے وہاں تین دن سے کچھ نہ کھایا تھا۔

((فاخذ رسول اللہ المعول فضرب فی الکدیۃ فعاد کثیبا اھیل))

(بخاری، کتاب المغازی)

''آپ ﷺ نے کدال پکڑ کر ماری تو وہ چٹان ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔''

دیکھئے جس چٹان سے صحابہ کے کدال عاجز آ گئے حتی کہ انہوں نے آپ ﷺ سے پریشانی کا اظہار کیا لیکن آپ ﷺ نے اسے ایک ہی ضرب لگائی تو وہ ذرہ ذرہ ہوگئی۔

مظاہر محبت میں سے ایک سلام بھی ہے، انسان اکثر طور پر اسے ہی سلام کہتا ہے جو اسے محبوب ہو اور وہ اسے پہچانتا ہو، اگرچہ شریعت نے یہ تلقین کی ہے کہ تم ہر ایک کو سلام کہو: خواہ اسے تم جانتے ہو یا نہ جانتے ہو۔

حضرت جابر بن سمرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ان لا عرف حجرۃ بمکۃ کان یسلم علی قبل ان ابعث انی لا عرفہ الآن))(مسلم، کتاب الفضائل)

''میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو مجھے اعلان نبوت سے پہلے سلام عرض کرتا تھا۔ میں اسے اب بھی پہچانتا ہوں۔''

امام احمد، ترمذی اور بیہقی نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

((کان یسلم علی لیالی بعثت))(مسند احمد 5-105)

''اعلان نبوت کی راتوں میں وہ مجھے سلام عرض کرتا تھا۔''

پتھر کا یہ سلام سیدنا علی کے اس مبارک قول کو بھی واضح کر رہا ہے۔ اگرچہ آپ ﷺ کو سلام عرض کرنے میں پتھر ہی مخصوص نہیں بلکہ اس میں پہاڑ، درخت اور ریت کے ذرات بھی شامل ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ مکہ کے بعض علاقوں سے گزرے۔

((فمررنا بين الجبال والشجر فلم يمر بشجرة ولا جبل الا قال السلام عليك يا رسول الله))

''تو جن پہاڑوں اور درختوں کے پاس سے گزرتے وہ آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کرتے: السلام علیک یا رسول اللہ ﷺ۔''

روایات میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں:

((فجعل لا يمر على شجر ولا حجر الا سلم عليه))

''ہر درخت اور پتھر آپ ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کرتا۔''

بیہقی کے الفاظ ہیں:

((فما استقبله شجر ولا مدر الا قال له السلام عليك يا رسول الله))

''ہر درخت اور سنگریزہ آپ ﷺ کا استقبال کرتے ہوئے عرض کرتا: السلام علیک یا رسول اللہ ﷺ!''

دوسرے مقام پر انہی نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

((ولا يمر بحجر ولا شجر الاقال السلام عليك يا رسول الله وانا اسمعه))

''آپ ﷺ جس پتھر اور درخت کے پاس سے گزرتے وہ عرض کرتا: السلام علیک یا رسول اللہ اور میں اسے سنتا۔''

اسے ترمذی نے حسن، حاکم نے صحیح قرار دیا، ذہبی نے حاکم کے حکم کو ثابت رکھا۔ دارمی، ابونعیم اور بیہقی نے بھی اسے روایت کیا۔ (مستدرک، 620,2)

ان تمام روایات میں یہ تصریح ہے کہ آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حجر، شجر، جبل اور ذرات نے سلام عرض کیا۔

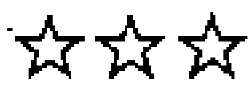
حدیث جابر میں یہ تھا کہ پتھر کا سلام آپ ﷺ نے سنا کیونکہ اس وقت آپ ﷺ تنہا تھے، حدیث علی میں ہے کہ سلام حضرت علی اور دیگر ساتھیوں نے بھی سنا تو یہ حضور ﷺ کی خدمت عالی ہمیں جبال، اشجار اور احجار کا بصورت سلام نطق صریح تھا۔ جیسا کہ اہل سیر نے بیان کیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اعلانِ نبوت فرمانے کا حکم فرمایا:

((جعل لا يمر في شعاب مكة وبطون اوديتها فيمر لحجر او شجر الا

قال السلام علیك یا رسول الله))(دلائل النبوۃ،از بیہقی، 143,2)

''تو آپ ﷺ مکہ کے جس علاقے اور وادی سے گزرتے ہر پتھر اور درخت عرض کرتا السلام علیک یا رسول اللہ ﷺ!''

یہاں یہ بات ذہن نشین کرنے کی ہے کہ الفاظِ سلام (السلام علیک یارسول اللہ) عہد جاہلیت میں معروف نہ تھے۔ جب انہیں آپ ﷺ کے رسول ہونے کا علم ہوا تو ان الفاظ سے سلام عرض کیا تو اب فاسق جنات اور انسانوں کا حال کیا ہوگا؟ اس کا فیصلہ خود کر لیجیے۔!



چاند، سورج، بادلوں اور اطاعتِ مصطفیٰ ﷺ

جب ضدی کفار نے مطالبہ کیا کہ اگر آپ ﷺ چاند کے دو ٹکڑے کر دو تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ آپ ﷺ نے یہ بھی کر دکھایا۔ اس پر بھی وہ کہنے لگے: اس نے ہم پر جادو کر دیا ہے۔ مسافروں سے پوچھتے تو وہ کہتے: ہم نے چاند دو ٹکڑے ہوتے دیکھا ہے۔ حتیٰ کہ اس وقت موجود صحابہ نے اس کا مشاہدہ کیا اور اس پر گواہی دی، چاند کا دو ٹکڑے ہونا احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ (نظم المتناثر،135)

قرآن کریم میں بھی اس پر نص ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((اقتربت الساعة وانشق القمر وان یروا ایة یعرضوا یقولوا سحر مستمر وکذبوا واتبعوا اھوا ھم وکل امر مستقر ولقد جاء ھم من الانباء مافیه مرد جر حکمة بالغة فما تغن النذر))

(سورۃ القمر۔5.1)

''پاس آئی قیامت اور شق ہوگیا چاند اور اگر دیکھیں کوئی نشان تو منہ پھیرتے اور کہتے ہیں: یہ تو جادو ہے چلا آتا اور انہوں نے جھٹلایا اور اپنی خواہشوں کے پیچھے ہوئے اور ہر کام قرار پا چکا ہے اور بیشک ان کے پاس وہ خبریں آئیں جن میں کافی روک تھی، انتہا کو پہنچی ہوئی حکمت، پھر کیا کام دیں سنانے والے۔''

ہم تمام روایات کا تذکرہ کرنے کی طاقت تو نہیں رکھتے صرف ایک کا تذکرہ اور بعض کی طرف اشارہ بھی کریں گے۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ اہل مکہ نے آپ ﷺ سے چاند دو ٹکڑے کرنے کا مطالبہ کیا تو آپ ﷺ نے ایسا کر دکھادیا۔ (بخاری، کتاب المناقب)

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''تم اس پر گواہ ہو جاؤ۔''

صحیح بخاری کی روایت میں دو دفعہ ہے:

((اشهدو ، اشهدوا))

مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر سے اس طرح الفاظ منقول ہیں۔ مسلم میں حضرت ابن مسعود سے مروی الفاظ میں آپ ﷺ نے فرمایا:

((اللهم اشهد))

''اے اللہ! تو گواہ ہو جا۔''

جب ہم اللہ کے اس ارشاد مبارک کو پڑھتے ہیں:

((وما ارسلنا من رسول الا يطاع باذن الله))(سورة النساء۔64)

''اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔''

تو ہم جمادات، نباتات اور حیوانات کی حضور ﷺ کی اطاعت کا راز پا لیتے ہیں کہ یہ فقط حکم خداوندی سے ہی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی اذن دینے والا اور وہی حکم دینے والا ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے چاند شق فرما کر انہیں دکھا دیا اور اپنے رب کو اس پر گواہ بناتے ہوئے کہا:

''اے اللہ! آپ بھی اس پر گواہ ہیں۔''

حاضر صحابہ کو گواہ بنایا لیکن مشرکین، اسلام نہ لائے بلکہ اس کی سرکشی میں اضافہ ہو گیا اور انہوں کہا: ہماری طرح اس نے چاند پر بھی جادو کر دیا حتیٰ کہ مسافروں سے پوچھتے تو وہ انہیں شق ہونے کا بتانے، انشقاق کے وقت چاند آسمان سے زائل ہو گیا تھا، بلکہ اس کے دو ٹکڑے ہوئے ایک حرا کی ایک طرف اور دوسرا دوسری طرف اور پہاڑ درمیان میں آ گیا اور رہے دونوں ٹکڑے آسمان پر، مطالبہ کرنے والے اہل مکہ نے یہ عجیب منظر آنکھوں سے دیکھا۔

بعض اہل قصہ نے جو کہا: چاند آپ ﷺ کے گریبان سے داخل ہو کر آستین سے نکلا یا ہر ٹکڑا آپ ﷺ کی آستین میں آ گیا اس کی کوئی اصل و بنیاد نہیں۔

((روى عن اسماء بنت عميس انها قالت :بينما رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم نائم ذات يوم وراسه في حجر علي رضي الله عنه ففاتته العصر حتى غابت الشمس فقال:اللهم ان علياً في طاعتك وطاعة رسولك فاردد عليه الشمس قالت اسماء :فرايتها والله غربت ثم طلعت بعد ماغربت ولم يبق جبل والارض الا طلعت عليه حتى قام علي رضي الله عنه و توضا وصلى ثم غربت))

''حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دامن میں رکھا ہوا تھا، اس وقت انہیں نیند آ گئی اور علی رضی اللہ عنہ سے نماز عصر قضاء ہو گئی، چونکہ سورج غروب ہو چکا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا: اے اللہ! علی ہمیشہ تیری اور تیرے پیغمبر کی اطاعت میں رہا ہے، سورج کو اس کیلئے واپس پلٹا دے۔ سیدہ اسماء کہتی ہیں: اللہ کی قسم! سورج غروب ہو چکا تھا۔ میں نے دیکھا کہ دوبارہ طلوع ہوا اور کوئی ایسا پہاڑ اور زمین نہیں تھی جس پر اس کی روشنی نہ پڑی ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اٹھے، وضو کیا اور نماز پڑھی تو اس وقت پھر سورج غروب ہو گیا۔''

((بالاسناد، عن ابی عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال: صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم العصر فجاء علی رضی اللہ عنہ ولم یکن صلاھا، فاوحی اللہ الی رسول اللہ عند ذلک فوضع رأسہ فی حجر علی رضی اللہ عنہ: فقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ ولہ وسلم عن حجرہ وقد غربت الشمس فقال یا علی اما صلیت العصر؟ فقال: لا یا رسول اللہ فقال اللھم ان علیا کان فی طاعتک فاردد علیہ الشمس، فردت علیہ الشمس عند ذلک))

''امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز پڑھ چکے تھے، اس وقت علی رضی اللہ عنہ نے نماز عصر نہیں پڑھی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی بھیجی، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دامن میں رکھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دامن سے اٹھایا تو سورج غروب ہو چکا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا تم نے عصر کی نماز نہیں پڑھی؟ عرض کیا: نہیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا: اے اللہ! علی ہمیشہ تیری اطاعت میں رہا ہے، سورج کو اس کیلئے واپس پلٹا دے۔ اس وقت سورج واپس لوٹ آیا۔''

آپ نے پڑھا احد، حرا اور ثبیر اکو آپ ﷺ نے قول اور فعل (پاؤں کی ٹھوکر) کے ذریعے حکم دیا تھا، اشارہ بھی حکم پر دال ہوتا ہے اور مامور سے اطاعت مطلوب ہوتی ہے خواہ کسی لفظ کے ذریعے حکم ہو یا اشارہ کے ذریعے، مدینہ طیبہ میں آپ ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے بادل کو منتشر ہونے کا حکم دیا تو وہ حکم بجالاتے ہوئے فی الفور منتشر ہو گیا۔

حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کی ظاہری حیات میں قحط پڑ گیا، جمعہ کے دن آپ ﷺ منبر پر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، ایک دیہاتی نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ!

((هلك المال و جاع العيال فادع الله مالنا ان يسقينا))

"مال ہلاک ہوگیا، لوگ بھوکے مرگئے، اللہ تعالیٰ سے ہمارے لئے بارش کی دعا فرمایئے۔"

رسول اللہ ﷺ نے مبارک ہاتھ دعا کیلئے اٹھا دیئے حالانکہ اس وقت آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا بھی نہ تھا:

((فثار سحاب امثال الجبال ثم ينزل عن منبره حتى رأيت المطر يتحا در على لحيته))

"تو پہاڑوں کی طرح بادل آ گئے اور برسے۔ ابھی آپ ﷺ منبر سے نیچے تشریف نہیں لائے تھے۔ میں نے دیکھا آپ ﷺ کی مقدس داڑھی تر ہوگئی۔"

پھر بارش جاری رہی حتیٰ کہ دوسرا جمعہ آ گیا، پھر وہی اعرابی کھڑا ہوا اور عرض کرنے لگا:

((تهدم البناء و غرق المال فادع الله لنا))

"مکانات تباہ ہوگئے، اموال ڈوب گئے، ہمارے لئے دعا فرمایئے۔"

آپ ﷺ نے مبارک ہاتھ اٹھا دیئے اور دعا کی:

((اللهم حوالينا و لا علينا))

"اے ہمارے اللہ! اردگرد بارش برسا ہم پر نہ برسا۔"

آپ ﷺ کے ہاتھ اٹھانے کی دیر تھی کہ آسمان صاف ہوگیا اور مدینہ دائرہ کی طرح صاف ہوگیا۔ اور وادی قناہ (نالہ) ایک مہینہ تک بہتا رہا، جو شخص بھی کسی علاقہ سے آتا وہ بارش کی اطلاع دیتا۔

(بخاری، کتاب الاستسقاء)

اس واقعہ پر مختلف طریق سے متعدد روایات ہیں، روایت مسلم میں یہ اضافہ ہے:

((فرايت السحاب يتمزق كانه الملاء حين تطوى حيث شبه تقطع الغيم و طيه على بعضه بالملحفه التي تلتف بها المراة اذا كانت منشورة ثم تطوى))

(مسلم، کتاب استسقاء)

"میں نے بادلوں کو اس طرح پھٹتے ہوئے دیکھا، گویا بھری ہوئی فضا لپیٹ دی گئی ہو اور بادل آپس میں اس طرح ایک دوسرے کے اوپر ہوگئے جیسے کوئی خاتون پھٹی ہوئی روئی کو دھاگے کی صورت میں جمع کر دے۔"

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

((و فيه علم من اعلام النبوة في اجابة الله تعالىٰ دعا نبيه عليه و اله الصلاة و السلام عقبه او معه ابتداء في الاستسقاء و انتهاء

فی الاستصحاء و امتثال السحاب امرہ بمجرد الاشارۃ))

(فتح الباری،2-5.7)

''اس حدیث میں شانِ نبوت کا بیان ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی دعا قبول فرمائی، پہلے نزول بارش میں اور پھر بارش ختم فرمانے میں اور اس میں محض آپ ﷺ کے اشارہ سے بادلوں کا حکم بجالانا بھی ہے۔''

حدیث کے یہ الفاظ:

((''فما جعل یشیر بیدہ الی ناحیۃ من السماء الاتفرجت''))

اس بات پر شاہد ہیں کہ آپ ﷺ کے اشارہ پر بادل متفرق ہو گئے، بلکہ مسلم کے الفاظ میں ہے: بادل پھٹ گئے اور وہ ایک دوسرے میں گھستے ہوئے مدینہ سے چلے گئے۔ اہل مدینہ پر دائرہ کی طرح ہو گئے، سورج نکل آیا اور لوگ دھوپ میں چلنے پھرنے لگے، حالانکہ مدینہ طیبہ کے اردگرد پہاڑوں، نالوں، وادیوں اور کھیتوں پر بارش ہوتی رہی۔ جب بادل حکم مان رہے ہیں، بادل اشارہ سے پھٹ رہے ہیں تو سوچئے عاقل مکلف انسان کو ان کی فرمانبرداری کس درجہ کرنی چاہیے جسے اس بات کا حکم دیا گیا ہے؟

☆☆☆

پانی اور اطاعت مصطفیٰ ﷺ

اس طرح متعدد جگہ پر پانی کا بڑھ جانا بھی آپ ﷺ کی شان اقدس کا اظہار ہے، کسی جگہ آپ ﷺ نے وضو کا پانی کنویں میں ڈالا، کسی جگہ ہاتھ رکھ دیئے، کسی جگہ کلی کا پانی ڈالا، کسی کنویں میں کلی فرمائی، کسی جگہ مشکیزہ کو مبارک ہاتھوں سے پکڑا، کسی جگہ کنویں میں کنکریاں ڈالنے کیلئے رکھوائیں، بعض اوقات یہ واقعات سفر میں پیش آئے اور بعض اوقات گھر میں، کچھ کا تذکرہ آپ بھی ملاحظہ کریں۔

بخاری و مسلم میں حضرت عمران بن حصین سے طویل حدیث میں منقول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں حضور ﷺ کے ساتھ سفر میں بہت پیاس لگی۔ ہم نے ایک خاتون دیکھی جو پانی کا مشکیزہ لئے جارہی آئی تھی۔ ہم نے اس سے پانی کے بارے میں پوچھا تو کہنے لگی: یہاں پانی نہیں ہے۔ ہم نے پوچھا: تیرے خاندان اور پانی کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ کہنے لگی: ایک دن اور ایک رات کی مسافت ہے۔ ہم نے اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں جانے کیلئے کہا۔ کہنے لگی: رسول اللہ کون ہیں؟ ہم اسے آپ ﷺ کے پاس لے گئے اور اس نے وہ ساری بات بتائی جو میں نے بتائی تھی۔

آپ ﷺ نے ان دونوں مشکیزوں کو مس فرمایا یا ان میں کلی فرمائی۔

((فشربنا عطاشا اربعون رجلا حتی روینا فملانا کل ربۃ معنا

وادواة غير انه لم نسق بعيرا))

''ہم چالیس افراد نے خوب سیر ہو کر پانی پیا تمام برتن بھی بھر لئے۔''

اس کے علاوہ بھی بہت سے واقعات ہیں۔

یہاں آپ ﷺ نے دیکھا ہر جگہ پانی کے اضافہ کیلئے آپ ﷺ نے مختلف تصرف فرمایا: مثلاً قصہ حدیبیہ میں حضرت جابر نے بتایا کہ آپ ﷺ نے کلی کر کے اس میں پانی ڈالا۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے مبارک ڈول میں رکھ کر کچھ پڑھا۔ حدیث مسلم میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے دعا کی اور اس میں لعاب دہن ڈالا۔

حدیث حضرت معاذ میں غزوہ تبوک کے چشمہ کے بارے میں آیا۔ آپ ﷺ نے ہاتھ اور چہرہ اقدس دھو کر پانی اس میں لوٹایا۔ حضرت مسور سے منقول ہوا کہ آپ ﷺ نے کنویں میں نیزہ گاڑنے کا حکم دیا، حضرت ابو قتادہ نے بتایا آپ ﷺ نے قدح صغیر اٹھائے رکھا اور میں مشکیزہ سے ڈالتا رہا اور آپ ﷺ پلاتے رہے۔ حضرت عمران بن حصین سے آیا کہ آپ ﷺ نے دونوں مشکیزوں پر ہاتھ پھیرا یا ان میں کلی فرمائی، ان تمام روایات کے مطابق پانی زیادہ ہو گیا اور کثیر تعداد نے پانی استعمال کیا اور یہ امر غیر عادی تھا، کیونکہ اسے عقل قبول نہیں کرتی حالانکہ زندگی بھر جنہوں نے اس کا بار بار، مختلف اوقات اور مختلف مقامات پر مشاہدہ کیا انہوں نے اس کا ایک لمحہ بھی انکار نہیں کیا۔

((بل كانوا يلجؤون اليه عند العطش الشديد لعلمهم بان الله تعالىٰ يجرى على يديه الكثير وما رميت اذ رميت ولكن الله رمى وما ارسلنا من رسول الا ليطاع باذن الله))

''بلکہ وہ شدید پیاس میں آپ ﷺ کی طرف یہ جانتے ہوئے رجوع کرتے کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے دست اقدس سے پانی زیادہ فرما دیتا ہے و مارمیت اذ رمیت اور و ما ارسلنا اس پر شاہد ہیں۔''

اگر ہم اس کیساتھ وہ روایات بھی سامنے لے آئیں جن میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے کچھ سنگریزے کنویں میں ڈالنے کیلئے بھجوائے، وہ اس میں جب ڈالے گئے تو اس کے بعد اس کنویں کی تہ کا پتہ ہی نہ چلتا تھا جیسا کہ حضرت زیاد بن حارث الصدائی اور دیگر صحابہ سے مروی ہے تو کس قدر واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ کے اذن سے جمادات کس طرح رسول اللہ ﷺ کے حکم بجالاتے ہیں۔

حضرت مسور بن مخرمہ اور حضرت مروان بن حکم سے صلح حدیبیہ کے واقعہ میں منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ حدیبیہ میں تھوڑے سے پانی کے چشمہ پر تشریف فرما ہوئے، تھوڑی دیر میں اس کا پانی ختم ہو گیا۔ آپ ﷺ کی خدمت پیاس لگنے کی شکایت کی گئی، آپ ﷺ نے ترکش سے تیر نکال کر دیا اور فرمایا: اسے اس میں رکھ دو۔

((فو الله مازال يجيش لهم بالرى حتى صدا عنه))

''اللہ کی قسم! واپسی تک تمام لشکر اس سے سیراب ہوتا رہا۔'' (بخاری، کتاب الشروط)

اس میں اختلاف ہے کہ کنویں میں نیزہ گاڑنے والے کون تھے۔ حضرت سلمہ یا حضرت براء یا حضرت ناجیہ

بن جندب یا حضرت خالد بن عبادہ الغفاری۔ مختلف روایات میں ان سب کے نام منقول ہیں۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم حضورﷺ کے ساتھ سفر میں تھے تو آپﷺ نے فرمایا:

((انکم ان لا تدرکو الماء غدا تعطشوا))

''کل تمہیں پانی نہیں ملے گا اور تمہیں پیاس لگے گی۔'' (مسلم، کتاب الفضائل)

اسی روایت میں ہے کہ ہم سو گئے اور گرمی آفتاب کی وجہ سے اٹھے، ہم حضورﷺ کے ساتھ وہاں سے آگے چلے، پھر اترے تو فرمایا: تمہارے پاس پانی ہے۔؟ عرض کیا: ہاں! یا رسول اللہﷺ! میرے پاس مشکیزہ تھا جس میں تھوڑا سا پانی تھا۔ فرمایا: لاؤ۔ میں نے حاضر کیا۔ فرمایا: اس سے تھوڑا تھوڑا لے لو لوگوں نے وضو کیا، اس میں سے تھوڑا سا پانی بچ گیا۔ فرمایا:

((اذدھر بھایا ابا قتادہ فانہ سیکون لھانبا))

''اے ابوقتادہ اسے محفوظ کرلو عنقریب اس کی عظیم شان ہوگی۔''

جب دوپہر کا وقت ہوا تو صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہﷺ

((ھلکنا عطشا تقطعت الاعناق))

''ہم پیاس سے ہلاک ہو گئے، برباد ہو گئے۔''

فرمایا: تم ہلاک نہیں ہوئے! اے ابوقتادہ! مشکیزہ لاؤ۔

میں نے حاضر کیا: فرمایا:

((احلل لی غمری))

''اس کا منہ کھول دو۔''

میں نے کھول دیا۔

((فجعل یصب فیہ وسقی الناس فازدحم الناس علیہ))

''آپﷺ نے اس سے انڈیلنا شروع فرمایا اور لوگوں نے پینا شروع کیا حتیٰ کہ بھیڑ ہو گئی۔''

فرمایا:

((یاایھاالناس احفوا الملاء فکلکم سیصدر عن ری))

''برتن بھر لو جو تمہیں بعد کی پیاس میں سیراب کریں۔''

تمام لوگوں نے پانی پیا حتیٰ کہ میرے اور رسول اللہﷺ کے علاوہ کوئی باقی نہ رہ گیا تو فرمایا: اے ابوقتادہ تم بھی پیو۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہﷺ پہلے آپ پئیں، فرمایا: قوم کا ساقی آخر میں پیتا ہے۔ میں نے پیا اس کے بعد آپﷺ نے پیا۔

((وبقی فی المیضاۃ نحو مما کان فیھا وھم یومئذ ثلاثمائۃ))

''اس مشکیزہ میں پانی اسی طرح باقی رہا حالانکہ اس دن پانی استعمال کرنے والے تین سو افراد تھے۔''

اسے امام احمد اور امام مسلم نے روایت کیا۔ (مسند احمد، 5-298)
تھوڑے سے پانی سے تین سو آدمیوں کا سیر ہو کر پینا اور پھر مشکیزہ کا اسی طرح بھرا رہنا بلاشبہ تعجب والی بات ہے۔ مگر جب ہم اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد مبارک پڑھتے ہیں:

((وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ))(النساء۔64)

''اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔''

اور

((وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی))

''اور اے محبوب! وہ خاک جو تم نے پھینکی تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی۔'' (انفال۔17)

تو ہم آگاہ ہو جاتے ہیں کہ اصلاً تصرف تو اللہ تعالیٰ کا ہی ہے۔
حضرت معاذ بن جبل سے غزوہ تبوک کے حوالے سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں فرمایا:
''ان شاء اللہ کل تم تبوک کے چشمے پر پہنچو گے۔ اس وقت دن روشن ہو چکا ہوگا۔ تم میں سے جو کوئی بھی پہلے پہنچ جائے میرے آنے تک اسے ہاتھ نہ لگائے۔''
ہم نے چلو کے ذریعے وہاں سے پانی جمع کیا۔

((غسل رسول اللہ ﷺ فیہ یدیہ و وجھہ ثم اعادہ فیھا فجرت العین بماء منھم))

''آپ ﷺ نے اس میں اپنے مبارک ہاتھ اور چہرہ اقدس دھو کر پانی ڈالا جس کی برکت سے پانی بصورت نہر جاری ہو گیا۔''
تمام لوگوں نے پانی استعمال کیا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

((یوشک یا معاذ اذ طالت بک حیاۃ ان تری ماھھنا قد ملئی جنانا))
(مسلم، کتاب الفضائل)

''معاذ! تیری زندگی طویل ہوگی تو اس مقام پر ہرے بھرے باغ پائے گا۔''
مسلم میں حضرت سلمہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ قلیل پانی کے کنارے پر تشریف فرما ہوئے اور دعا فرمائی۔

((وبصق فیھا فجاشت فسقینا واستقینا))

''اور اس میں لعاب دہن ڈالا جس کی برکت سے وہ ابل پڑھا۔ ہم خوب سیراب ہوئے اور دوسروں کو بھی سیراب کیا۔''
حضرت براء بن عازب سے روایت ہے کہ ہم حدیبیہ کے دن چودہ سو صحابہ تھے۔ وہاں کنواں تھا جس سے ہم نے پانی استعمال کیا اب اس میں قطرہ پانی نہ رہا۔ آپ ﷺ کنویں کے کنارے پر تشریف فرما ہوئے۔

((فدعا بماء فمضمض ومج في البئر فمكثنا غير بعيد ثم استقينا حتى روينا))(بخاری، کتاب المناقب)

''آپ ﷺ نے پانی منگوا کر منہ میں رکھا اور پھر کنویں میں کلی فرمائی تھوڑی دیر کے بعد ہم نے خوب سیراب ہو کر پانی پیا۔''

حضرت براء بن عازب سے مروی ہے کہ ہم آپ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے، ہم ایک جگہ ٹھہرے یہاں پانی بہت کم تھا، ہم میں سے چھ (چھٹا میں تھا) آدمی پانی پینے کیلئے گئے، میرے برتن میں اتنا پانی بھی نہ آیا کہ حلق تر ہو جائے۔ میں ڈول اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گیا۔

((فغمس يده فيها فقال ماشاء الله ان يقول))

''آپ ﷺ نے اس میں دست مبارک داخل فرما دیا اور اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق کچھ پڑھا۔''

پھر آپ ﷺ نے ڈول میں لوٹا دیا۔

((لقد رايت اخذنا اخرج بثوب خشية الغرق ثم ساحت نهرا))

''خطرہ غرق کے پیش نظر کپڑے سنبھالنے لگا اور پانی نہر کی صورت اختیار کر گیا۔''

اسے امام احمد نے سند جید کے ساتھ روایت کیا ہے، حافظ ابن کثیر کہتے ہیں:

''یہ واقعہ یوم حدیبیہ کے علاوہ کا ہے۔''(مسند احمد، 4-297)

اس موضوع سے مناسب آپ ﷺ کی مقدس انگلیوں سے پانی کے چشموں کا جاری ہونا بھی ہے۔ ان کثیر احادیث میں سے کچھ ہم بیان کرتے ہیں۔

حضرت جابر سے مروی طویل حدیث میں ہے کہ ہم ایک غزوہ میں تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جابر! وضو کیلئے آواز لگاؤ۔''

میں نے اونچی اونچی کہا: وضو، وضو۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ پانی کا قطرہ تک نہیں ہے۔ ایک انصاری صحابی حضور ﷺ کیلئے مشکیزہ میں ٹھنڈا پانی رکھا کرتے تھے۔ فرمایا: فلاں انصاری کے مشکیزہ میں پانی دیکھو۔ میں نے مشکیزہ جا کر دیکھا تو وہاں صرف چند قطرے پانی تھا۔ عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر میں اسے کسی خشک برتن میں ڈالتا ہوں تو پانی کے قطرے جذب ہو جائیں گے۔ فرمایا: جاؤ! اسے میرے پاس لے آؤ۔ میں لایا، آپ ﷺ نے اسے ہاتھ میں پکڑا، کچھ پڑھا جو مجھے معلوم نہ ہو سکا۔ پھر اس پر ہاتھ پھیرا، مجھے عطا فرمایا اور فرمایا: ٹب لے آؤ۔ ٹب لا کر آپ ﷺ کے سامنے رکھ دیا گیا، مشکیزہ کی طرح ہی اس میں بھی کیا۔ اپنا دست مبارک پھیلا کر اس کے اندر رکھ دیا اور مجھے فرمایا: بسم اللہ پڑھ کر پانی کو میرے ہاتھ پر ڈالو۔ میں نے حکم کے مطابق کیا۔

((فرأيت الماء يفور من بين اصابع رسول الله ﷺ ثم فارت الجفنة ودات حتى امتلات))

''میں نے دیکھا آپ ﷺ کی مبارک انگلیوں کے درمیان سے پانی پھوٹ پڑا، ٹب نے جوش مارا اور پانی سے بھر گیا۔''

فرمایا: جاؤ اعلان کردو جسے بھی پانی کی ضرورت ہے وہ حاصل کرلے۔

تمام لوگوں نے اپنی اپنی حاجت اور ضرورت کے مطابق پانی حاصل کرلیا حتیٰ کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! اب ہر ایک کی ضرورت پوری ہوگئی ہے۔

((فرفع رسول اللہ ﷺ یدہ من الجفنۃ وھی ملائی))

''آپ ﷺ نے ٹب سے ہاتھ اٹھایا تو وہ ابھی تک بھرا ہوا تھا۔'' (مسلم کتاب الزہد)

آپ ﷺ کی مبارک انگلیوں سے چشموں کے جاری ہونے کے بارے میں تواترِ معنوی ہے۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں:

''اس واقعہ کو کثیر ثقہ راویوں نے جم غفیر اور متصل سند سے روایت کیا ہے اور یہ واقعہ متعدد مقامات پر پیش آیا، کبھی مجالس میں، کبھی غزوات میں، کبھی شہر مدینہ کے اندر اور کبھی باہر اور کسی نے بھی اس کے راویوں پر انکار نہیں کیا، لہٰذا یہ واقعہ آپ ﷺ کے قطعی معجزات میں سے ہے۔''

امام قرطبی رقم طراز ہیں:

''آپ ﷺ کی مقدس انگلیوں سے چشموں کا جاری ہونا متعدد بار متعدد مقامات پر ظہور پذیر ہوا۔''

((وودرت من طرق کثیرۃ یفید مجموعھا العلم القطعی المستفاد من المتواتر المعنوی))

''یہ واقعہ اتنے کثیر طرق سے مروی ہے جن کا مجموعہ اس علمِ قطعی کا فائدہ دیتا ہے جو تواترِ معنوی سے حاصل ہوتا ہے۔''

آگے کہتے ہیں:

''ایسے معجزہ کا ظہور ہمارے نبی ﷺ کے علاوہ کسی اور نبی سے نہیں ہوا، صرف آپ ﷺ کی ہڈی، پٹھے، گوشت اور خون سے پانی کے چشمے جاری ہوئے۔'' (فتح الباری: 6-585)

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ ہم آیاتِ الٰہیہ کو برکت تصور کرتے تم ان سے ڈرتے ہو، ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہوتے اور پانی میں کمی آجاتی تو آپ ﷺ فرماتے: پانی تلاش کرو۔ صحابہ تھوڑا سا پانی لے آتے، آپ ﷺ دستِ مبارک اس میں رکھتے اور فرماتے:

((حی علی الطھور المبارک والبرکۃ من اللہ فلقد رایت الماء ینبع من بین اصابع رسول اللہ ﷺ))

''مبارک پانی کی طرف آؤ، برکت اللہ کی طرف سے ہے۔ میں نے دیکھا آپ ﷺ کی مبارک انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہوگئے۔'' (بخاری، کتاب المناقب)

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ حدیبیہ کے دن صحابہ کو سخت پیاس لگی، رسول اللہ ﷺ کے پاس کٹورا تھا جس سے آپ ﷺ وضو فرماتے تھے۔لوگ اس کی طرف متوجہ ہونے لگے، فرمایا: تمہیں کیا ہوا؟ عرض کیا: پیاس لگی ہے! پانی نہیں، اس لئے اس کی طرف رجوع کیا ہے۔ آپ ﷺ نے دست مبارک کٹورا میں رکھ دیا۔

((فجعل الماء یتور بین اصابعه کا مثال العیون فشربنا وتوضانا))

''آپ ﷺ کی مقدس انگلیوں کے درمیان سے چشموں کی طرح پانی پھوٹنے لگا، ہم نے اس سے پیا بھی اور وضو بھی کیا۔''

کسی نے پوچھا: اس وقت صحابہ کی تعداد کیا تھی؟ فرمایا: اس وقت ہم پندرہ سو تھے۔

((لو کنا مائة الف لکفانا))

''اگر ہم لاکھ بھی ہوتے تو پھر بھی پانی کافی ہو جاتا۔'' (بخاری، کتاب المناقب)

حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ مقام زورا پر تھے (یہ جگہ مدینہ کے بازار میں ہے اور وہاں اب مسجد ہے) آپ ﷺ نے ایک پیالہ منگوایا جس میں پانی تھا، آپ ﷺ نے اس میں دست اقدس رکھا۔

((فجعل الماء ینبع من بین اصابعه فتوضا جمیع اصحابه))

''آپ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی کے چشمے جاری ہو گئے اور تمام صحابہ نے وضو کیا۔''

حضرت قتادہ کہتے ہیں۔ میں نے پوچھا: اس وقت صحابہ کی تعداد کیا تھی؟ فرمایا:

((کانوا زهاء الثلاث مائة))

''اس وقت تین سو صحابہ تھے۔'' (المسلم، کتاب الفضائل)

اس روایت کی متعدد اسنادیں ہیں اور یہ مختلف الفاظ سے مروی ہے۔

اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ آپ ﷺ کی مبارک انگلیوں سے پانی جاری ہوا اور یہ پتھر سے چشمہ جاری ہونے سے کہیں بڑھ کر معجزہ ہے۔ اس کی تائید حضرت جابر کے یہ الفاظ بھی کرتے ہیں:

((فرایت الماء ینبع من بین اصابعه))

''میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی مقدس انگلیوں کے درمیان سے پانی پھوٹ پڑا۔''

امام مزنی کہتے ہیں:

''حضور ﷺ کی مقدس انگلیوں سے چشموں کا جاری ہونا، پتھر سے جاری ہونے والے چشمے سے کہیں بڑھ کر معجزہ ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر عصا سے ضرب لگائی تو پانی جاری ہو گیا کیونکہ پتھروں سے پانی کا جاری ہونا معروف ہے، لیکن گوشت اور خون سے پانی کا جاری ہونا معروف نہیں۔''

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

"حدیث ابن عباس تو اس معاملہ کو خوب واضح کر دیتی ہے، کیونکہ اس میں یہ ہے کہ صحابہ مشکیزہ لے آئے، آپ ﷺ نے اس پر ہاتھ رکھا، پھر انگلیاں الگ الگ کیں تو آپ ﷺ کی انگلیوں سے پانی پھوٹ پڑا۔"

ہم کہتے ہیں:

اگر اس روایت کے وہ الفاظ سامنے رہیں جنہیں امام احمد اور بیہقی نے نقل کیا تو بات اور کھل جاتی ہے کہ آپ ﷺ کی خدمت میں تھوڑا سا پانی لایا گیا۔

((فجعل رسول الله ﷺ علی فم الاناء وفتح اصابعه قال فانفجرت من بین اصابعه عیون))

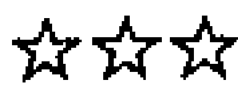
"آپ ﷺ نے برتن کے منہ پر دست مبارک رکھا اور اپنی انگلیاں کشادہ فرمائیں تو ان کے درمیان سے پانی کے چشمے جاری ہو گئے۔"

ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے پانی میں ہی کثرت پیدا فرمادی ہو اور آپ ﷺ کی انگلیوں سے نہیں بلکہ ان کے درمیان سے پھوٹ رہا ہو، اگر یوں بھی ہو تو پھر بھی یہ عظیم اور اعلیٰ معجزہ ہے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں:

"پہلی صورت میں معجزہ نہایت ہی بلیغ ہے اور احادیث سے اس کی تردید نہیں ہوتی لہٰذا پہلا قول ہی بہتر ہے۔" (فتح الباری:6-585)

ہم کہتے ہیں کہ پہلا قول نہایت ہی واضح ہے، رہا دوسرا قول تو خواہ موجود پانی کے اجزاء کو اللہ تعالیٰ نے بڑھا دیا ہو یا اور پانی کا اضافہ کر دیا ہو دونوں اعجاز کی صورت ہیں حضور ﷺ نے تھوڑا سا پانی لے کرامت پر رحمت و شفقت فرمائی۔



دیگر بے جان چیزیں اور محبت واطاعت مصطفیٰ

رسول اللہ ﷺ کی برکت سے کھانے میں اضافہ ہونا تواتر معنوی سے ثابت ہے، کیونکہ یہ مختلف اوقات، مختلف مقامات اور مختلف احوال میں وقوع پذیر ہوا۔ کبھی شہر مدینہ کے اندر اور کبھی اس سے باہر۔ خواہ اس میں آپ ﷺ نے لعاب دہن ڈالا یا دست اقدس اس پر رکھا یا اس پر ہاتھ پھیرا، تمام کا تذکرہ کرنا تو ہمارے بس میں نہیں، البتہ بعض کا ذکر کرتے ہیں اور بعض کی طرف اشارہ کریں گے۔

حضرت ابو رافع سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے بکری کا گوشت تیار کیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا:

''ابورافع اس کی دستی لاؤ۔''

میں نے پیش کیا۔ دوبارہ فرمانے پر دستی پیش کی۔ تیسری دفعہ فرمایا: ابورافع دستی لاؤ۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

((وهل للشاة الا ذراعان))

''ہر بکری کی دو ہی دستیاں ہوتی ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لو سكت لنا و لتني منها دعوت به))

''تم اگر خاموش رہتے، میرے کہنے پر دیتے رہتے تو یہ ختم نہ ہوتیں۔''

اسے امام احمد اور طبرانی نے کبیر اور اوسط میں نقل کیا۔ امام احمد کی ایک سند حسن ہے۔ اسے امام احمد، ابن حبان اور ابونعیم نے بھی سند حسن کے ساتھ حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے۔ اسے امام احمد، دارمی، ابن سعد، ترمذی نے شمائل میں، طبرانی نے کبیر میں حضرت ابوعبیدہ خادم رسول سے روایت کی اور اس کے راوی صحیح کے ہیں، ماسوائے شہر بن حوشب کے، انہیں بھی متعدد لوگوں نے ثقہ کہا ہے۔ لہٰذا یہ حدیث حسن ہے۔

اسے طبرانی نے کبیر میں ثقہ راویوں سے روایت کیا۔ ابن کثیر نے ابویعلی سے حضرت ابورافع کی اہلیہ حضرت سلمٰی سے اسے بیان کیا۔ اسے ابویعلی، ابونعیم اور بیہقی نے دلائل میں ذکر کیا۔ حافظ ابن حجر نے مطالب میں حضرت اسامہ بن زید سے نقل کر کے حسن کہا۔ اس میں کچھ ضعف ہے، مگر اس کا شاہد ہے، محشی اور محقق نے بوصیری سے اس کا حسن ہونا نقل کیا ہے۔

اسے امام احمد نے ایسی سند سے روایت کیا ہے جس میں مجہول راوی ہے یعنی ایک صحابی سے ہے تو یہ حدیث مختلف طرق سے صحیح ہے۔

اس کے علاوہ متعدد نصوص ہیں جن میں خوارق اور معجزات عظیم کا تذکرہ ہے۔ مثلاً: مسلم میں حضرت سلمہ سے مروی ہے کہ خیبر کے دن لشکر کا کھانا صرف اس قدر کھجور تھی جو بکری کے کھر کے برابر ہوں۔

اس طرح مسلم میں حضرت ابوہریرہ سے ہے کہ قلیل زادِ راہ سے پورے لشکر کو کھانا کھلایا گیا، مسلم میں حضرت جابر سے جو کا واقعہ اور ام مالک کے گھی کے برتن کا واقعہ بھی منقول ہے۔ بخاری میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے جو کا واقعہ اسی طرح حضرت جابر کے والد کے تمام قرض خواہوں کے قرض کی کھجوروں سے ادائیگی کا واقعہ بھی ہے۔

حضرت ابوہریرہ کی تھیلی، حضرت سمرہ سے منقول پیالہ کا واقعہ، حضرت نعمان بن مقرن سے مروی واقعہ کہ کھجوروں کا ڈھیر چار سو آدمیوں کو دیا گیا۔ حضرت دکین بن سعید سے مروی ہے کہ تھوڑی سی کھجوروں کو چار سو چالیس افراد میں تقسیم کیا گیا اور ان کے لیے کافی ہو گئیں، یہ تمام کی تمام روایات صحیح ہیں اور ان کے علاوہ بھی کثیر روایات ہیں۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ قسم اس ذات اقدس کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں! میں بھوک کی وجہ

سے اپنے سینے کو زمین پر رکھ دیتا، کبھی پیٹ پر پتھر باندھ لیتا، ایک دن ایک راستہ پر بیٹھ گیا جدھر سے صحابہ کا گزر ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ حضور ﷺ تشریف لائے، مجھے دیکھ کر مسکرائے اور میرے حال کو محسوس بھی فرمالیا۔ فرمایا: اے ابو ہریرہ! میں نے عرض کیا: ''حاضر ہوں۔'' فرمایا: میرے ساتھ چلو! میں پیچھے ہولیا۔ آپ ﷺ گھر داخل ہوئے، مجھے بھی داخل فرمالیا، گھر میں ایک پیالہ دودھ تھا فرمایا:

''اصحاب صفہ کو بلا کر لاؤ۔''

میں نے دل میں سوچا یہ صرف میرے لئے کافی تھا۔ اصحاب صفہ کیلئے کہاں پورا آئے گا۔؟ انہیں بلا کر لایا تو فرمایا:

''تم ہی انہیں پلاؤ۔''

ذہن میں آیا اب تیرے لئے کچھ نہیں بچے گا۔

((ولم یکن من طاعة الله وطاعة رسوله بد))

''اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔''

میں نے دودھ پلانا شروع کیا، ہر صحابی نے پیا مگر دودھ کا پیالہ اسی طرح بھرا رہا، جب ہر صحابی نے سیر ہو کر پی لیا تو حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔

((فاخذ القدح فوضعه علی یده فنظر الی فتبسم))

''آپ ﷺ نے پیالہ لیا ہاتھ میں رکھ کر میرے طرف دیکھا اور تبسم فرمایا۔''

پھر فرمایا:

''اے ابو ہریرہ! اب میں اور تم ہی رہ گئے ہیں۔''

میں نے عرض کیا: ہاں یا رسول اللہ ﷺ! فرمایا: بیٹھ جاؤ اور پیو۔ میں نے پیا، فرمایا: دوبارہ پیو۔ آپ ﷺ مجھے پینے کا حکم دیتے رہے، یہاں تک کہ میں نے عرض کیا:

((لا والذی بعثك بالحق ما اجدله مسلکا))

''قسم اس ذات اقدس کی جس نے آپ ﷺ کو بھیجا اب کوئی گنجائش نہیں۔''

فرمایا: پیالہ مجھے دو۔ میں نے پیش کیا، آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی، بسم اللہ پڑھی اور دودھ پیا تو وہ ختم ہوا۔
(بخاری، الرقاق)

ہمارے نبی کا یہ بھی معجزہ ہے کہ بکری کا جگر ایک سو تیس آدمیوں نے کھایا، ایک صاع جو اور بکری کو اتنے ہی آدمیوں نے کھایا پھر بقیہ حضرت عبدالرحمٰن نے اونٹ پر لادا، مذکورہ حدیث میں آیا کہ ایک پیالہ دودھ سے تمام اہل صفہ سیر ہو گئے۔ حالانکہ معمول کے مطابق تو ایک شخص کیلئے کافی نہیں ہوتا۔ جب یہ معلوم ہوا کہ اصحاب صفہ کی تعداد اس وقت سو سے زائد یا اس کے قریب تھی تو اس معجزہ کا عظیم ہونا اور برکت نبوی ﷺ کا نہایت ہی آشکار ہونا سامنے آتا ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق سے مروی ہے کہ ہم ایک سو تیس آدمی حضور ﷺ کے ساتھ تھے، آپ ﷺ نے پوچھا:

''تم میں سے کسی کے پاس کچھ کھانے کے لئے ہے؟''

تو ایک آدمی کے پاس صاع جو نکلے۔ انہیں گوندھ لیا گیا، پھر ایک مشرک بکریاں چراتا ہوا آ گیا۔ اس سے فرمایا: بکری بطور بیع یا عطیہ دے دو۔ اس نے کہا: عطیہ نہیں! ہاں! خرید لو۔ آپ ﷺ نے بکری خرید لی اور اسے بھی ذبح کر کے تیار کر لیا گیا۔ آپ ﷺ نے اس کے جگر کو الگ بھوننے کا حکم دیا:

((وایم اللہ ما من الثلاثین ومائة الاحزله رسول اللہ حزة حزة من سواد بطنها ان کان شهدا اعطا وان کان غائبا خباء له و جعل قصعتین فاکلنا منها اجمعون وشبعنا وفضل فی القصعتین فحملته علی البعیر))(بخاری، کتاب المناقب)

''اللہ کی قسم! ہم ایک سو تین آدمی تھے۔ آپ نے اسے ٹکڑے ٹکڑے فرما کر تقسیم فرمایا، جو حاضر تھے انہیں عطا فرمایا اور جو غیر حاضر تھے ان کے لئے رکھ لیا اور اسے دو پیالوں میں ڈال دیا۔ ہم تمام نے جی بھر کر کھایا، ان میں سے جو بچا وہ میں نے اپنی سواری پر رکھ لیا۔''

حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ حضرت ابوطلحہ نے حضرت ام سلیم سے کہا:

''میں نے رسول اللہ ﷺ کی نہایت ہی پست آواز سے بھوک محسوس کی ہے۔ کیا تیرے پاس کچھ ہے؟''

کہنے لگیں: ہاں! پھر وہ کچھ جو کی روٹی کے ٹکڑے لائیں، اس نے انہیں کپڑے میں ڈھانپ کر مجھے آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا، آپ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ ساتھ صحابہ بھی تھے، میں وہاں جا کر کھڑا ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''کیا تجھے ابوطلحہ نے بھیجا ہے؟''

عرض کیا: ہاں۔ فرمایا: کھانے کیلئے؟ عرض کیا: ہاں۔ آپ ﷺ نے تمام پاس بیٹھنے والوں کو ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ میں نے پہلے جا کر بتا دیا تو ابوطلحہ نے ام سلیم سے کہا:

((قد جاء رسول اللہ بالناس ولیس عند نا ما نطعمهم))

''حضور ﷺ صحابہ کو ساتھ لے آئے ہیں، حالانکہ ہمارے پاس اتنا کھانا نہیں۔''

انہوں نے آگے سے کہا فکر کیا؟

((اللہ و رسوله اعلم))

''اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہر معاملہ کو ہم سے بہتر جانتے ہیں۔''

ابوطلحہ نے آپ ﷺ اور دیگر مسلمانوں کا استقبال کیا، آپ ﷺ نے فرمایا:

((هلمي ما عندك يا ام سليم))

"ام سلیم جو کچھ ہے لے آؤ۔"

انہوں نے موجود روٹی پیش کر دی، آپ ﷺ کے حکم کے مطابق ان پر گھی ڈال کر ڈھانپ دیا۔

((ثم قال فيه رسول الله ماشاء الله ان يقول))

"پھر آپ ﷺ نے مشیت الٰہی کے مطابق کچھ پڑھا۔"

اور فرمایا:

"دس دس آدمیوں کی جماعت آتی جائے اور کھانا تناول کرتی جائے۔"

اسی طرح تمام لوگ آئے اور انہوں نے سیر ہو کر کھانا کھایا، ان کی تعداد ستر یا اسی تھی۔

اس روایت کو مسلم نے نو طریق سے بیان کیا ہے۔ (بخاری، کتاب المناقب)

بعض روایات میں مثلاً: مسند احمد میں ہے کہ جو نصف مد تھے۔

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ جب خندق کھودی جا رہی تھی میں نے آپ ﷺ کو نہایت ہی پست آواز دیکھا، اہلیہ کے پاس گیا، پوچھا: گھر میں کوئی شے ہے، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نہایت ہی پست آواز میں دیکھا۔ وہ میرے پاس چمڑے کا تھیلا لائی جس میں ایک صاع جو تھے، ہمارے پاس ایک مینڈھا تھا، اسے میں نے ذبح کیا، اہلیہ نے جو پیسے، میرے فارغ ہونے تک اس نے کام مکمل کر لیا، پھر اس نے ہانڈی چڑھا دی، پھر میں آپ ﷺ کی خدمت میں چلا تو اہلیہ نے کہا: اپنا معاملہ حضور ﷺ پر اور صحابہ پر آشکار نہ کرنا۔ میں نے حاضر ہو کر سرگوشی کے انداز میں گفتگو کرتے ہوئے عرض کیا:

"یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے پاس ایک دنبہ اور ایک صاع جو تھے ہم نے وہ پکائے ہیں، آپ ﷺ اور چند صحابہ ہمارے ہاں تشریف لائیں۔"

آپ ﷺ نے اعلان فرما دیا:

((يا اهل الخندق ان جابر اقد صنع سورا فحي هلابكم))

"اے اہل خندق! جابر نے کھانا تیار کیا ہے اسے کھانے کیلئے آؤ۔"

اور ساتھ مجھے فرمایا: میرے آنے تک نہ ہانڈی چولہے سے اتارو اور نہ آٹے سے روٹی پکاؤ۔ تو رسول اللہ ﷺ اپنے تمام لشکر صحابہ کے ساتھ تشریف لے آئے۔ بیوی نے مجھے سخت سست کہنا شروع کیا، میں نے اسے کہا: میں نے تیرے کہنے کے مطابق ہی آپ ﷺ سے عرض کیا تھا۔

((فاخرجت له عجينا فبصق فيه و بارك ثم عمدالى برمتنا فبصق و بارك))

"آٹا لایا گیا اس میں لعاب دہن عطا فرمایا اور برکت پھر ہانڈی میں لعاب دہن سے برکت عطا فرمائی۔"

اس کے بعد فرمایا: اب روٹی پکاؤ اور سالن دیتے جاؤ مگر ہانڈی کو نیچے نہ اتارو۔

((هم الف فاقسم بالله لقد اكلوا حتى تركوه وانحر فوا وان برمتنا لتغط كما هي وان عجيننا ليخبز كما هو))

''اس وقت صحابہ کی تعداد ہزار تھی۔ اللہ کی قسم سب نے سیر ہو کر کھایا۔ جب واپس آئے تو ہماری ہانڈی اسی طرح جوش مار رہی تھی اور ہمارا آٹا اسی طرح محفوظ تھا۔'' (بخاری، کتاب المغازی)

بخاری کی دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''داخل ہو جاؤ اور بھیڑ نہ کرو۔''

آپ ﷺ نے روٹیوں کے ٹکڑے فرما کر ان پر سالن ڈالا، ہانڈی اور تنور کو روٹی و سالن لے کر ڈھانپ دیا جاتا، اسی طرح کئی مرتبہ کیا گیا حتیٰ کہ صحابہ سیر ہو گئے۔ اس حدیث کی کئی سندیں ہیں اور ان میں اضافہ بھی ہے۔

رسول اللہ ﷺ سے بے جان چیزوں کی محبت کا ایک واقعہ منبر شریف کا جھوم اٹھنا بھی ہے۔ جب اس پر آپ ﷺ نے کتاب اللہ کی آیت تلاوت کی اور بار بار خلق جبار اور متکبر کی عظمت کا تذکرہ کیا۔

مشرکین نے آپ ﷺ کو عبادت اصنام کی دعوت دی تھی تو آپ ﷺ نے اس آیت کے ذریعہ اس کا حال واضح کیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم نہیں کرتے اور بار بار اس جملہ کو دہرایا جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت بیان کی ہے۔ اس سے ایک ہیبت کا سماں طاری ہو گیا جس سے چہروں پر خشوع کے آثار ظاہر ہوئے، کیسے نہ ہوں، یہ تو ایک حقیقت ہے جس کا وقوع روز قیامت ہوگا، تمام زمین اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہوگی، آسمانوں کو اپنے دست اقدس سے لپیٹ دے گا اور منبر زمین کا ایک جز ہے۔ اس وجہ سے اس پہ خشیت اور ہیبت طاری ہو گئی، اس پر شدید اضطراب اور خوف و نزع کا حال طاری ہو گیا۔ حتیٰ کہ صحابہ کو اس بات کا خوف ہوا کہ کہیں رسول اللہ ﷺ کو کوئی تکلیف عارض نہ ہو جائے۔

باقی آیت میں قیامت کا ذکر اس لئے ہے کہ اس دن تمام دعوے ختم ہو جائیں گے۔ اس لئے حدیث میں ہے: میں مالک ہوں، کہاں ہیں جابر، کہاں ہیں متکبر، کوئی جواب نہیں دے گا اور نہ کوئی بول سکے گا، اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

((يوم هم برزون لا يخفى على الله منهم شيء لمن الملك اليوم لله الواحد القهار)) (المومن: 16)

''جس دن وہ بالکل ظاہر ہو جائیں گے اللہ پر، ان کا حال چھپا نہ ہوگا، آج کس کی بادشاہی ہے؟ ایک اللہ کی جو سب پر غالب ہے۔''

جب حضور ﷺ نے یہ آیت پڑھی اور تکرار فرمایا تو منبر سن کر جھوم اٹھا اور اس پر خوف و خشیت کی کیفیت طاری ہو گئی، جب آپ ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی تو وہ بھی خاموش و ساکن ہو گیا تو آپ ﷺ کی قرأت ہی تھی جس پر منبر جھوم ا' ا، اگر کوئی دوسرا قرأت کرتا تو ایسا نہ ہوتا، جب آپ ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی تو وہ بھی ساکن اور

خاموش ہوگا۔

حضرت عبید اللہ بن مقسم سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر سے پوچھا: رسول اللہ ﷺ کے خطبہ کے بارے میں ارشاد فرمایئے تو انہوں نے فرمایا:

''آپ ﷺ نے خطبہ دیا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں آسمان وزمین ہے اور فرما رہا ہے: میں اللہ ہوں جو قبضہ کھولتا اور بند فرماتا ہے میں مالک ہوں۔

((حتی نظرت الی المنبر یتحرکه من اسفل شي منه حتی انی لاقول اساقط هو برسول الله))

''میں نے منبر کو دیکھا کہ وہ اس طرح حرکت میں تھا کہ مجھے خطرہ محسوس ہوا کہیں رسول اللہ ﷺ گر نہ جائیں۔'' (مسلم، کتاب صفۃ المنافقین)

احمد اور ابن حبان وغیرہ نے انہی سے یوں روایت کیا ہے۔ آپ ﷺ نے منبر پر یہ آیت مبارکہ فرمائی:

((وما قدرو وا الله حق قدره والارض جميعا قبضته يوم القيمة والسموت مطويت بيمينه سبحنه و تعلي عما يشركون))

''اور انہوں نے اللہ کی قدر نہ کی جیسا کہ اس کا حق تھا اور وہ قیامت کے دن سب زمینوں کو سمیٹ دے گا اور اس کی قدرت سے سب آسمان لپیٹ دیئے جائیں گے اور ان کے شرک سے پاک اور برتر ہے۔'' (الزمر:67)

پھر کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''میں جبار ہوں، میں متکبر ہوں، میں مالک ہوں، میں بلند ہوں اور اس نے اپنی ذات اقدس کی بزرگی بیان کی ہے۔''

آپ ﷺ نے ان کلمات کو بار بار دہرایا:

((حتی رجف بها المنبر حتی ظننا انه سیخربه))

''حتی کہ منبر کانپ اٹھا اور ہمیں یہ گمان ہونے لگا کہ کہیں آپ ﷺ گر نہ جائیں۔'' (مسند احمد:2-72)

فتح مکہ کے وقت جب حضور ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو کعبہ کے اردگرد تین سو ساٹھ بت تھے، آپ ﷺ نے ہاتھ میں قوس لے کر ہر ایک کی طرف اشارہ کیا اور ساتھ آیات کی تلاوت فرمائی تو تمام بت اوندھے منہ جھک کر گر پڑے، حالانکہ شیطان ان کو نیچے سے راص کے ساتھ سنبھال رہا تھا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ فتح مکہ کے وقت رسول اللہ ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو کعبہ کے اردگرد تین سو ساٹھ بت نصب تھے۔

((فجعل یطعنها بعود في يده ويقول وقل جاء الحق))

''آپ ﷺ نے ہاتھ کی چھڑی انہیں لگائی اور پڑھا قل جاء الحق۔''

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ حجر اسود کے پاس تشریف لائے استلام فرمایا، پھر بیت اللہ کا طواف کیا:

((فاتی علی صنم الی جنب البیت، کانوا یعبدونه قال وفی ید رسول الله ﷺ قوس وهو اخذ یسیة القوس فما اتی علی الصنم جعل بطنه فی عینه ویقول وقل جاء الحق وزهق الباطل))

''پھر اس کے پاس تشریف لائے جن کی کفار پوجا کرتے تھے، آپ ﷺ کے دست اقدس میں کمان تھی، آپ ﷺ نے ہر بت کی آنکھوں پر کمان مارتے ہوئے پڑھا: قل جاء الحق و زهق الباطل۔'' (مسلم، کتاب الجہاد)

رہا بتوں کا آپ ﷺ کے اشارہ سے گرنا تو اس پہ یہ روایات شاہد ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ فتح مکہ کے دن آپ ﷺ تشریف لائے تو کعبہ میں تین سو ساٹھ بت تھے جن کے قدم ابلیس نے رصاص سے مضبوط باندھ رکھے تھے۔

((فجاء و معه قضیبه فجعل یهوی به الی کل صنم منها فیخر لوجهه و یقول جا الحقو زهق الباطل ان الباطل کان زهوقاحتی مر به علیها کلها))

''آپ ﷺ تشریف لائے ہاتھ میں چھڑی تھی، آپ ﷺ نے ہر بت پر ماری تو وہ منہ کے بل گر پڑا اور ساتھ آپ ﷺ اس آیت کریمہ کی تلاوت فرما رہے تھے: جاء الحق و زهق الباطل ان الباطل کان زهوقا حتی کہ تمام بت گر پڑے۔''

اسے طبرانی نے کبیر میں، تیمی نے دلائل میں، بزار اور بیہقی نے دلائل میں رجال ثقہ سے روایت کیا اور فاکہی نے بھی اسے نقل کیا۔ (المعجم الکبیر، 10-339)

((فلم یبق وثن استقبله الا سقط علی قفاه مع انها کانت قابتة بالارض))

''جس بت کے سامنے سے آپ ﷺ کا گزر ہوتا وہ پشت کے بل گر پڑتا حالانکہ وہ زمین میں گڑھے ہوئے تھے۔''

اسے فاکہی، طبرانی نے کبیر اور اوسط میں ذکر کیا، ابن حبان نے اسے صحیح کہا۔ بیہقی نے بھی دلائل میں حضرت عبداللہ بن عمر سے اس کی مثل نقل کیا لیکن اس کی سند میں ضعف ہے لیکن سابقہ روایت اس کی موید ہے۔

(دلائل النبوت، از بیہقی: 5-72)

غزوہ حنین و بدر میں قابل توجہ بات یہ ہے کہ آپ ﷺ نے مٹی یا سنگریزے کی مٹھی بھر کر دشمنوں کی طرف پھینکی تو ان میں سے ہر ایک کی آنکھوں اور منہ میں داخل ہوگئی اور سب بھاگ گئے۔

بدر کے دن مشرکین کی فوج، مسلمانوں سے تعداد اور اسلحہ کے اعتبار سے تین گنا تھی، یوم حنین کو میدان ان کے پاس تھا، مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ چکے تھے اور صرف رسول اللہ ﷺ اور قلیل تعداد میں مجاہدین رہ گئے تھے، آپ ﷺ دشمنوں کی طرف بڑھے اور مٹھی بھر کر مٹی ان کی طرف پھینکی جس سے وہ بھاگ نکلے، آپ ﷺ نے کس قدر مٹی پھینکی تھی؟ صرف مٹھی بھر، لیکن جب معاملہ کی حقیقت ہم دیکھتے ہیں تو وہ بہت ہی خوب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

((فلم تقتلو هم ولكن الله قتلهم وما رميت اذرميت ولكن الله رمى))

(سورۃ الانفال، 17)

"تو تم نے انہیں قتل نہ کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا اور وہ خاک جو تم نے پھینکی تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی۔"

جب ہم اس حقیقت سے آگاہ ہوگئے تو اب ہر قسم کا تعجب اور حیرت ختم ہو جاتی ہے۔ ہم کچھ روایات کا تذکرہ بھی کیے دیتے ہیں:

1: حضرت عباس بن عبدالمطلب کا بیان ہے کہ میں غزوہ حنین میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا، میں اور ابو سفیان بن حارث بن عبدالمطلب، حضور ﷺ کے ساتھ ساتھ تھے، ہم جدا نہ ہوتے تھے، آپ ﷺ اس سفید خچر پر سوار تھے جو فروہ بن نفاثہ الجزامی نے بطور ہدیہ پیش کی تھی، جب جنگ شروع ہوئی تو مسلمان کچھ پیچھے ہٹے لیکن رسول اللہ ﷺ نے سواری کو کفار کی طرف حملہ آور ہونے کی لئے ایڑی لگائی، میں نے لگام پکڑی ہوئی تھی اور اسے تیز رفتاری سے روک رہا تھا۔ ابو سفیان نے سواری کی رکاب پکڑی ہوئی تھی، آپ ﷺ نے مجھے فرمایا: عباس اصحاب سمرہ کو آواز دو (ان کی آواز خوب بلند تھی) جب میں نے بلند آواز سے پکارا تو میرا حال یہ تھا:

((فو الله لكان عطفتهم حين سمعا صوتي عطفة البقر على اولادها))

"اللہ کی قسم! میں ان پر ترس کھا رہا تھا۔ انہوں نے میری آواز کو یوں محسوس کیا جیسے گائے کی اپنے بچوں کیلئے ہوتی ہے۔"

آگے سے آوازیں آئیں لبیک لبیک (ہم حاضر ہیں) آخر حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے کچھ سنگریزے لئے اور دشمن کی طرف پھینکے اور فرمایا:

((اهزموا ورب محمد))

"اے دشمنو! تمہیں شکست ہوگی رب محمد ﷺ کی قسم۔!"

میں نے دیکھا جنگ تو جاری تھی لیکن خدا کی قسم!

((فما ھؤلاء ان رما ھم بحصیاتہ فمازلت اری حدھم کلیلا وامر ھم مدبرا))(مسلم: کتاب الجھاد)

''سنگریزے پھینکنے کی دیر تھی میں نے دیکھا ان پر رات کی طرح تاریکی چھا گئی اور وہ بھاگ نکلے۔''

یہ واقعہ جن صحابہ سے مروی ہے ان میں حضرت ابوعبدالرحمٰن القمری ہیں جن سے امام احمد، داری، طیالسی، ابو داؤد، ترمذی، ابن ابی شیبہ، طبرانی، بیہقی نے نقل کیا ہے۔ ان میں حضرت عبداللہ بن مسعود بھی ہیں، ان سے امام احمد اور حاکم وغیرہ نے روایت کیا۔ بالکل ایسا ہی ہوا اس بارے میں بھی متعدد روایات ہیں جیسا کہ حضرت ابن عباس، حضرت حکیم بن حزام اور نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہم سے ہے۔

ائمہ اہل مغازی مثلاً: امام زہری، محمد بن یحییٰ بن حبان، عاصم بن عمر بن قتادہ اور عبداللہ بن ابی بکر وغیرہ نے نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مٹھی مٹی کفار کی طرف پھینکی اور فرمایا: ان کے چہرے پھر جائیں۔

((فما من المشرکین احد الا اصاب عینیہ ومفخریہ و فیہ تراب من تلک القبضۃ فولوا مدبرین))(دلائل النبوۃ:3-78)

''اس مٹھی مٹی سے ہر مشرک کا منہ، ناک اور آنکھیں بھر گئیں اور پشت دے کر بھاگ اٹھے۔''

گویا آپ ﷺ کی پھینکی ہوئی مٹی کا ایک ذرہ، کثیر مٹی کی صورت اختیار کر گیا اور ہر کافر کی آنکھیں، ناک اور منہ اس سے بھر گیا۔

2: حضرت سلمہ بن اکوع سے مروی ہے کہ ہم غزوۂ حنین میں حضور ﷺ کے ساتھ شریک تھے، میں گھاٹی پر چڑھا، تو وہاں ایک دشمن سے ٹکر ہوگئی، میں نے اسے تیر مارا جو غائب ہوگیا، معلوم نہیں کیا بنا؟ میں نے قوم کو دیکھا تو وہ دوسری گھاٹی پر تھی ان کی اور صحابہ کی مڈبھیڑ ہوگئی، صحابہ میرے سمیت پیچھے ہٹے، اس وقت مجھ پر دو چادریں تھیں، ایک تہہ بند اور دوسری اوپر اوڑھی ہوئی تھی، تہہ بند نیچے گر رہا تھا، میں بھاگتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا تو آپ ﷺ صہباء سواری پر تھے۔

فرمایا: ابن اکوع دشمن کو دیکھ کر خوفزدہ ہوگیا ہے، جب کفار نے آپ ﷺ کو گھیر لیا تو آپ ﷺ سواری سے نیچے تشریف لائے۔

((ثم قبض قبضۃ من تراب الارض ثم استقبل بہ وجوھم فقال شاھت الوجوہ فما خلق اللہ منھم انسانا الا ملا عینیہ ترابا بتلک القبضۃ فولوا مدبرین فھزمھم اللہ عزّوجل))

''مٹھی میں مٹی لی اور کفار کی طرف پھینکتے ہوئے شاہت الوجوہ فرمایا تو ان میں سے ہر انسان کی آنکھیں اس مٹی سے بھر گئیں اور وہ لوگ بھاگ اٹھے اللہ تعالیٰ نے انہیں شکست دے دی۔''

پھر ان کے غنائم مجاہدین میں تقسیم فرمائے۔ (مسلم۔ کتاب الجہاد)

"مورت علی رسول الله فزعا" میں حضرت ابن اکوع کا حال بیان ہوا ہے۔ جیسے کہ حدیث کے سابقہ الفاظ بھی اس پر دلیل ہیں، آپ ﷺ نے بھی اسی کو واضح فرمایا، یہ نہیں کہ رسول اللہ ﷺ بھی بھاگ نکلے ہوں کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ آپ ﷺ کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ ﷺ سے ایسا ممکن نہیں۔

محبت کے مظاہر میں سے آمد محبوب پر اظہار خوشی وسرور بھی ہے جو محبّ سے بصورت نور اور روشنی منعکس ہوتا ہے جیسا کہ مظاہر محبت میں سے یہ بھی ہے کہ فراق محبوب پر غم اور حزن طاری ہو جاتا ہے۔ شہر مدینہ کا معاملہ بھی اسی طرح ہے، ہجرت کے موقعہ پر جب آپ ﷺ کی تشریف آوری ہوئی اور جب رفیق اعلیٰ کی طرف آپ ﷺ کا وصال ہوا۔

حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ جس روز آپ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف فرما ہوئے تو

((اضاء من المدينة كل شيء))

"مدینہ کی ہر شے روشن ہوگئی۔"

اور جس دن آپ کا وصال ہوا تو

((اظلم من المدينة كل شيء))

"مدینہ کی ہر شے تاریک ہوگئی۔"

جب ہم تدفین سے فارغ ہوئے تو ہمارے دل نہایت ہی پریشان ومضطرب تھے۔

امام احمد، ترمذی، ابن حبان اور حاکم تمام نے اسے صحیح قرار دیا ہے، اسے ابن ماجہ، دارمی، بغوی اور ابو یعلیٰ نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد 3-221)

یعنی جس طرح محبّ، محبوب کی آمد پر خوش اور فراق پر غمزدہ ہو جاتا ہے، شہر مدینہ بھی آپ ﷺ کی تشریف آوری پر خوش ہو کر روشن ہو گیا اور جب وصال ہوا تو تاریک ہو کر غم کا اظہار کرنے لگا۔

یہ آپ ﷺ کے ساتھ جمادات کی محبت کے چند مظاہر تھے۔ ان میں سے بعض نباتات اور حیوانات کی محبت کا تذکرہ بھی تھا لیکن تمام غیر عاقل اور غیر مکلف ہیں۔ باوجود اس کے ان سے اپنے محبوب مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ شوق، محبت، رقت، تعظیم، توقیر، اظہار فرحت وسرور بلکہ سجود کا اظہار ہوا، جب یہ جماد غیر عاقل کا حال ہے تو سوچئے انسان عاقل، مدرک، مکلف اور مامور کا کیا حال ہونا چاہیے؟ کیا اسے جمادات، نباتات اور حیوانات سے آگے بڑھ کر محبوب کی معیت اور حلاوت ایمان کو حاصل کر لینا چاہیے یا ان سے پیچھے رہ جانا چاہیے؟

ہم نے محبت جمادات اور اطاعت جمادات کے ساتھ ساتھ نباتات، حیوانات کی محبت کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ ان میں سے چار اہم فوائد حاصل ہوتے ہیں:

1: جمادات ادراک رکھتے ہیں اسی طرح نباتات اور حیوانات بھی۔

2: حضور ﷺ سے محبت وعقیدت جمادات کے ادراک کا ایک مظاہرہ ہے۔

3: اسی طرح آپ ﷺ کی اطاعت بھی ادراک کا ہی مظہر ہے۔

4: حضور نبی کریم اور رسول امین ﷺ کی عظمت، بلندی مقام، رفعت شان اور آپ ﷺ سے اللہ تعالیٰ کی محبت و اطاعت پیدا فرمائی، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہمیں اس بات سے آگاہ فرمادیا ہے کہ زمین و آسمان کے درمیان جو کچھ ہے وہ اسی کے حکم سے مسخر ہوتا ہے، جیسا کہ فرمان ہے:

((الم تروا ان اللہ سخر لکم ما فی السموات وما فی الارض واسبغ علیکم نعمہ ظاھرۃ وباطنۃ))(سورۃ لقمان:20)

''کیا تم نے نہ دیکھا کہ اللہ نے تمہارے لئے کام میں لگائے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں اور تمہیں بھرپور دیں اپنی نعمتیں ظاہر اور چھپی۔''

دوسرے مقام پر فرمایا:

((الم تر ان اللہ سخر لکم ما فی الارض والفلک تجری فی البحر بامرہ ویمسک السماء ان تقع علی الارض الا باذنہ))

(الحج:65)

''کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ نے تمہارے بس میں کر دیا جو کچھ زمین میں ہے اور کشتی کہ دریا میں اس کے حکم سے چلتی ہے اور وہ روکے ہوئے ہے آسمان کو کہ زمین پر نہ گر پڑے مگر اس کے حکم سے۔''

تیسرے مقام پر فرمایا:

((وسخر لکم ما فی السموات وما فی الارض جمیعا منہ))

(الجاثیہ:13)

''اور تمہارے لئے کام میں لگائے جو کچھ آسمانوں میں ہیں جو کچھ زمین میں اپنے حکم سے۔''

یہ خطاب انسان سے ہے، اگر اصل بھی مراد ہو تو وہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں جو روز قیامت آپ ﷺ کے جھنڈے تلے ہوں گے، حضور ﷺ اس وقت بھی نبی تھے جب حضرت آدم علیہ السلام ابھی تخلیق بھی نہ ہوئے تھے تو آپ ﷺ کی ذات گرامی بالاتفاق ان سے افضل ہے اور اگر عام لوگ مراد ہیں تو حضور ﷺ تمام کے سردار، ان سے بہتر اور افضل ہیں کیونکہ انبیاء علیہم السلام باقی تمام انسانوں سے افضل اور رسول باقی انبیاء سے افضل اور اولو العزم باقی رسولوں سے افضل اور آپ ﷺ ان تمام سے افضل ہیں، جب اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر انسان کیلئے مسخر فرمایا ہے تو آپ ﷺ کے لئے یہ طریق اولیٰ مسخر ہوں گے، کیونکہ آپ ﷺ مخلوق کے سردار اور تمام مخلوق سے افضل ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے آگاہ فرمایا ہے کہ کچھ جمادات کو اس نے بعض رسولوں کے لئے مسخر فرمایا جیسا کہ فرمان مقدس ہے:

((وسخرنا مع داود الجبال یسبحن والطیر و کنا فعلین))(الانبیاء:79)

''اور داؤد کے ساتھ پہاڑ مسخر فرمادیئے کہ تسبیح کرتے اور پرندے اور یہ ہمارے کام تھے۔''

((فسخرنا لہ الریح تجری بامرہ رخاء حیث اصاب والشیطین

کل بناء وعواص واخرین مقرنین فی الصفاد))(ص :38,36)

''تو ہم نے ہوا اس کے بس میں کردی کہ اس کے حکم سے نرم نرم چلتی، جہاں وہ چاہتا اور دیو بس میں کر دیئے ہر معمار اور غوطہ خور اور دوسرے اور بیڑیوں میں جکڑے ہوئے۔''

جب یہ تسخیر حضرت داؤد علیہ السلام کیلئے ہے تو محمد رسول اللہ ﷺ کیلئے بطریق اولیٰ ہوگا، کیونکہ آپ ﷺ تمام مخلوق سے افضل اور معزز ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو اس کائنات کی بعض چیزیں کافر خبیث کیلئے مسخر کردی ہیں۔ مثلاً: دجال لیکن یہ اس پر کرم نہیں بلکہ بطور استدراج ہے تو متقی انسان کو تو بطریق اولیٰ تسخیر حاصل ہوگی، ہاں اگرچہ ان میں سے ہر کوئی لازم نہیں۔

آپ ﷺ کی تمام انبیاء اور رسل علیہم اسلام پر فضیلت کیلئے کافی ہے کہ ان سے آپ ﷺ کے بارے میں عہد لیا گیا۔ ارشاد رب العزت ہے:

((واذ اخذ الله میثاق النبیین لما اتیتکم من کتب و حکمة ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن به ولتنصرنه قال ء اقررتم و اخذ تم علی ذلکم اصری قالوا اقررنا قال فاشهدوا وانا معکم من الشهدین))(آل عمران:80)

''اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے۔ تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔ فرمایا: کیوں تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا، سب نے عرض کیا: ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا: تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔''

اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی وصفی محمد ﷺ کی محبت جمادات، نباتات، حیوانات کے اندر ودیعت کردی اور ان پر آپ ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری لازم فرمادی، یہ کائنات اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کے حکم سے مسخر ہوتی ہے، اس میں اسی کا ارادہ چلتا ہے اور اس نے اپنے رسول ﷺ کو اسی لئے مبعوث فرمایا ہے کہ اس کے حکم پر رسول کی اطاعت کی جائے جیسا کہ خالق کا فرمان ہے:

((وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن الله))(النساء:64)

''اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔''

اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا ''انقادی علی باذن اللہ'' (اللہ کے حکم پر میری اطاعت کر) تو ان جمادات وغیرہ کی اطاعت آپ ﷺ کی ذات کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ کے حکم سے ہے اور اس کے ارادے کے مطابق ہے۔

نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں جو مقام حاصل ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جن اعزازات سے نوازا ہے اس سے آپ ﷺ آگاہ تھے تو جمادات، نباتات اور حیوانات کو احکام صادر فرمانے سے پہلے آپ ﷺ کو ان

کے بجالانے کا یقین تھا بلکہ جب آپ ﷺ انہیں کوئی حکم صادر فرماتے تو ان کی بجا آوری کا صحابہ کو اپنی ذات سے بڑھ کر یقین ہوتا تھا۔ اس لئے وہ ہر معاملہ میں آپ ﷺ کی طرف رجوع کرتے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ ﷺ کی قدرو منزلت اور عزت وجاہ کو خوب جانتے تھے اور اس پر ایمان رکھتے تھے کہ اللہ آپ کے ارادے کو مکمل فرمانے والا ہے۔

یہی وجہ ہے صحابہ کرام اپنے نبی ﷺ کی محبت واطاعت میں ضرب الامثال ہیں، ان کے ایسے واقعات سے متعدد کتب پُر ہیں۔

یہ تمام امور عالم ملک کے ہیں جو شرعاً اور عقلاً جائز ہیں اور ایسی نصوص صریحہ سے ان کا ثبوت ہے جو حکم قطعی رکھتی ہیں۔ لہٰذا یہ کوئی بعید از قیاس باتیں نہیں، لیکن یہاں ایک اہم سوال باقی ہے کیا انسان محبت واطاعت میں جمادات، نباتات اور حیوانات سے بڑھ سکتا ہے؟ کیا یہ امت اپنے اسلاف صحابہ کرام کی طرح اپنے نبی ﷺ سے محبت واطاعت کا درجہ پاسکتی ہے تاکہ یہ ان کے طریق ونہج پر چل کر اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی حاصل کرلیں۔؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

((والسبقون الاولون من المهجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضى الله عنهم ورضوا عنه واعد لهم جنت تجرى تحتها الانهر خلدين فيها ابدا ذالك الفوز العظيم))

''اور سب میں اگلے پہلے مہاجر اور انصار اور جو بھلائی کے ساتھ اُن کے پیرو ہوئے اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی اور ان کیلئے تیار کر رکھے ہیں باغ جن کے نیچے نہریں بہیں ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں، یہی بڑی کامیابی ہے۔'' (التوبہ:100)

یہاں یہ ذہن نشین رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو اپنے نبی ﷺ سے محبت اور آپ ﷺ کی اطاعت کا حکم فرما رکھا ہے۔

ہم امید کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے قول میں ثابت قدمی عطا فرمائے گا ورنہ جو کچھ ہم لکھتے، کہتے ہیں یہ ہمارے خلاف حجت بن جائے گا۔

☆☆☆

مختلف مخلوقات کی اطاعت......معجزات مصطفیٰ ﷺ

☆: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں چاند پھٹ کر ٹکڑے ہوگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ارشاد فرمایا:
''گواہ رہو کہ چاند کے دو ٹکڑے ہوگئے۔''

حضرت انس بن حضرت مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ "اہلِ مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کرتے رہتے تھے کہ آپ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں کوئی نشانی دکھائیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے انہیں یہ نشانی دکھائی کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔

(البدایہ والنہایہ، جلد 6، عربی صفحہ 74-77) (مسند امام احمد، جلد 5، عربی صفحہ 204) (البدایہ والنہایہ، جلد 3، عربی صفحہ 118) (تفسیر ابن کثیر، جلد 2، عربی صفحہ 412) (تفسیر ابن کثیر، جلد 4، عربی صفحہ 261) (الصحیح البخاری، جز 4، عربی صفحہ 251) (الصحیح البخاری، جز 5، عربی صفحہ 62) (الصحیح المسلم، جز 17، صفحہ 145)

☆: ایک دن قریش (کفارِ مکہ) مثلاً ولید بن مغیرہ، ابوجہل، عاص بن وائل، اسود، نظر بن حارث وغیرہ اکٹھے ہو کر شاہِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے (یہ منصوبہ بنا کر آئے کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جادوگر کہتے ہیں اور یہ بات مسلم ہے کہ آسمان پر جادو نہیں چلتا، لہٰذا کوئی ایسی نشانی طلب کریں جس سے پتہ چل سکے کہ یہ جادوگر نہیں ہیں۔)

انہوں نے سوچ کر یہ مطالبہ کیا کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگر چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھادیں تو ہم مان جائیں گے کہ آپ جادوگر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔"

جب انہوں نے یہ مطالبہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اگر چاند دو ٹکڑے ہو جائے تو تم ایمان لے آؤ گے؟"

وہ بولے:

"بے شک ہم ایمان لے آئیں گے۔"

حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور بعد ازاں جب چاند کی طرف اُنگلی سے اشارہ فرمایا تو چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔

یہ دیکھ کر ایک یہودی ایمان لے آیا مگر جن کے دلوں میں زنگ تھا، وہ بولے:

"یہ ابن ابی کبشہ (جاہل لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لقب سے بلایا کرتے تھے) نے جادو کیا ہے۔"

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اشھدوا اشھدوا"

"گواہی دو...... گواہی دو (کہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا ہے)"

مگر ان کافروں نے نہ مانا بلکہ مطالبہ کر دیا کہ آپ چاند کے ان دونوں ٹکڑوں کو پھر سے ایک کر دیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا تو چاند کے دو ٹکڑے ایک ہو گئے۔

اس کے بعد پھر کفارِ مکہ نے باہم مشورہ کر کے کہا:

''جولوگ باہر سفر میں گئے ہوئے ہیں وہ جب واپس آئیں گے تو ان سے پوچھا جائے۔''

چنانچہ جب آنے والوں سے پوچھا گیا تو انہوں نے تصدیق کی کہ:

''ہاں ہم نے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔''

(جامع المعجزات فی سیر خیر البریات علیہ ازکی التحیات، اردو صفحہ 185) (حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین، جلد 1، اردو صفحہ 636)"(مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات، اردو صفحہ 430) (کتاب الشفاء، الباب الرابع، جلد 1، اردو صفحہ 444) (سرورِ کونین کی نورانیت" وبشریت، حصہ اول، صفحہ 286) (محبۃ النبی و طاعتہ بین الانسان دالجہاد، صفحہ 91) (مرقاۃ شرح مشکوۃ، جلد 11، عربی صفحہ 124) (الخصائص الکبری، جلد 1، اُردو صفحہ 296) (مسند امام احمد، جلد 5، عربی صفحہ 204) (البدایہ و النہایہ، جلد 3، عربی صفحہ 118) (البدایہ والنہایہ، جلد 6، عربی صفحہ 74-77) (تفسیر ابن کثیر، جلد 2، عربی صفحہ 412) (تفسیر ابن کثیر، جلد 4، عربی صفحہ 261)

☆: حضرت امِ معبد (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کافی معروف ومشہور نام ہے۔ تاریخ میں ان کا بہت تذکرہ ہے۔ اس خاتون کا اصلی نام ''عاتکہ بنت خالد'' (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تھا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے غلام عامر بن فہیرہ کے ہمراہ سفرِ ہجرت کے دوران امِ معبد رضی اللہ عنہا کے گھر کے پاس سے گزرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے گوشت اور کھجور خریدنی چاہی مگر اس کے پاس یہ سامان تجارت کے لیے نہ تھا۔ اس کا قبیلہ قحط سالی اور بھوک کا شکار ہو چکا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خیمے کے ایک کونے میں ایک بکری بندھی دیکھی تو پوچھا:

''امِ معبد (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)! یہ بکری یہاں کیوں باندھ رکھی ہے؟''

انہوں نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کمزور اور بیمار ہے۔ ریوڑ کے ساتھ نہیں جا سکتی اسی لیے اس کو یہاں باندھ رکھا ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

''کیا یہ دودھ دیتی ہے؟''

حضرت امِ معبد (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے جواب دیا:

''یہ بے چاری کیا دودھ دے گی یہ تو اپنی جان سے بھی عاری ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کیا مجھے اجازت ہے کہ میں اس کا دودھ دوہ لوں۔؟''

امِ معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا:

''میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان! اگر آپ کو دودھ نظر آتا ہے تو دوہ لیجیے۔''

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کمزور بکری کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا اور بسم اللہ پڑھی تو خدا کی قدرت سے اس کے خشک تھنوں میں دودھ اتر آیا اور وہ دودھ سے خوب پھول گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑا برتن طلب فرمایا۔ یہ برتن اتنا بڑا تھا کہ اگر بھر جاتا تو تمام حاضرین کے لیے کافی تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس برتن کو لے کر اس میں دودھ دوہنا شروع فرمایا تو برتن پوری طرح بھر گیا۔ اس کے اُوپر سفید جھاگ آ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ دودھ سب سے پہلے امِ معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پلایا۔ جب ام معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جی بھر کر پی لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو پلایا۔ جب انہوں نے بھی سیر ہو کر پی لیا تو سب سے آخر میں سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نوش فرمایا۔

برتن خالی ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ بکری دوہی تو پھر برتن بھر گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ دودھ سے بھرا ہوا برتن امِ معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حوالے کیا اور اس سے اسلام کی بیعت لی اور پھر وہاں سے منزل کی جانب سفر فرمایا۔

امِ معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا اب مسلمان ہو چکی تھیں۔ کچھ دیر بعد ابو معبد جنگل سے بکریوں کو ہانکتا ہوا واپس لوٹا۔ بکریاں قحط کی وجہ سے خالی پیٹ اور لاغر تھیں۔ ابو معبد نے دودھ دیکھا تو حیران ہو کر پوچھا:

”امِ معبد (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)! یہ دودھ کہاں سے آیا ہے؟ گھر میں تو بیمار اور خشک تھنوں والی بکری تھی؟ اور اس کے علاوہ کوئی دودھ دینے والا جانور بھی نہیں؟“

امِ معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا:

”خدا کی قسم! یہ معاملہ بڑا عجیب ہے۔ ایک بابرکت رسول (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کا یہاں سے گزر ہوا جس کا حلیہ یوں یوں اور اوصاف یوں تھے۔“ (امِ معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ اور اوصاف بیان کیے) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف مزید تفصیل کے ساتھ بیان کیے۔“

ابو معبد نے سن کر کہا:

”خدا کی قسم! یہ تو صاحبِ قریش ہیں۔ جن کے بارے میں ہم نے سن رکھا تھا کہ وہ مکہ میں مبعوث ہو چکے ہیں۔ میں نے پکا ارادہ کر لیا ہے کہ ان کی صحبت اختیار کروں گا۔ مجھے موقع ملا تو ضرور ان کی خدمت میں حاضری دوں گا۔“

(حاشیہ علیٰ سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، عربی صفحہ 487، حاشیہ نمبر 3) (سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، عربی صفحہ 487) (الاستیعاب، القسم الرابع، عربی صفحہ 1876) (البدایہ والنہایہ، جلد 3 عربی صفحہ 190) (البدایہ والنہایہ، جلد 6، عربی صفحہ 29-102) (الاصابہ، جلد 4، عربی صفحہ 474) (اسد الغابہ، جلد 1، عربی صفحہ 377)

☆: واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن قتادہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے جنگِ احد کا حال لکھتے ہوئے بیان کیا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ میں براہِ راست حصہ لیا اور نیزے سے دشمن کا مقابلہ کرتے رہے یہاں تک کہ وہ نیزہ ٹوٹ گیا، اس کے علاوہ آپ کی کمان کی لکڑی اور تانت بھی ٹوٹ گئی۔

تانت کی رسی ہاتھ بھر رہ گئی۔ اسے اور کمان کی لکڑی کو حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پکڑ لیا۔ وہ لکڑی کی کمان بنا کر اس میں وہ تانت ڈالنے لگے مگر وہ بہت چھوٹی تھی اور کناروں تک نہ پہنچ سکتی تھی۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اسے کھینچو! یہ پہنچ جائے گی۔"

حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"اس ذات کی قسم! جس نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ میں نے اس رسی کو کھینچا تو وہ کھینچی چلی گئی اور لکڑی کو موڑا تو وہ ملائم ہوگئی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کمان لی اور اس سے تیراندازی کرتے رہے۔"

تیراندازی میں اس دن حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے بڑا کمال دکھایا۔ انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے آپ کو ڈھال بنا کر کھڑا کر دیا اور ساتھ ساتھ تیر بھی چلاتے جاتے تھے۔ آخر میں ان کی بھی کمان ٹوٹ گئی اور وہ حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اٹھالی۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگِ اُحد میں اپنا ترکش حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈال دیا اور بلند آواز سے عرض کیا:

"یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میری جان آپ کی حفاظت کے لیے ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تیر پکڑاتے جاتے اور فرماتے جاتے:

"ابوطلحہ! چلاؤ۔"

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی اچھی تیراندازی کی اور خوب نشانے پر تیر مارے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے سے کبھی کبھار اُٹھ کر دیکھتے کہ ہر تیر نشانے پر لگ رہا ہے تو بہت خوشی کا اظہار فرماتے۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلسل عرض کیے جا رہے تھے:

"یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا گلا آپ کے گلے کے لیئے ڈھال ہے اور میری جان آپ کے لیے قربان ہے۔ اللہ مجھے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر قربان ہوجانے کی سعادت عطا فرمائے۔"

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز اتنی بلند اور پُر ہیبت تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ابوطلحہ! (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی للکار اور نعرۂ جہاد چالیس آدمیوں سے زیادہ کارگر ہے۔"

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ترکش میں پچاس تیر تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پچاس کے پچاس

تیر چلا چکے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام لکڑی پکڑ کر انہیں دی اور فرمایا:

''یہ بھی دُشمن پر پھینک دو۔''

انہوں نے وہ بھی دُشمن پر پھینک دی تو وہ لکڑی تیر بن کر دُشمن کو جا لگی۔

(المغازی، للواقدی، جلد 1، عربی صفحہ 242) (البدایہ والنہایہ، جلد 4، عربی صفحہ 27)

☆: ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ خندق کے موقع پر خندق کھودتے ہوئے کئی واقعات ایسے رونما ہوئے جو سراسر عبرت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کرنے والے تھے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اِن واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ خندق کی کھدائی کے دوران ایک جگہ چٹان کا سخت پتھر آ گیا جو ٹوٹتا نہ تھا۔ صحابہ کرام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کسی برتن میں پانی ڈال کر لاؤ۔''

جب پانی لایا گیا تو آپ نے اس پانی میں پھونک ماری۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیر تک اللہ سے دُعا مانگتے رہے۔ دُعا سے فارغ ہو کر آپ نے وہ پانی اس سخت پتھر پر ڈالا۔ حاضرین میں سے کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا ہے:

''اس ذات کی قسم! جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے۔ (پانی پڑنے کے بعد) وہ پتھر دیکھتے ہی دیکھتے ریت کی طرح نرم ہو گیا کدال اور ہتھیار اس سے ٹکرا کر نہ اُچھلتے تھے اور نہ ہی لوٹتے تھے۔''

(سیرۃ ابن ہشام، القسم الثانی، عربی صفحہ 217) (المغازی، للواقدی، جلد 2، عربی صفحہ 452) (الصحیح البخاری، جز 5، عربی صفحہ 138) (البدایہ والنہایہ، جلد 4، عربی صفحہ 97)

☆: ابن اسحاق نے سعید بن مینا رحمۃ اللہ علیہم کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ نعمان بن بشیر کی بہن اور حضرت بشیر بن سعد کی بیٹی (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) بیان کرتیں ہیں کہ میری والدہ عمرہ بنت رواحہ نے مجھے کہا کہ بیٹی جاؤ یہ کھجوریں لے جاؤ اور اپنے باپ اور ماموں عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دے آؤ۔ میں ایک کپڑے میں بندھی ہوئی مٹھی بھر کھجوریں لے کر خندق کی جانب گئی۔ یہ مٹھی بھر کھجوریں ہی میرے ابو اور ماموں کے دوپہر کا کھانا تھا۔

میں اپنے والد اور ماموں کو تلاش کر رہی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بیٹی! اِدھر آؤ۔ یہ تمہارے پاس کیا ہے؟''

میں نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کھجوریں ہیں جو میری والدہ نے دے کر بھیجی ہیں کہ ان سے میرے والد اور ماموں پیٹ کی آگ بجھائیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''لاؤ یہ مجھے دے دو۔''

میں نے کھجوریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑا دیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ ان سے پوری طرح نہ بھرنے پائے (یعنی وہ کھجوریں بہت ہی کم تھیں) بہر حال آپ نے حکم دیا کہ دستر خوان بچھایا جائے۔ دستر خوان بچھ جانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجوریں اس پر بکھیر دیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو حکم دیا کہ سب لوگوں کو کھانے کے لیے بلا لیں۔

بنت بشیر رضی اللہ عنہما کہتی ہیں کہ اہلِ خندق دستر خوان پر جمع ہو گئے اور کھانے لگے۔ ایک جماعت کھا کر اُٹھ جاتی اور دوسرے لوگ آ کر کھانے لگتے، یہاں تک کہ سب اہلِ خندق سیر ہو کر کھا چکے مگر کھجوریں ختم نہ ہوئیں۔

(سیرۃ ابن ہشام، القسم الثانی، عربی صفحہ 217) (المغازی للواقدی، جلد 2، عربی صفحہ 476) (البدایہ والنہایہ، جلد 6، عربی صفحہ 116) (البدایہ والنہایہ، جلد 4، عربی صفحہ 99)

☆: ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خندق کی کھدائی میں مشغول تھے۔ وہ خود بیان کرتے ہیں کہ میرے پاس ایک چھوٹی سے لاغر بکری تھی۔ میں نے سوچا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کافی دنوں سے بھوکے ہیں، کیوں نہ یہ بکری ذبح کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیافت کا اہتمام کیا جائے۔ میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ آٹا گوندھے۔ چنانچہ اس نے آٹا گوندھ کر روٹیاں پکائیں۔ میں نے بکری ذبح کی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر ہم نے گوشت بھون لیا۔ جب شام ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق سے گھر کی جانب تشریف لے جانے لگے تو میں نے عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے پاس ایک بکری تھی، آج ہم نے اسے ذبح کیا ہے اور روٹی بھی پکائی ہے۔ لہٰذا آپ ہمارے گھر تشریف لا کر ہمیں شرف مہمان نوازی بخشیں۔ میرا ارادہ تو صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مدعو کرنے کا تھا مگر جوں ہی میں نے دعوت دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت قبول فرمائی اور کسی پکارنے والے کو فرمایا کہ سب لوگوں کو پکار کر کہہ دو کہ جابر بن عبد اللہ کے گھر پہنچ جائیں۔ میں نے دل میں ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھا کیونکہ کھانا تو بہت ہی قلیل تھا۔ بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت کے ساتھ میرے گھر میں داخل ہوئے اور بیٹھ گئے۔ ہم نے کھانا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لا کر رکھ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا نام لیا، برکت کی دعا کی اور کھانا کھایا۔ لوگ باری باری کھانا کھانے کے لیے آتے رہے اور سیر ہو کر کھاتے رہے۔ کئی نشستوں میں لوگوں نے کھانا کھایا یہاں تک کہ جملہ اہلِ

خندق کا پیٹ (اس تھوڑے سے کھانے سے) بھر گیا۔ (لیکن کھانا ختم نہ ہوا)۔"

(سیرۃ ابن ہشام، القسم الثانی، عربی صفحہ 217) (الصحیح البخاری، جز4، عربی صفحہ 90) (الصحیح البخاری، جز5، عربی صفحہ 138) (الصحیح المسلم، جز13، صفحہ 216) (السنن البیہقی۔ جلد7، عربی صفحہ 274) (المغازی للواقدی، جلد2، عربی صفحہ 452) (البدایہ والنہایہ، جلد4، عربی صفحہ 97) (البدایہ والنہایہ، جلد6، عربی صفحہ 109)

☆: ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے **خیبر کا قلعہ** فتح کر لیا اور اطمینان سے وہاں قیام فرمایا تو اس دوران میں سلام بن مشکم یہودی کی بیوی زینب بنت الحارث نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ہدیہ بھیجا۔ یہ ہدیہ ایک بھنی ہوئی بکری کے گوشت کی صورت میں تھا۔ اس عورت نے ہدیہ بھیجنے سے قبل پوچھا تھا کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بکری کا کون سے حصے کا گوشت زیادہ پسند ہے؟ اس عورت نے بکری کے گوشت کو زہر آلود کر دیا اور دستی کو خصوصاً بہت زیادہ زہر آلود کیا اور پھر یہ بھونی ہوئی بکری لے کر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہوئی اور آپ کے حضور پیش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دستی کا گوشت لیا مگر آپ نے تناول نہیں فرمایا۔ آپ کے پاس آپ کے صحابی حضرت بشیر بن براء بن معرور رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی بیٹھے تھے۔ انہوں نے گوشت کا ایک ٹکڑا لیا اور کھا لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لقمہ منہ میں تو ڈالا مگر نگلا نہیں اور اُگل دیا۔ پھر فرمایا:

"بکری کی ہڈی نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ زہر آلود ہے۔"

وہ عورت تو بکری رکھ کر چلی گئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اسے حاضر کیا گیا۔ وہ آئی تو پوچھنے پر اس نے جرم کا اعتراف کر لیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا:

"اس نے یہ مجرمانہ حرکت کیوں کی؟"

اس نے جواب دیا:

"آپ نے جو میری قوم کے ساتھ معاملہ کیا ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوشیدہ نہیں ہے۔ میں نے سوچا کہ اگر آپ محض دنیا کے بادشاہوں کی طرح بادشاہ ہیں تو زہر آلود گوشت کھا کر مر جائیں گے (نعوذ باللہ) اور میں راحت پاؤں گی اور آتشِ انتقام ٹھنڈی ہو گی اور اگر آپ واقعی اللہ کے نبی ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبردار کر دے گا۔"

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس کے اس اعتراف کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے معاف فرما دیا۔ مگر دوسری روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے درگزر فرمایا مگر بعد اس زہر آلود گوشت کھانے کی وجہ سے حضرت بشیر رضی اللہ عنہ کی وفات ہو گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی قانون کے مطابق اس عورت پر قصاص کی حد جاری فرمائی اور وہ قتل کی گئی۔

(طبقات ابن سعد، جلد3، القسم الثانی، عربی صفحہ 112) (المغازی للواقدی، جلد2، عربی صفحہ 700-677)

(الاصابہ، جلد 6، عربی صفحہ 121-187-271) (سیرۃ ابن ہشام، القسم الثانی، عربی صفحہ 338) (طبقات ابن سعد، جلد 2، عربی صفحہ 7-87) (الاستیعاب، القسم الاول، عربی صفحہ 167) (البدایہ والنہایہ، جلد 4، عربی صفحہ 211) (الصحیح البخاری، جز 7، عربی صفحہ 180) (السنن البیہقی، جز 10، عربی صفحہ 11) (السنن الکبیہقی، جلد 8، عربی صفحہ 46) (اسد الغابہ، جلد 1، عربی صفحہ 183) (الاصابہ، جلد 1، عربی صفحہ 154) (المسند احمد، جلد 4، عربی صفحہ 279)

☆: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے غزوۂ خیبر کے موقع پر سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں کل علم (جھنڈا) اس شخص کے ہاتھ میں دوں گا جس کے ہاتھ پر لازماً اللہ تعالیٰ فتح نصیب فرمائے گا۔''

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یہ بات سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے رُخصت ہو گئے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ پرچم کسے عطا کیا جائے گا؟ ہر ایک کی تمنا تھی کہ پرچم مجھے عطا کیا جائے۔

دوسرے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''حضرت علی (کرم اللہ وجہہ) کو بلایا جائے۔''

عرض کیا گیا کہ وہ آشوبِ چشم میں مبتلا ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا کہ انہیں بلایا جائے۔ جب وہ حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعابِ دہن لگایا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھیں بالکل ٹھیک ہو گئیں گویا کہ کوئی تکلیف تھی ہی نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علم (جھنڈا) لے کر فرمایا:

''ہم ان سے اس وقت تک لڑتے رہیں گے جب تک یہ ہمارے دین میں داخل نہ ہو جائیں۔ (یا ہماری حکومت کو تسلیم نہ کر لیں)''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''آرام اور خاموشی سے جاؤ اور ان کے گھروں کے سامنے پہنچ کر سب سے پہلے انہیں اسلام کی دعوت دو اور اسلام میں جو چیزیں فرض ہیں ان سے انہیں باخبر کر دو۔ خدا کی قسم! اگر ایک آدمی بھی تمہاری وجہ سے ہدایت پالے تو یہ تمہارے حق میں سرخ خزانے (سونا، چاندی، ہیرے، جواہرات) سے زیادہ بہتر ہے۔''

(طبقات ابن سعد، جلد 2، القسم الاول، عربی صفحہ 81) (الصحیح البخاری، جز 4، عربی صفحہ 58-65-73) (الصحیح البخاری، جز 5، عربی صفحہ 23-171) (الصحیح المسلم، جز 12، عربی صفحہ 185-187) (الصحیح المسلم، جز 6، عربی صفحہ 162-25) (السنن البیہقی، جز 9، عربی صفحہ 131) (اسد الغابہ، جلد 4، عربی صفحہ 28)

☆: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''سلمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! اپنے آقا کے ساتھ آزادی کے لیے شرائط طے کر کے معاہدہ کر لو۔''

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

''پس میں نے اپنے آقا سے بات کی اور طے پایا کہ میں اس کے باغ میں کھجور کے تین سو درخت لگاؤں اور چالیس اوقیہ سونا دے دوں تو اس کے بدلے وہ مجھے آزاد کر دے گا۔''

آزادی کا معاہدہ لکھے جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا:

''اپنے بھائی (حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی مدد کرو۔''

چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے میری بھرپور مدد فرمائی۔ کسی نے کھجور کے تیس پودے دیئے تو کسی نے بیس۔ کسی نے پندرہ تو کسی نے دس۔ غرض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی قدر و استطاعت کے مطابق میری مدد کی یہاں تک کہ میرے پاس تین سو پودے جمع ہو گئے۔

اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکماً ارشاد فرمایا:

''سلمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! باغ میں جا کر گڑھے کھود دوں۔ اور پودے میں (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) خود زمین میں اپنے ہاتھ سے لگاؤں گا۔''

میں نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے گڑھے کھودے جب سارے گڑھے تیار ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ ہم پودے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تھماتے جاتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں گڑھوں میں لگاتے جاتے۔ یہاں تک کہ تمام پودے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دستِ مبارک سے گڑھوں میں لگائے۔ اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں سلمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی جان ہے۔ ان پودوں میں سے کوئی ایک بھی سوکھا نہ مرجھایا بلکہ سارے کے سارے پودے پلے بڑھے اور خوب پھل دیا۔ اب کھجوریں لگانے کی شرط پوری ہو گئی تھی مگر چالیس اوقیہ سونا دینا باقی تھا۔ وہ کہاں سے آئے گا؟ میں اسی خیال میں ڈوبا ہوا تھا کہ ایک صحابی آئے اور مرغی کے انڈے کے برابر سونے کی ایک ڈلی لائے۔ جب وہ سونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بارے میں دریافت فرمایا۔ میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''سلمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! یہ سونا لے جاؤ اور اپنے آقا کو ادائیگی کر کے آزادی حاصل کر لو۔''

چنانچہ سونے کی چھوٹی سی ڈلی کو دیکھ کر میں نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیسے پورا ہو گا (یہ تو بہت تھوڑا ہے)؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سونے کی ڈلی پر اپنی زبانِ مبارک پھیری اور فرمایا:

''اسے لے جاؤ اور تول کر دینا یہ پورا ہو جائے گا۔''

پس میں وہ لے کر اپنے آقا کے پاس گیا اور اسے سونا تول کر دیا تو یہ سونے کی چھوٹی سی ڈلی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق پورے چالیس اوقیہ ہو گئی۔

(طبقات ابن سعد، جلد 4، القسم الاول، عربی صفحہ 56) (سیرت ابن ہشام، القسم الاول، عربی صفحہ 220)
(البدایہ والنہایہ، جلد 1، عربی صفحہ 123) (السنن البیہقی، جز 10، عربی صفحہ 321) (اسد الغابہ، جلد 2، عربی صفحہ 330)

☆: حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں:

''ایک اندھیری رات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہما آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے اُٹھ کر گئے۔ سخت رات اندھیرا تھا مگر ان کے آگے آگے دو مشعلیں روشنی پھیلا رہی تھیں۔ جب دونوں الگ ہوئے تو ہر ایک کے ساتھ ایک مشعل رہ گئی، جس کی روشنی میں وہ اپنے اپنے گھر تک پہنچ گئے۔''

الاصابہ کے مصنف نے ان دو صحابی کے نام بیان کیے ہیں۔

''ایک حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے حضرت عبادہ بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔''

یہ دونوں صحابہ بیان کرتے ہیں:

''اندھیری رات کے وقت ہم میں سے ہر ایک کا عصا روشن ہو گیا تھا اور جب ہم ایک دوسرے سے الگ ہوئے تو دوسرے صحابی کا عصا بھی روشنی پھیلانے لگا۔''

ابو سلمہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک تاریک رات میں عشاء کی نماز کے لیے نکلے۔

آسمان پر تاریک بادل چھائے ہوئے تھے اور سخت اندھیرا تھا۔ اچانک بجلی چمکی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بجلی کی روشنی میں حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''قتادہ!''

انہوں نے جواب دیا:

''جی ہاں! یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے سوچا کہ اس تاریک رات میں بہت لوگ عشاء میں حاضر ہوئے ہوں گے تو میں نے چاہا کہ ضرور مسجد میں پہنچ جاؤں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''نماز کے بعد جانے لگو تو مجھ سے مل کر جانا۔''

چنانچہ نماز سے فارغ ہو کر حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کھجور کی ایک باریک سی چھڑی عطا فرمائی اور فرمایا:

''لو اسے پکڑ لو۔ یہ اندھیرے میں دس قدم تمہارے آگے اور دس قدم تمہارے پیچھے روشنی کرے گی۔''
(طبقات ابن سعد، جلد 3، القسیم الثانی، عربی صفحہ 137) (الاستیعاب، القسم الاول، عربی صفحہ 1276) (الصحیح البخاری، جز 1، عربی صفحہ 119) (الصحیح البخاری، جز 4، عربی صفحہ 251) (اسد الغابہ، جلد 3، عربی صفحہ 100) (اسد الغابہ، جلد 4، عربی صفحہ 16) (الاصابہ، جلد 2، عربی صفحہ 255) (الاصابہ، جلد 3، عربی صفحہ 217)

☆: ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے زہری کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ عبدالرحمٰن بن مالک بن جعشم نے سراقہ بن مالک بن جعشم رضی اللہ عنہ سے سنا وہ بیان کیا کرتے تھے کہ'' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ روانہ ہوئے تو قریش نے اعلان کر دیا کہ جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بن عبداللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو پکڑ کر ان کے پاس لے آئے اسے سو (100) اُونٹ انعام دیا جائے گا۔ میں (سراقہ) رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے چوپال میں بیٹھا تھا اور یہی موضوع زیرِ بحث تھا۔ عین اس وقت قبیلے کا ایک فرد دروازے پر آ کر رکا اور اس نے کہا:

خدا کی قسم! میں نے تین آدمیوں کا ایک قافلہ دیکھا ہے۔ وہ ابھی ابھی میرے پاس سے گزرے تھے۔ میرا پختہ خیال ہے کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھی (رضوان اللہ علیہم اجمعین) تھے۔ میں نے اس شخص کو آنکھ سے اشارہ کہ وہ خاموش رہے۔ پھر میں نے لوگوں کو بتایا کہ وہ فلاں قبیلے کے لوگ تھے اور گم گشتہ اُونٹ تلاش کر رہے تھے۔ خبر دینے والے نے کہا:

''ممکن ہے ایسا ہی ہو۔''

پھر وہ خاموش ہو گیا۔

میں تھوڑی دیر تو مجلس میں بیٹھا رہا اور اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہی، پھر میں اُٹھ کر گھر چلا گیا۔ میں نے حکم دیا کہ میرا گھوڑا تیار کیا جائے اور میرے ہتھیار نکالے جائیں۔

چنانچہ گھوڑا تیار کر کے وادی کے بطن میں پہنچا دیا گیا اور میں گھر کے پچھلے دروازے سے اسلحے سمیت نکل کر گھوڑے تک جا پہنچا۔ اب میں نے تیروں سے فال نکال لی۔ فال میری مرضی کے خلاف نکلی۔ جو تیر فال میں نکلا اس پر لکھا ہوا تھا'' اسے (تین آدمیوں کے قافلے کو) مت نقصان پہنچاؤ۔'' مگر میں تو سو اُونٹوں کے لالچ سے اندھا ہو گیا تھا۔ میں نے فال کو نظر انداز کر دیا اور چل پڑا۔ قافلے کا کھوج مجھے مل گیا اور میں ان کے نقشِ قدم پر چلتا رہا۔ اسی دوران اچانک گھوڑا بدکا اور پھسل گیا۔ میں اس کی پشت سے نیچے گر گیا۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ میں نے سوچا'' یہ کیا ہوا ہے؟'' پھر میں نے اپنے تیر نکالے اور پھر فال معلوم کی۔ اب کی بار بھی وہی تیر نکلا جو پہلے دیکھ چکا تھا۔ میں نے اس مرتبہ بھی فال کو نظر انداز کر دیا اور فیصلہ کیا کہ تعاقب جاری رکھا جائے۔ میں ان کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا کہ پھر میرے گھوڑے کی وہی حالت ہوئی اور میں زمین پر گر گیا۔ بڑا تعجب ہوا، میں نے کہا:

''یہ ہو کیا رہا ہے۔''

اب تیسری مرتبہ میں نے فال نکالی اور حیران ہوا کہ جواب پھر وہی نکلا جو پہلی اور دوسری مرتبہ نکلا تھا یعنی ''اسے نقصان نہ پہنچاؤ۔'' میں اب بھی اپنے ارادے سے باز نہ آیا اور قافلے کے پیچھے چلتا رہا یہاں تک کہ وہ لوگ مجھے نظر آنے لگے۔ اب تو میرا گھوڑا پھسلنے کی بجائے ایک اور مصیبت میں گرفتار ہو گیا۔ ہوا یہ کہ اس کی اگلی ٹانگیں زمین میں دھنس گئیں اور میں زمین پر آ گرا۔ بڑی مشکل سے گھوڑے نے زمین سے پاؤں نکالے اور پاؤں نکلتے ہی زمین سے ایک دھواں بگولے کی طرح برآمد ہوا۔ اب میں سمجھ گیا کہ (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا کی طرف سے) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حفاظت کی گئی ہے۔ وہ غالب ہیں مغلوب نہیں ہو سکتے۔

اب میں نے انہیں آواز دی اور کہا:

''میں سراقہ بن جعشم ہوں، ذرا ٹھہرو۔ میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ خدا کی قسم! میں نہ تو تمہیں دھوکا دوں گا اور نہ ہی میری طرف سے تمہیں کوئی نقصان پہنچے گا۔''

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

''اے صدیق اکبر! (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اسے پوچھو کہ ہم سے کیا چاہتا ہے؟''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا تو میں نے بتایا کہ مجھے ایک تحریر لکھ دو۔ جو میرے اور آپ کے درمیان نشانی اور سند رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

''ابوبکر! (صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اسے لکھ دو۔''

سراقہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک ہڈی پر لکھ دیا اور ہڈی میری جانب پھینک دی۔ میں نے وہ اٹھالی اور اپنی ترکش میں رکھ لی۔ (ایک روایت میں ہے کہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سراقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

''اے سراقہ! اس وقت تیرا کیا حال ہو گا جب کسریٰ کے سونے کے کنگن تیرے ہاتھوں میں پہنا دیئے جائیں گے؟''

اس وقت تو حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ کو اس بات پر تعجب ہوا مگر یہ غیبی خبر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں پوری ہوئی کہ روم کے خلیفہ کے سونے کے کنگن حضرت سراقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں میں ڈالے گئے۔

اس کے بعد حضرت سراقہ فرماتے ہیں کہ:

میں وہ تحریر لے کر واپس لوٹا تو اس واقعہ کا کسی سے کوئی ذکر نہ کیا، یہاں تک کہ مکہ فتح ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی فتح سے فارغ ہو کر حنین و طائف کے معرکے بھی سر کر چکے۔ میں تحریر لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، مکہ اور طائف کے درمیان جعرانہ کے چشمے پر میں آپ کی خدمت میں پہنچا،

جب انصار کے گھوڑ سوار دستے نے مجھے دیکھا تو نیزوں سے مجھے ڈرانے لگے اور پوچھا:
''تو کون ہے؟ اور کیا چاہتا ہے؟''
میں خدا خدا کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب جا پہنچا۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر سوار تھے۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پنڈلی دیکھی۔ خدا کی قسم! وہ ایسی سرخ وسفید تھی جیسے کہ آگ کا انگارہ۔
میں نے تحریر ہاتھ میں لے کر اپنا ہاتھ اوپر اٹھایا اور عرض کیا:
''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ میرے ہاتھوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کی ہوئی تحریر ہے۔ میں سراقہ بن جعشم ہوں۔''
میری یہ صدا سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''آج نیکی اور وفا کا دن ہے۔ اسے قریب آنے دو۔''
پس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور ارادہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے چند سوال پوچھوں۔
میں نے سوال پوچھے، جن میں سے یہ مجھے یاد ہے میں نے عرض کیا:
''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر میں اپنا حوض اپنے اونٹوں اور مویشیوں کو پانی پلانے کے لیے بھر دوں پھر کوئی آوارہ اونٹ آ کر وہاں سے پانی پی لے تو اس سے مجھے کوئی اجر ملے گا؟''
اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''ہاں! ہر جاندار کو کھلانے پلانے میں اجر ہے۔''
حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پھر میں واپس اپنی قوم میں آ گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صدقہ بھیجتا رہا تاکہ آپ علیہ السلام وہ صدقہ غریبوں میں تقسیم فرمادیں۔
(طبقات ابن سعد، جلد 4، القسم الثانی، عربی صفحہ 81) (سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، عربی صفحہ 489) (الصحیح البخاری، جز 4، عربی صفحہ 245) (الصحیح البخاری، جز 5، عربی صفحہ 76) (البدایہ والنھایہ، جلد 3، عربی صفحہ 185) (البدایہ والنھایہ، جلد 6، عربی صفحہ 194) (الصحیح المسلم، جز 13، عربی صفحہ 180) (اسد الغابہ، جلد 2، عربی صفحہ 264)
☆: ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عکاشہ بن محصن بن حرثان الاسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بدر کے معرکے میں بڑی بہادری سے لڑے۔ لڑتے لڑتے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلوار ٹوٹ گئی تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خدمتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور تلوار طلب کی۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لکڑی کی ایک چھڑی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ چھڑی حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمائی اور فرمایا:
''اے عکاشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! جا اس کے ساتھ دشمن سے لڑ۔''

حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب کھجور کی لکڑی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھ سے پکڑی اور اسے جھٹکا دیا تو وہ ایک لمبی تلوار بن گئی۔ جس کی دھار تیز، چمکدار اور مضبوط تھی۔

حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یومِ بدر کی لڑائی میں یہ تلوار خوب چلائی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح ونصرت سے ہم کنار فرمادیا۔

اس تلوار کا نام ''العون'' تھا۔ یہ تلوار حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس مدت تک رہی اور آپ کافروں کو میدانِ جنگ میں اس کے جوہر دکھاتے رہے۔ حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی ہر جنگ میں حصہ لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری وصال فرمانے کے بعد بھی مرتدین کے خلاف جہاد کیا۔ اسی تلوار کے ساتھ طلیحہ بن خویلد کے مقابلے میں لڑتے ہوئے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔

(سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، عربی صفحہ 637) (الاستیعاب، القسم الثالث، عربی صفحہ 1080) (البدایہ والنہایہ، جلد 3، عربی صفحہ 290) (اسد الغابہ، جلد 4، عربی صفحہ 3)

☆: واقدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسامہ بن زید سے انہوں نے داود بن الحصین کی زبانی عبدالاشہل کے کئی لوگوں کی یہ روایت نقل کی ہے کہ غزوۂ بدر میں حضرت سلمہ بن اسلم بن حریش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلوار ٹوٹ گئی۔ اور ان کے پاس تلوار کے علاوہ کوئی اسلحہ بھی نہ تھا۔ چنانچہ تلوار کے ٹوٹ جانے کی وجہ سے وہ بالکل نہتے ہوگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کی ایک تازہ اور باریک سی چھڑی عطا فرمائی اور ارشاد فرمایا:

''اے سلمہ بن اسلم! اس سے دشمنوں کا مقابلہ کرو۔''

چنانچہ حضرت سلمہ بن اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چھڑی ہاتھ میں لی تو وہ نئی تلوار کی صورت اختیار کر گئی۔ یہ تلوار تاحیات حضرت سلمہ بن اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس رہی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جسرِ ابوعبید کی جنگ میں شہید ہوئے۔ اس وقت یہی تلوار ان کے استعمال میں تھی۔

(المغازی، للواقدی، جلد 1، عربی صفحہ 93) (البدایہ والنہایہ، جلد 3، عربی صفحہ 291)

☆: حضرت عبدالرحمان بن خبیب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میرے والد خبیب بن اساف رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ میں اپنی قوم کے ایک آدمی کے ساتھ حضور نبی اکرم اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی جنگ کے لیے جارہے تھے۔ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''ہم بھی آپ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ میں حصہ لینا چاہتے ہیں۔''

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے پوچھا:

''کیا آپ مسلمان ہیں؟''

ہم نے نفی میں جواب دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ہم مشرکین کے مقابلے میں مشرکین سے مدد نہیں چاہتے۔''

یہ سن کر ہم نے عرض کیا کہ ہم اسلام قبول کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جنگ میں شرکت کرنے کی اجازت عطا فرمادی، لڑائی کے دوران دشمن کے ایک جنگجو نے میرے کندھے پر وار کیا اور میرا بازو کاٹ کر رکھ دیا۔ میرا بازو لٹکنے لگا اور میں بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے کٹے ہوئے بازو میں لعاب مبارک لگایا اور اسے سی دیا۔ میرا بازو جڑ گیا اور میں بالکل صحیح ہو گیا، پھر میں نے اس دشمن کو قتل کردیا جس نے مجھ پر وار کر کے میرا بازو کاٹ ڈالا تھا۔

(طبقات ابن سعد، جلد 3، القسم الثانی، عربی صفحہ 86) (البدایہ والنہایہ، جلد 6، عربی صفحہ 164) (السنن البیہقی، جز 9، عربی صفحہ 37) (اسد الغابہ، جلد 2، عربی صفحہ 110) (الاصابہ، جلد 1، عربی صفحہ 418)

☆: ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ جب جنگِ احد میں مسلمانوں کی فتح شکست میں بدلی اور مسلمانوں کی صفیں بکھر گئیں تو دشمنوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گھیراؤ کر لیا۔

دشمنوں کے حملوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان حضرت ابودجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ڈھال بن گئے۔ وہ اپنی پیٹھ پر تیر کھاتے رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرنے کے لیے آپ پر جھک گئے۔ آپ کی پیٹھ تیروں سے بھر گئی مگر آپ اپنی جگہ سے نہ ہلے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑے ہو کر دشمنوں پر تیر برساتے رہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ خود بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ سے مجھے تیر پکڑاتے اور فرماتے:

''سعد! میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں۔ دشمنوں پر تیر چلاؤ۔''

آپ نے مجھے آخر میں ایک ایسا تیر دیا جس کا پھل نہیں تھا اور فرمایا:

''یہ بھی دشمنوں پر چلا دو۔''

حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی بڑی جگرداری سے دشمن کا مقابلہ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرتے رہے۔

عاصم بن عمر بن قتادہ کی زبانی ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہم نے روایت بیان کیا ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیر چلا رہے تھے پھر آپ کی کمان ٹوٹ گئی۔ حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ کمان لی لے جوان کے پاس مدت تک رہی۔ اُحد کے میدان میں حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ سخت زخمی ہو گئی اور اس کی پتلی نکل کر آپ کے رُخسار پر لٹکنے لگی۔

وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے پتلی واپس آنکھ میں رکھ دی۔ (اور آنکھ بالکل درست ہو گئی) حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

فرمایا کرتے تھے کہ یہ آنکھ (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درست فرمائی تھی) دوسری آنکھ سے بھی زیادہ تیز نگاہ اور بہتر ہے۔

(طبقات ابن سعد، جلد 3، القسم الثانی، عربی صفحہ 26) (البدایہ والنہایہ، جلد 3، عربی صفحہ 21) (البدایہ والنہایہ، جلد 6، عربی صفحہ 162-294) (سیرۃ ابن ہشام، القسم الثانی، عربی صفحہ 82) (الاستیعاب، القسم الثالث، عربی صفحہ 1276) (المغازی للواقدی، جلد 1، عربی صفحہ 242) (اسد الغابہ، جلد 4، عربی صفحہ 195) (الاصابہ، جلد 3، عربی صفحہ 217)

☆: زبیر نے موفقیات میں بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلوار میدانِ جنگ میں ٹوٹ گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کھجور کی ایک چھڑی عطا فرمائی۔ انہوں نے جب اسے پکڑا تو وہ بہترین تلوار بن گئی۔ اس تلوار کا دستہ کھجور ہی کا تھا اور اس تلوار کو 'عرجون' کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔

عرجون کا معنی ہے "کھجور کے گچھے کی جڑ"۔

(الاستیعاب، القسم الثالث، عربی صفحہ 87) (البدایہ والنہایہ، جلد 4، عربی صفحہ 42) (الاصابہ، جلد 2، عربی صفحہ 278)

☆: ابن عبدالبر بیان کرتے ہیں کہ ابورہم کلثوم بن حصین بن خلف بن عبید الغفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو زیادہ تر اپنی کنیت "ابورہم" سے ہی مشہور ہیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد مسلمان ہوئے۔ انہیں معرکۂ بدر میں شمولیت کا شرف حاصل نہ ہو سکا۔ مگر اس کے بعد ہونے والے تمام غزوات میں شریک ہوتے رہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیعتِ رضوان میں بھی موجود تھے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں دو مرتبہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔

غزوۂ احد میں دشمنوں کا ایک تیر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گلے میں آکر پیوست ہو گیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس صورتِ حال میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی گردن سے تیر نکال دیا اور زخم پر لعاب دہن لگایا تو زخم ٹھیک ہو گیا۔ مگر اس کے بعد سے حضرت ابورہم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام ہی "المنحور" یعنی کاٹے ہوئے گلے والا۔ مشہور ہو گیا۔

(طبقات ابن سعد، جلد 4، القسم الاول، عربی صفحہ 180) (الاستیعاب، القسم الثالث، عربی صفحہ 1327) (الاستیعاب، القسم الرابع، عربی صفحہ 1660) (اسد الغابہ، جلد 4، عربی صفحہ 250)

☆: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ میں بھوک کی وجہ سے کئی مرتبہ نڈھال ہو کر زمین پر گر جایا کرتا اور بھوک کی شدت سے پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتا تھا۔

ایک دن میں اس راستے پر بیٹھ گیا جہاں سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا گزر ہوتا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں سے گزرے۔ میں نے ان سے قرآنِ مجید کی کسی آیت کے بارے میں سوال کیا۔ میں نے یہ سوال محض اس لیے کیا تھا کہ آپ مجھے اپنے ساتھ لے جا کر کھانا کھلا دیں، لیکن انہوں نے مجھے کھانے کی دعوت نہ دی (کیونکہ ان کے بھی شب و روز فاقہ سے ہی گزر رہے تھے۔) پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہاں سے گزر ہوا۔ ان سے بھی میں نے ایک آیت کے متعلق پوچھا۔ میرا خیال اب بھی یہی تھا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھے کھانا کھلا دیں گے۔ انہوں نے بھی مجھے دعوت نہ دی (کیونکہ ان کے گھر میں بھی فاقہ ہی تھا) اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں سے گزر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھ کر تبسم فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ گئے کہ میرے دل میں کیا ہے اور میرا چہرہ کیا بتا رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے ابوہریرہ!''

میں نے عرض کیا:

''لبیک یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم)''

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''آؤ میرے ساتھ آؤ۔''

میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں داخل ہوئے، پھر مجھے اندر آنے کی اجازت دی۔ گھر میں دودھ سے بھرا ہوا ایک پیالہ پڑا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں پوچھا:

''یہ دُودھ کہاں سے آیا ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں نے بتایا:

''فلاں مرد یا فلاں عورت نے یہ دُودھ بطورِ ہدیہ بھیجا ہے۔''

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے ابوہریرہ!''

میں نے عرض کیا:

''لبیک یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم)''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اصحابِ صفہ کے پاس جاؤ اور ان کو بلا لاؤ۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اصحابِ صفہ اسلام کے سپاہی اور اللہ کے مہمان تھے۔ نہ ان

کا کوئی گھر بار تھا اور نہ اہل وعیال۔ نہ وہ دُنیا کمانے کی فکر کرتے اور نہ ہی ان میں مال کی ہوس تھی۔ وہ تو علم کے طالب اور مجاہد فی سبیل اللہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اگر صدقے کا مال آتا تو پورے کا پورا اصحاب صفہ پر خرچ فرما دیتے اور خود اس میں کچھ نہ لیتے۔ اگر کہیں سے ہدیہ آجاتا تو اصحابِ صفہ کو بھی عطا فرماتے اور خود بھی اس میں سے حصہ لے لیا کرتے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا تو میں اصحابِ صفہ کو بلانے چلا گیا۔ میں نے سوچا اس دودھ سے اصحابِ صفہ کا کیا بنے گا۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سارا دودھ مجھی کو پلا دیتے۔ میں تو سیر ہو جاتا۔ خیر! سب اصحابِ صفہ آکر بیٹھ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے اور مجھے حکم دیا کہ ان کو ایک سرے سے پلانا شروع کرو۔ ایسے موقعے پر ہمیشہ میری ہی ذمہ داری ہوتی تھی کہ تقسیم کروں۔ میں نے پلانا شروع کیا تو خیال آیا کہ یہ دودھ میری باری آنے سے پہلے ہی ختم ہو جائے گا۔ میں نے لوگوں کو باری باری دودھ پلایا۔ ہر ایک سیر ہو کر پیتا اور پھر دوسرے کی باری آتی۔ سبھی لوگ پی چکے تو میں پیالہ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا اور میری طرف دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا:

"اے ابوہریرہ!"

میں نے عرض کیا:

"لبیک یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم)"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"سبھی پی چکے اور اب تم اور میں رہ گئے ہیں۔"

میں نے عرض کیا:

"یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے سچ فرمایا۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"بیٹھ جاؤ اور پی لو۔"

چنانچہ میں بیٹھ گیا اور دودھ پیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اور پی لو۔"

میں نے اور پیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار فرماتے رہے:

"اور پی لو اور"

بالآخر میں نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اس ذات کی قسم! جس نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حق کے ساتھ نبی بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ اب مزید گنجائش نہیں ہے کہ اور پی لوں۔''

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''لاؤ پھر مجھے دو۔''

میں نے پیالہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی حمد بیان کی اور بسم اللہ پڑھ کر پیالے میں سے دودھ پی لیا۔ گویا سب سے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیا۔

سبحان اللہ! یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم معجزہ ہے کہ دودھ کے ایک پیالے سے سب اصحابِ صفہ، حضرت ابوہریرہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سیر ہو کر پیا مگر پھر بھی دودھ بچ گیا۔

(الصحیح البخاری، جز8، عربی صفحہ 119-121) (السنن البیہقی، جز، عربی صفحہ 83)

☆: ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تبوک جاتے ہوئے ''حجر'' کے علاقے سے گزرے تو وہاں قیام فرمایا اور لوگوں نے ایک کنویں سے پانی پی لیا۔ جب استراحت کر چکے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اس کنوئیں کے پانی سے نہ پیاس بجھانا اور نہ وضو کرنا۔ اگر تم نے اس پانی سے آٹا گوندھا ہے تو اس کی روٹی مت کھانا بلکہ یہ آٹا اونٹوں کو کھلا دینا اور رات کو تم میں سے کوئی شخص بھی تنہا خیمے سے نہ نکلے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق لوگوں نے عمل کیا، مگر بنو ساعدہ کے دو آدمیوں نے خلاف ورزی کی۔ وہ تنہا اپنے خیموں سے نکل کھڑے ہوئے۔ ایک تو قضائے حاجت کے لیے گیا اور دوسرا گم شدہ اُونٹ کو تلاش کرنے کے لیے چل پڑا۔ جو قضائے حاجت کے لیے گیا تھا، راستے میں کسی نے اس کا گلا گھونٹ دیا اور جو اونٹ کی تلاش میں نکلا تھا اسے تیز ہوا نے اُٹھا کر قبیلۂ طے کے دو پہاڑوں پر جا پھینکا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کیا میں نے تم لوگوں کو اکیلے باہر نکلنے سے منع نہیں کیا تھا؟''

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے لیے دُعا فرمائی، جس کا گلا گھونٹا گیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسے شفا دی۔ دوسرا آدمی لاپتہ رہا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پہنچے تو بنو طے نے وہ شخص لا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب علاقۂ حجر میں صبح ہوئی تو لوگوں کے پاس پانی نہیں تھا۔ انہوں نے اپنی مشکل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی۔ اس کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

’’یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے وعدہ فرمایا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دُعا قبول فرمائے گا، پس آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے لیے دُعا فرمائیں۔‘‘

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’اے ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! کیا تم چاہتے ہو کہ میں دُعا مانگوں؟‘‘

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

’’جی ہاں! یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم)‘‘

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت دُعا فرمائی۔ آسمان بالکل صاف تھا، اللہ تعالیٰ نے فوراً بادل بھیج دیئے جو لوگوں پر چھا گئے پھر بارش برسنے لگی۔ لوگوں نے اپنی پیاس بھی بجھائی اور حسبِ ضرورت پانی بھی جمع کرلیا۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ بعض لوگ اپنے قریبی رشتہ داروں میں سے ان لوگوں کو جانتے تھے جن کے دلوں میں نفاق تھا۔

محمود کہتے ہیں۔ مجھے اپنے بزرگوں نے بتایا کہ ایک منافق اپنے نفاق میں بڑا پکا تھا مگر وہ ہر سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہونے کی کوشش کرتا۔ جب حجر میں یہ بارش کا واقعہ پیش آیا تو لوگ اس کے پاس گئے اور اس سے کہا: ’’تجھ پر افسوس ہے۔ کیا اب اس معجزہ کو دیکھنے کے بعد بھی تجھے کوئی شک باقی ہے۔‘‘ اس نے جواب دیا: ’’یہ گزرتا ہوا بادل تھا اور یوں اکثر ہوہی جاتا ہے۔‘‘ (نعوذ باللہ)

(سیرۃ ابن ہشام، القسم الثانی، عربی صفحہ 522) (المغازی للواقدی، جلد 3، عربی صفحہ 1006) (البدایہ والنہایہ، جلد 5، عربی صفحہ 11) (تفسیر ابن کثیر، جلد 2، عربی صفحہ 396) (الصحیح البخاری، جز 2، عربی صفحہ 147) (الصحیح المسلم، جز 15، عربی صفحہ 42)

☆: ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفرِ تبوک کے واقعات لکھتے ہوئے بیان کیا ہے کہ تبوک کی جانب جاتے ہوئے راستے میں کسی جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی گم ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اونٹنی کی تلاش میں نکلے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مخلص صحابی حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ وہ بیعتِ عقبہ اور بدر میں شمولیت کے شرف سے سرفراز ہوئے تھے۔ ان کے گروپ میں زید بن لصیت قینقاعی بھی تھا جو منافق تھا۔ حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے اور زید بن لصیت قینقاعی منافق ان کی قیام گاہ میں تھا۔ اس نے قیام گاہ میں لوگوں سے کہا:

’’کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دعویٰ نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا نبی ہے اور تمہیں آسمان کی

خبریں سناتا ہے؟ حالانکہ اسے تو یہ بھی پتہ نہیں کہ اس کی اونٹنی کہاں ہے؟"
اس وقت حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

"ایک شخص نے یہ اور یہ باتیں کی ہیں اور میں کہتا ہوں کہ خدا کی قسم! مجھے وہی کچھ معلوم ہوتا ہے جو اللہ مجھے بتادے۔ ابھی ابھی میرے خدا نے مجھے میری اونٹنی کی خبر دی ہے۔ وہ اس وادی کی فلاں گھاٹی میں ہے اور ایک درخت کے ساتھ اس کی نکیل اڑ گئی ہے اور وہ وہیں کھڑی ہے۔ جاؤ اور اسے وہاں سے پکڑ لاؤ۔"

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اس گھاٹی کے قریب گئے تو اس اونٹنی کو وہیں پایا۔ چنانچہ وہ اسے لے کر آگئے۔ حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی قیام گاہ پر پہنچے تو لوگوں سے فرمایا:

"خدا کی قسم! ابھی ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے ایک بات کی ہے جو بڑی عجیب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا کہ "ایک شخص نے یہ اور یہ بات کی ہیں۔"

قیام گاہ میں موجود لوگوں نے بتایا:

"یہ باتیں تو تھوڑی دیر پہلے زید بن لصیت نے کہی تھیں۔"

حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ سن کر سخت غصہ آیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی وقت زید بن لصیت کو گردن سے پکڑا اور لوگوں کو پکارا:

"اللہ کے بندو! میرے خیمے میں ایک ہوشیار چالاک (اور وہی منافق) آدمی تھا (جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی) اور مجھے اس کی خبر ہی نہ تھی۔"

پھر اسے مخاطب کر کے فرمایا:

"اے دشمنِ خدا! میرے خیمے سے نکل جا، میرے ساتھ کبھی نہ چلنا اور نہ میرے قریب بھٹکنا۔"

(المغازی للواقدی، جلد 2، عربی صفحہ 1010) (سیرۃ ابن ہشام، القسم الثانی، عربی صفحہ 523) (المغازی للواقدی، جلد 2، عربی صفحہ 423) (اسد الغابہ، جلد 1، عربی صفحہ 326) (اسد الغابہ، جلد 2، عربی صفحہ 238)

☆: ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کے سفر کے دوران وادیِ مشقق سے گزرے۔ وادی میں ایک جگہ پہاڑی سے پانی قطرات کی صورت میں ٹپکتا رہتا تھا۔ یہ پانی مقدار میں اتنا کم ہوتا تھا کہ اس سے بیک وقت دو یا تین آدمی پیاس بجا سکتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو بھی اس وادی میں پہلے پہنچے، وہ اس جگہ سے ہمارے آنے تک ہرگز پانی نہ پیئے۔"

چند منافقین اس پانی تک جا پہنچے اور انہوں نے پانی پی لیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف

لائے تو دیکھ کر کہ پانی بالکل نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

''کون یہاں ہم سے پہلے پہنچا تھا؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ فلاں فلاں پہلے پہنچے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اظہارِ غصہ کرتے ہوئے فرمایا:

''کیا ہم نے منع نہیں کیا تھا کہ یہاں سے ہماری آمد تک پانی نہ پینا؟''

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری سے اترے اور پانی کے چند قطرات کے نیچے اپنا ہاتھ رکھا۔ چند قطرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ٹپکے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ہاتھ میں لے کر پانی کے منبع پر چھڑکا اور پھر اس پر دستِ مبارک سے مسح کیا اور کچھ دیر تک اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے رہے۔ پانی کا منبع جہاں سے قطرہ قطرہ پانی ٹپکتا رہتا تھا۔ ایک آواز کے ساتھ پھٹا جس سے بجلی جیسی آواز سنائی دی۔ پانی چشمے کی مانند پھوٹ پڑا۔ لوگوں نے خوب سیر ہو کر پیا اور اپنی ضرورت کے مطابق برتنوں میں بھی بھر لیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اگر تم زندہ رہے یا تم میں سے جو بھی کچھ عرصہ دُنیا میں موجود رہا تو وہ یقیناً دیکھے گا کہ یہ وادی سرسبز اور شاداب ہو جائے گی اور اپنے گردوپیش کی تمام وادیوں سے زیادہ زرخیز اور آباد ہو گی۔''

چنانچہ وہ وادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق آج بھی بہت زیادہ ہری بھری ہے۔

(المغازی للواقدی، جلد 3، عربی صفحہ 1012-1039) (سیرۃ ابن ہشام، القسم الثانی، عربی صفحہ 527) (تفسیر ابن کثیر، جلد 3، عربی صفحہ 373) (البدایہ والنہایہ، جلد 5، عربی صفحہ 12-18) (البدایہ والنہایہ، جلد 6، عربی صفحہ 100) (الصحیح المسلم، جز 5، عربی صفحہ 41)

☆: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احد پہاڑ پر تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب پہاڑ پر بیٹھے تو پہاڑ لرزنے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے اُحد! ثابت قدم اور ساکن ہو جا۔ بے شک تجھ پر ایک نبی ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔''

(الصحیح البخاری، جز 5، عربی صفحہ 11-14-19) (الاستیعاب، القسم الثالث، عربی صفحہ 103)

☆: زہری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب عمرے کے لیے مدینہ سے نکلے اور رابغ اور مکہ کے درمیان عسفان کے مقام پر پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر بن سفیان الکعبی ملا۔

اس نے عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! قریش کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کا علم ہو گیا تھا اور وہ آپ صلی

اللہ علیہ وسلم کا راستہ روکنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ عورتیں اور بچے بھی ان کے ساتھ ہیں۔ انہوں نے چیتوں کی کھال کا لباس پہن رکھا ہے۔ یعنی عداوت میں بہت پختہ ہیں اور وادیِ ذی طویٰ میں پہنچ چکے ہیں اور آپس میں عہد و پیمان کر رہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں ہرگز داخل نہیں ہونے دیں گے۔ انہوں نے گھوڑ اسوار دستوں کی کمان حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ (اسلام قبول کرنے سے پہلے) کے حوالے کی ہے اور وہ ان سے قبل کراع الغمیم میں پہنچ چکا ہے۔''

یہ خبر سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''افسوس! قریش پر۔ جنگوں نے انہیں پہلے ہی مار ڈالا ہے اور یہ ابھی تک ہوش میں نہیں آئے۔ انہیں کیا ہو گیا ہے؟ اگر یہ عقل سے کام لیتے تو میری مخالفت کی بجائے مجھے میرے حال پر چھوڑ دیتے۔ اگر عرب کے باقی قبائل اور سرداروں سے مجھے مقابلہ کرنے دیتے تو وہ قبائل مجھے شہید کر دیتے اور قریش کی دلی مراد پوری ہو جاتی یا پھر اللہ تعالیٰ مجھے ان پر فتح عطا فرما دیتا تو یہ جوق در جوق اسلام میں داخل ہو جاتے۔ اگر اسلام میں داخل نہ ہونا چاہتے تو لڑائی لڑ کر میرا مقابلہ کرتے۔ اس صورت میں ان کی قوت زیادہ ہوتی۔ اب قریش کا کیا گمان ہے؟ خدا کی قسم! میں اس دینِ حق کے لیے جہاد کرتا رہوں گا، یہاں تک کہ یہ دین غالب آ جائے یا پھر اس راہ میں مجھے شہید کر دیا جائے۔''

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

''کون شخص ہمیں ایسے راستے کا پتہ دے گا جو اس راستے سے ہٹ کر ہو جس پر قریش آ رہے ہیں؟''

یہ سن کر بنو اسلم کے ایک شخص نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں یہ خدمت سرانجام دوں گا۔''

پس اس شخص نے گھاٹیوں کے درمیان سے ایک سخت، پتھریلے اور غیر ہموار راستے کا پتہ بتایا۔ لوگ اس راستے پر چلے اور مسلمانوں کو سخت مشقت اٹھانی پڑی اور بالآخر مسلمان ایک ہموار زمین پر آ پہنچے اور وادی میں سے باہر نکل آئے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا:

''توبہ اور استغفار کی کثرت کرو۔''

لوگ استغفار کرنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بیشک بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے حِطَّۃٌ کا جو حکم دیا تھا۔ وہ دراصل استغفار ہی کا حکم تھا مگر اس قوم نے اس حکم کی تعمیل نہ کی۔''

ابن شہاب کہتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا:

''تم دائیں جانب کے راستہ المرار کی چوٹی پر سے ہوتے ہوئے مکہ کے عین نیچے حدیبیہ کے مقام پر پہنچ جاؤ۔''

مسلمان اس راستے سے جب حدیبیہ پہنچے اور قریش کے لشکر نے گرد وغبار اُڑتا دیکھا تو سمجھ گئے کہ مسلمانوں نے اپنی راہ بدل لی ہے، لہٰذا وہ مکہ کی جانب واپس لوٹے۔

ثنیۃ المرار کے مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُونٹنی بیٹھ گئی۔ لوگوں نے کہا:

''اُونٹنی تھک کر بیٹھ گئی ہے۔''

مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''وہ تھک کر نہیں بیٹھی بلکہ اسے اسی ذات نے روک دیا ہے جس نے مکہ میں ہاتھیوں کا داخلہ روک دیا تھا۔ قریش آج بھی مجھ سے معقول مطالبہ کریں گے اور صلہ رحمی کا واسطہ دیں گے تو میں ان کا مطالبہ قبول کرلوں گا۔''

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا:

''اسی مقام پر ڈیرہ ڈال دیں۔''

لوگوں نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اس وادی میں تو پانی نہیں ہے۔''

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ترکش میں سے ایک تیر نکالا اور اپنے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ایک کو دیا۔ اس صحابی کا نام حضرت ناجیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اس متروک (جس سے پانی لینا چھوڑ دیا گیا) کنویں میں اترو اور اس کے درمیان میں یہ تیر گاڑ دو۔''

چنانچہ حضرت ناجیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اترے اور تیر حسب ارشاد گاڑ دیا۔ تیر گاڑتے ہی اس پرانے، خشک، اور متروک کنویں میں سے (معجزے کے طور پر) پانی کا چشمہ پھوٹ نکلا۔ سب لوگوں نے خوب سیر ہوکر پیا اور پانی کی کوئی کمی نہ رہی۔

(طبقات ابن سعد، جلد 4، القسم الثانی، عربی صفحہ 45) (تفسیر ابن کثیر، جلد 4، عربی صفحہ 182-15) (البدایہ والنہایہ، جلد 4، عربی صفحہ 165-174) (سیرۃ ابن ہشام، القسم الثانی، عربی صفحہ 309) (المغازی، للواقدی، جلد 2، عربی صفحہ 587) (الصحیح البخاری، جز 5، عربی صفحہ 186) (المسند، جلد 4، عربی صفحہ 70-356) (الصحیح البخاری، جز 4، عربی صفحہ 234) (البدایہ والنہایہ، جلد 6، عربی صفحہ 95) (السنن البیہقی، جز 9، عربی صفحہ 218) (الصحیح البخاری، جز 3، عربی صفحہ 23) (الاصابہ، جلد 3، عربی صفحہ 511) (المسند، جلد 5، عربی صفحہ 308)

☆: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمران رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ ہم رات بھر چلتے رہے، یہاں تک کہ رات کا آخری وقت ہوگیا۔ ہم

پر نیند غالب آگئی۔ایسی حالت میں مسافر کے لیے نیند سے زیادہ میٹھی کوئی چیز نہیں ہوتی۔پس ہم سو گئے اور ہماری آنکھ اس وقت تک نہ کھلی جب تک سورج کی گرمی نے ہمیں جگا نہ دیا۔

سب سے پہلے فلاں اور فلاں اُٹھے، چوتھے نمبر پر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جاگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب تک لیٹے ہوئے تھے۔ہم میں سے کوئی بھی جگانے کی جسارت نہیں کرتا تھا کیونکہ ہم نہیں جانتے تھے کہ خواب میں اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا دیکھا تا تھا۔

جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیدار ہوئے اور صورتِ حال دیکھی کہ سوتے میں نماز کا وقت نکل گیا ہے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بلند آواز سے تکبیر پڑھنی شروع کی اور مسلسل تکبیر کو دہراتے گئے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے۔جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس صورتِ حال پر پریشانی کا اظہار کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کوئی فکر نہیں!رختِ سفر باندھو۔''

پس لوگ سفر پر روانہ ہو گئے۔تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری سے نیچے تشریف لائے اور وضو کے لیے پانی طلب فرمایا۔وضو کے بعد اذان کہی گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی۔جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ ایک شخص الگ بیٹھا ہے۔نماز میں شامل نہیں ہوا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا:

''اے فلاں!تجھے کس چیز نے نماز پڑھنے سے روکا۔؟''

اس نے عرض کیا:

''یارسول اللہ!(صلی اللہ علیہ وسلم)میں جنبی ہوں(مجھ پر غسل واجب ہے)اور غسل کے لیے پانی نہیں ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مٹی سے تیمم کرلو یہ تمہاری طہارت کے لیے کافی ہے۔''

اس کے بعد پھر لوگ چل پڑے اور کچھ دور جا کر لوگوں نے پیاس کی شکایت کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری سے نیچے تشریف لائے۔حضرت علی اور ایک دوسرے صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بلایا اور فرمایا:

''جاؤ پانی کی تلاش کرو۔''

چنانچہ وہ دونوں گئے اور کچھ فاصلے پر انہوں نے ایک عورت کو دیکھا جو اونٹ پر سوار تھی۔ اس نے اُونٹ پر دو بڑی بڑی مشکیں پانی کی بھری ہوئی لاد رکھی تھیں۔ ان دونوں صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس عورت سے پوچھا:

''پانی کہاں ہے؟''

اس نے جواب دیا:

''میں کل اس وقت پانی کے چشمے سے چلی تھی (یعنی پانی کا چشمہ ایک دن کی مسافت پر ہے)۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا:

''پھر ہمارے ساتھ آؤ۔''

وہ کہنے لگی:

''کہاں؟''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس۔

وہ کہنے لگی:

''وہی شخص جسے صابی کہا جاتا ہے؟''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جواب دیا:

''ہاں! تو ٹھیک سمجھ گئی۔ پس ہمارے ساتھ چل۔''

پھر وہ دونوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہما اس عورت کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس عورت کے ساتھ ہونے والی گفتگو بیان کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اس عورت کو اُونٹ سے نیچے اُتارو۔''

اسے نیچے اُتارنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک برتن منگوایا اور دونوں مشکیزوں کا منہ کھول کر ان میں سے تھوڑا سا پانی برتن میں ڈالا اور ان مشکیزوں کا منہ بند کر دیا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں میں اعلان فرمایا:

''لوگو! جس نے پانی پینا ہو آ کر پی لے اور جس نے برتن میں لینا ہو وہ برتن میں لے لے۔''

پس جس نے چاہا پی لیا اور جس نے چاہا برتن میں لے لیا۔ آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک برتن بھر کر اس شخص کو دیا جس نے جنابت کی شکایت کی تھی اور اسے فرمایا:

"جا! اس پانی سے غسل کرلے۔"

حضرت عمران رضی اللہ عنہ مزید بیان کرتے ہیں کہ وہ خاتون کھڑی حیرت سے سب کچھ دیکھتی رہی۔ خدا کی قسم! وہ یہ دیکھ کر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑے سے پانی کو اتنی جماعت میں تقسیم کردیا اور سب نے برتن بھی بھر لیے اور سیر ہو کر پی بھی لیا، ایسی مبہوت ہوئی کہ بیان نہیں کیا جاسکتا۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اس (پانی والی) عورت کے لیے کچھ کھجوریں، آٹا اور ستو جو تمہارے پاس ہے جمع کردو۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کھانے پینے کا سامان جمع کیا اور اسے ایک کپڑے میں باندھ کر عورت کو اُونٹ پر سوار کیا اور گٹھڑی اس کے آگے رکھ دی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے فرمایا:

"تو جانتی ہے کہ ہم نے تمہارے پانی میں کوئی کمی نہیں کی مگر اللہ نے ہمیں پانی پلایا ہے۔"

جب وہ عورت اپنے اہل وعیال میں پہنچی تو انہوں نے پوچھا:

"تو نے اتنی دیر کہاں کردی؟"

اس پر اس عورت نے جواب دیا:

"عجیب وغریب واقعہ پیش آیا۔ راستے میں مجھے دو آدمی ملے جو مجھے اس شخص کے پاس لے گئے جسے "صابی" کہا جاتا ہے۔ پھر اس نے سارا واقعہ بیان کیا اور کہا: خدا کی قسم! یا تو زمین وآسمان میں اس (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) سے بڑا جادوگر کوئی نہیں یا پھر وہ واقعی اللہ کا سچا رسول ہے۔"

مسلمان جب اس علاقے میں مشرکین پر حملے کرتے تھے تو اس بستی کو جہاں وہ عورت رہتی تھی چھوڑ جاتے تھے۔ ایک دن اس نے اپنے قبیلے والوں سے کہا:

"یہ لوگ (صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) تمہارے گرد حملے کرتے ہیں مگر تمہیں جان بوجھ کر چھوڑ جاتے ہیں۔ پس بہتری اور بھلائی اسی میں ہے کہ تم اسلام لے آؤ۔"

ان لوگوں نے اس کی بات مان لی اور اسلام قبول کرلیا۔

(الصحیح البخاری، جز 1، عربی صفحہ 89) (الصحیح البخاری، جز 4، عربی صفحہ 232) (الصحیح المسلم، جز 5، عربی صفحہ 190) (المغازی للواقدی، جلد 3، عربی صفحہ 104) (البدایہ والنہایہ، جلد 6، عربی صفحہ 98) (السنن البیہقی، جز 1، عربی صفحہ 32-218)

☆: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ حدیبیہ کے دن لوگوں کا پیاس سے برا حال ہوگیا۔ کسی کے پاس پانی نہیں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چھاگل تھی۔ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

''کیا بات ہے؟''

انہوں نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے پاس پانی نہیں ہے۔نہ وضو کے لیے اور نہ پینے کے لیے۔یہی پانی ہے جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس ہے۔''

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

''اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ مبارک چھاگل میں رکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُنگلیوں سے پانی کے چشمے پھوٹ نکلے۔ہم نے خوب سیر ہو کر پیا اور وضو بھی کیا۔''

سالم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا:

''اس وقت پینے والوں کی تعداد کتنی تھی؟''

اس کے جواب میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی ہمارے لیے کافی ہوتا۔بہر حال اس وقت ہماری تعداد پندرہ سو کے قریب تھی۔''

(صحیح البخاری، جز4،عربی صفحہ 234) (الصحیح البخاری، جز5،عربی صفحہ 156) (الصحیح البخاری، جز7،عربی صفحہ 148) (الصحیح المسلم، جز5،عربی صفحہ 188) (الصحیح المسلم، جز12،عربی صفحہ 175) (الصحیح المسلم، جز15،عربی صفحہ 35) (تفسیر ابن کثیر، جلد4،عربی صفحہ 185) (البدایہ والنہایہ، جلد4،عربی صفحہ 170) (البدایہ والنہایہ، جلد6،عربی صفحہ 4) (السنن البیہقی، جز1،عربی صفحہ 43) (السنن النسائی، جز1،عربی صفحہ 61)

☆: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ابو حازم بن دینار رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ کچھ لوگ حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے، انہوں نے آپس میں منبرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بحث شروع کر رکھی تھی کہ منبر کس لکڑی سے بنایا گیا؟

جب انہوں نے حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا:

خدا کی قسم! میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ یہ کس لکڑی سے بنایا گیا۔جس روز یہ بن کر آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلی مرتبہ اس پر تشریف فرما ہوئے تو میں خود موجود تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں خاتون کے پاس کسی کو بھیجا کہ وہ اپنے نجار غلام سے منبر بنوادے، جس پر خطبے کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ جایا کریں۔اس عورت نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ وہ جنگل کی بہترین لکڑی سے منبر تیار کرے۔چنانچہ اس نے منبر تیار کیا اور اس صحابیہ (رضی اللہ عنہا) نے اسے مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھجوا دیا۔یہ یہاں رکھ دیا گیا پھر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس چبوترہ نما منبر پر نماز پڑھتے دیکھا۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی طرف اپنا چہرۂ انور کیا اور فرمایا:

''لوگو! بلند منبر اس لیے بنوایا گیا ہے تاکہ تم میری امامت میں نماز پڑھو اور مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھ

کر نماز کی تعلیم حاصل کرو۔"

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک انصاری صحابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

"یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے پاس ایک کاریگر غلام ہے جو لکڑی کا نہایت نفیس کام کرسکتا ہے۔ لہٰذا اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیں تو اس سے ایک منبر بنوادوں۔ جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تقاریر کے دوران بیٹھ جایا کریں۔"

اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جیسے تم چاہو۔"

وہ بیان کرتے ہیں کہ اس خاتون نے منبر بنوا کر بھجوادیا۔ جب جمعہ کا دن ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس منبر پر تشریف فرما ہوئے، اس موقع پر کھجور کا وہ تنا جس کے پاس کھڑے ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے رونے لگا۔ اس کی چیخ و پکار اتنی دردناک تھی کہ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ فرطِ غم میں پھٹ جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے نیچے تشریف لائے اور اس تنے کو پکڑ لیا، پھر اسے اپنے ساتھ چمٹا لیا۔ وہ چپ ہو گیا مگر اس طرح اس کی ہچکی بندھی ہوئی تھی جس طرح روتا ہوا بچہ چپ کرنے سے پہلے ہچکیاں لیتا ہے۔

(البدایہ والنہایہ، جلد 6، عربی صفحہ 126-132-275) (طبقات ابن سعد، جلد 1، القسم الثانی، عربی صفحہ 11) (الصحیح البخاری، جزء 2، عربی صفحہ 11) (الصحیح البخاری، جزء 3، عربی صفحہ 76) (الصحیح البخاری، جزء 4، عربی صفحہ 237) (السنن البیہقی، جزء 3، عربی صفحہ 195) (المسند، جلد 4، عربی صفحہ 57-128) (اسد الغابہ، جلد 1، عربی صفحہ 43)

☆: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں سخت قحط پڑا۔ ایک جمعہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر خطبہ دینے کے لیے تشریف فرما ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ شروع فرمایا تو ایک دیہاتی کھڑا ہو گیا۔ اس نے عرض کیا:

"یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) مال مویشی ہلاک ہو گئے اور اہل وعیال بھوک سے بدحال ہیں۔ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے لیے بارش کی دعا فرمایئے۔"

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دُعا مانگنے سے پہلے آسمان پر دُور دُور تک کہیں بادل کا کوئی نام ونشان بھی نہ تھا، مگر جوں ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو آسمان پر بڑے بڑے بادل چھا گئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی منبر سے نیچے تشریف نہیں لائے تھے کہ میں نے دیکھا بارش برسنے لگی اور پانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک سے قطروں کی صورت میں گرنے لگا۔ اس روز بھی بارش ہوئی اور اس کے بعد بھی کئی دنوں تک مسلسل بارش ہوتی رہی، یہاں تک کہ اگلا جمعہ

آ گیا۔

اس جمعہ کو بھی وہی دیہاتی یا شاید کوئی دوسرا کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) مکان گر گئے اور مال، مویشی غرق ہو گئے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے لیے دُعا فرمائیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اُٹھائے اور یہ دُعا مانگی:

''اَللّٰھُمَّ حَوَالَیْنَا وَلَا عَلَیْنَا''

''اے اللہ! بارش ہمارے آس پاس برسا۔ ہم پر نہ برسا۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بادلوں کی طرف جس جانب بھی اشارہ کیا وہ دوڑے چلے گئے۔ مدینہ تالاب بن گیا تھا اور وادی میں مہینہ بھر پانی بہتا رہا۔ کسی بھی جانب سے کوئی آتا تو موسلا دھار بارش کی خبر دیتا۔

(الصحیح البخاری، جز2، عربی صفحہ 15-34) (الصحیح البخاری، جز8، عربی صفحہ 30) (الصحیح المسلم، جز6، عربی صفحہ 191-195) (السنن النسائی، جز3، عربی صفحہ 155-161) (البدایہ والنہایہ، جلد 5، عربی صفحہ 88) (البدایہ و النہایہ، جلد6، عربی صفحہ 88-92-280) (السنن البیہقی، جز3، عربی صفحہ 221-344-353)

☆: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: میرے والد حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہما جنگِ اُحد میں شہید ہو گئے اور ان کے ذمے کچھ قرض تھا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''یارسول اللہ! آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے والد کے قرض خواہوں سے قرض معاف کرادیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بات کی مگر وہ قرض معاف کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

''جابر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! جاؤ اور اپنی کھجوروں کو مختلف اقسام کے لحاظ سے الگ الگ کر کے ڈھیروں میں لگا دو اور ایسا کرنے کے بعد مجھے بلا لینا۔''

میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق کھجوروں کی درجہ کے حساب سے ڈھیریاں لگا دیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع کر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور کھجوروں کے درمیان بیٹھ گئے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''قرض خواہوں کو تول کر دینا شروع کر دو۔''

سیدنا حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے جملہ قرض خواہوں کو تول تول کر کھجوریں دینا شروع کی، یہاں تک کہ سب کا قرض ادا کر دیا، مگر کھجوروں کے ڈھیر پھر بھی یونہی سالم پڑے تھے۔ گویا کہ ان میں کوئی کمی ہوئی ہی نہیں۔

(صحیح البخاری، جز 3، عربی صفحہ 84-146-148-199-233) (الصحیح البخاری، جز 4، عربی صفحہ 717-235) (الصحیح البخاری، جز5، عربی صفحہ 123) (الصحیح البخاری، جز 7، عربی صفحہ 103) (طبقات ابن سعد، جلد 3، القسم الثانی، عربی صفحہ 107) (المغازی للواقدی، جلد 1، عربی صفحہ 400) (السنن النسائی، جز 6، عربی صفحہ 245)

☆: حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ہم ایک سوتیس (130) صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر پر گئے۔ ایک جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے پوچھا کہ کیا ہم میں سے کسی کے پاس کوئی کھانے کی چیز ہے؟

ایک شخص کے پاس تقریباً ایک صاع آٹا تھا، چنانچہ آٹا گوندھا گیا، اسی وقت ایک لمبا تڑنگا پراگندہ حال مشرک اپنے ریوڑ کے ساتھ نمودار ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا:

''یہ بکریاں فروخت کرنے کے لیے ہیں یا قربانی کے لیے؟''

اس نے کہا:

''فروخت کے لیے ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ایک بکری خرید لی۔ وہ ذبح کی گئی اور گوشت تیار ہو گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بکری کا کلیجہ اور گردے بھونے جائیں۔''

جب کلیجہ اور گردے بھونے گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک کو اس میں سے گوشت کے ٹکڑے کاٹ کر دیئے۔ جو لوگ موجود تھے انہیں ان کا حصہ دیا گیا اور جو غیر حاضر تھے ان کا حصہ ان کے لیے رکھا گیا۔ باقی گوشت کو پکا کر پیالوں میں ڈالا گیا۔ دو پیالے ہم نے کھائے اور سب خوب سیر ہو گئے۔ دو پیالے بچ گئے، جنھیں ہم نے اونٹ پر لا دلیا اور چل دیئے۔ (یعنی ایک بکری کا گوشت اور دو کلو آٹا تین سوتیس آدمیوں نے سیر ہو کر کھالیا لیکن اس کے باوجود آدھا گوشت بچ گیا۔ سبحان اللہ! یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ تھوڑی سے گوشت میں برکت ہو گئی۔)

(صحیح البخاری، جز3، عربی صفحہ 203) (الصحیح البخاری، جز 7، عربی صفحہ 90) (البدایہ والنہایہ، جلد 6، عربی صفحہ 113-116) (السنن البیہقی، جز 9، عربی صفحہ 235)

☆: ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبید اللہ بن عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن اونٹنی پر سوار خانہ کعبہ میں داخل ہوئے اور خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ خانہ کعبہ کی دیواروں کے ساتھ سیسے سے بت چپکائے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک کھجور کی چھڑی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس چھڑی سے بتوں کی طرف اشارہ کر کے قرآنِ مجید کی اس آیت کریمہ کی تلاوت فرماتے:

"جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ○"

"حق آ گیا اور باطل مٹ گیا۔ بے شک باطل مٹنے کے لئے ہی تھا۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس بت کے چہرے کی جانب اشارہ فرماتے تھے وہ گدی کے بل گر جاتا تھا اور جس کی گدی کی جانب اشارہ فرماتے تھے وہ منہ کے بل زمین پر آ گرتا تھا۔ یوں سارے کے سارے بت گر پڑے اور ایک بھی باقی نہ رہا۔

(سیرۃ ابن ہشام، القسم الثانی، عربی صفحہ 417) (تفسیر ابن کثیر، جلد 3، عربی صفحہ 59) (المغازی اللواقدی، جلد 2، عربی صفحہ 832) (البدایہ والنہایہ، جلد 4، عربی صفحہ 302) (البدایہ والنہایہ، جلد 6، عربی صفحہ 272)

☆: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنی رفاعہ کی مسجد میں تشریف لائے اور کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم امِ سلیم کے محلے سے گزرتے تو امِ سلیم (حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی والدہ) کے ہاں تشریف لے جایا کرتے اور انہیں سلام کہتے۔

اس کے بعد حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ جب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شادی کی تو میری ماں امِ سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنا نے مجھ سے فرمایا:

"کیوں نہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی ہدیہ بھیجیں؟"

میں نے عرض کیا:

"ضرور بھیجنا چاہیے۔"

میری ماں نے ستو، پنیر، کھجور اور گھی سے حلوہ تیار کیا اور پتھر کی ایک ہنڈیا میں ڈالا اور مجھ سے فرمایا:

"اے بیٹے انس! اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لے جاؤ۔"

میں اس حلوے کو لے کر حاضر ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اسے یہاں رکھ دو۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ فلاں فلاں آدمی کو بلا لاؤ، بلکہ جو بھی ملے اسے دعوت دے دو۔

میں نے لوگوں کو بلایا۔ گھر لوگوں سے بھر گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے دیکھا کہ اس حلوے کے اوپر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ رکھا اور کچھ دیر تک کچھ پڑھتے رہے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس دس آدمیوں کو بلانا شروع کیا اور حلوہ کھانے کی دعوت دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا:

"ہر شخص اللہ کا نام لے اور اپنے سامنے سے کھائے۔"

وہ لوگ باری باری کھاتے رہے یہاں تک کہ سب نے سیر ہو کر کھا لیا (سبحان اللہ! تھوڑا سا حلوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک کی برکت سے کثیر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے تناول فرمایا)

کھانا کھانے کے بعد کچھ لوگ تو چلے گئے اور ایک گروہ وہیں بیٹھا باتوں میں لگ گیا۔ میں بھی اُکتا گیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجلس سے اُٹھ کر حجروں کی جانب تشریف لے گئے۔ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نکلا اور عرض کیا کہ وہ لوگ چلے گئے ہیں۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی لوٹ آئے اور اپنے کمرے میں داخل ہو گئے۔ میں باہر کے کمرے میں تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پردے لٹکاتے ہوئے سورۃ الاحزاب کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

((یاایھا الذین اٰمنوا لاتدخلوا بیوت النبی الاان یؤذن لکم الی طعام غیر نٰظرین انہ ولٰکن اذا دعیتم فادخلوا فاذ طعمتم فانتشروا ولا مستانسین لحدیث ان ذٰلکم کان یؤذی النبی فیستحی منکم واللّٰہ لایستحی من الحق))

(القرآن الکریم، سورۃ الاحزاب)

”اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں نہ حاضر ہو جب تک اذن نہ پاؤ۔ مثلاً کھانے کے لیے بلائے جاؤ نہ یونکہ خود اس کے پکنے کی راہ تکو۔ ہاں جب بلائے جاؤ تو حاضر ہو اور جب کھا چکو تو متفرق ہو جاؤ، نہ یہ کہ بیٹھے باتوں میں دل بہلاؤ۔ بیشک اس میں نبی کو ایذا ہوتی تھی تو وہ تمہارا لحاظ فرماتے تھے اور اللہ حق فرمانے میں نہیں شرماتا۔“

(کنز الایمان از اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ) (الصحیح البخاری، جز7، عربی صفحہ 28) (الصحیح المسلم، جز، عربی صفحہ 228-233) (البدایہ والنہایہ، جلد 4، عربی صفحہ 147) (البدایہ والنہایہ، جلد 6، عربی صفحہ 110) (السنن البیہقی، جز7، عربی صفحہ 87) (تفسیر ابن کثیر، جلد 3، عربی صفحہ 491-504) (السنن النسائی، جز6، عربی صفحہ 136)

☆: ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت صرد بن عبداللہ الازدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک وفد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صرد بن عبداللہ الازدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کی قوم کے مسلمانوں پر امیر مقرر فرما دیا اور ارشاد فرمایا:

”یمن کے قبائل سے اور گرد و نواح کے مشرک قبائل سے اپنے قبیلے اور آس پاس کے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد کرو۔“

حضرت صرد بن عبداللہ الازدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق نکلے اور یمن کے علاقے ”جرش“ میں جا پہنچے۔ جرش اس دور میں ایک بند شہر تھا جس کے گرد فصیل بنی ہوئی تھی۔ اس میں یمن کے بعض قبائل رہتے تھے اور بنوخثعم کے کچھ لوگ بھی ان کے پاس پناہ گزیں تھے۔ یہ لوگ مسلمانوں کی آمد کی

خبر پاکر یمنیوں کے ساتھ قلعہ بند ہو گئے تھے۔

حضرت صرد بن عبداللہ الازدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اوران کے ساتھیوں نے ان لوگوں کا مہینہ بھر محاصرہ کیے رکھا مگر قلعہ پر قبضہ نہ ہو سکا۔

حضرت صرد بن عبداللہ الازدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بالآخر محاصرہ اُٹھالیا اور چلے گئے۔ قلعہ کے محصورین نے بزعمِ خویش یہ سمجھا کہ حملہ آور شکست کھا کر چلے گئے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے قلعے سے نکل کر ان کا تعاقب کرنا چاہا۔ جب حضرت صرد بن عبداللہ الازدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شکر نامی پہاڑ کے پاس پہنچے تو اہلِ جرش نے ان کو آلیا۔

حضرت صرد بن عبداللہ الازدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیچھے پلٹ کر ایسا حملہ کیا کہ دُشمن کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا اوران کا بری طرح قتل عام ہوا۔

اہلِ جرش نے اس سے قبل دو نمائندے مدینہ بھیجے تھے کہ صورتِ حال کا جائزہ لیں اور آکر بتائیں کہ انہوں نے مدینہ کے حاکم (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو کیسا پایا؟

یہ دونوں افراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا:

"شکر کس ملک اور علاقے میں واقع ہے؟"

انہوں نے جواب دیا:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے علاقے میں ایک پہاڑ ہے جسے کشر (اہل جرش شکر کو کشر ہی کہا کرتے تھے) کہتے ہیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"یہ کشر نہیں بلکہ شکر ہے۔"

انہوں نے پوچھا:

"اس پہاڑ کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں دریافت فرمایا۔ کیا کوئی خاص وجہ ہے؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اس لیے اس پہاڑ پر قربانی کے جانور ذبح ہو رہے ہیں۔"

یہ گفتگو عصر کی نماز کے بعد ہوئی۔ یہ گفتگو کردہ دونوں شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے (اور یہ بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شکر پہاڑ پر قربانی کے جانور قربان ہو رہے ہیں اس کا کیا مطلب ہے؟) تو انہوں (حضرت ابوبکر یا عثمان غنی رضی

اللہ تعالیٰ عنہما) نے ان سے فرمایا:

''تمہاری بربادی ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم لوگوں کو تمہاری قوم کے قتلِ عام کی خبر دی ہے۔ اٹھو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جا کر عرض کرو کہ ''وہ تمہاری قوم کے حق میں دُعا فرمائیں کہ ان سے عذاب ٹال دیا جائے۔''

یہ سن کر وہ فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دعا کی درخواست کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ سے دُعا فرمائی:

''اَللّٰھُمَّ اِرْفَعْ عَنْھُمْ''

''اے اللہ! ان (اہل جرش) سے (غم، حزن اور عذاب) کو دُور فرما دے۔''

اسی وقت یہ دونوں افراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر اپنے گھروں کو روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر انہیں اطلاع ملی کہ اسی دن اور اسی وقت ان لوگوں کو حضرت صرد بن عبداللہ الازدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ میں تہہ و تیغ کر دیا تھا اور جو بچے تھے انہوں نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے) اُلٹے پاؤں بھاگ کر جان بچائی۔

(الطبقات ابن سعد، جلد 1، القسم الثانی، عربی صفحہ 71) (طبقات ابن سعد، جلد 5، عربی صفحہ 384) (سیرۃ ابن ہشام، القسم الثانی، عربی صفحہ 587) (البدایہ والنہایہ، جلد 5، عربی صفحہ 74) (اسد الغابہ، جلد 3، عربی صفحہ 17)

حضرت عبداللہ بن انیس رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث بیان کی کہ مجھے (عبداللہ بن انیس کو) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یاد فرمایا اور ارشاد فرمایا:

''مجھے خبر ملی ہے کہ سفیان بن نبیح الھذلی نے میرے خلاف جنگ کرنے کے لیے فوجیں تیار کر رکھی ہیں اور وہ اس وقت نخلہ یا عرنہ میں ہے، تم جاؤ اور اسے قتل کر ڈالو۔''

میں نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ذرا اس کی علامت اور حلیہ تو بتا دیں تا کہ میں اسے پہچان سکوں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب تم اسے دیکھو گے تو تمہیں شیطان کا تصور آئے گا اور تمہارے اور اس کے درمیان پختہ نشانی یہ ہو گی کہ اسے دیکھ کر تم کو اپنے جسم میں کپکپی محسوس ہو گی۔''

چنانچہ میں اپنی تلوار لے کر نکلا یہاں تک کہ میں اس تک جا پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ وہ اُونٹوں کے کجاوں میں سوار خواتین کو نیچے اتار رہا ہے۔ اور پڑاؤ کا ارادہ کر رہا ہے۔ یہ عصر کا وقت تھا جونہی میں نے اسے دیکھا مجھے بالکل ویسا ہی محسوس ہوا جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا تھا۔

میں نے کپکپی محسوس کی، بہر حال میں اس کی جانب بڑھا۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ میرے اور اس کے

درمیان معاملہ طول نہ پکڑ جائے اور میری نمازِ عصر فوت نہ ہو جائے۔ میں نے الگ ہو کر نماز ادا کی اور پھر سیدھا اس کی جانب بڑھا۔ جب میں اس کے پاس پہنچا تو اس نے پوچھا:

"کون ہو؟"

میں نے جواب دیا:

"ایک عربی ہوں۔ میں تمہارے بارے میں بہت کچھ جانتا ہوں تم نے اس شخص (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا مقابلہ کرنے کے لیے جو فوج تیار کر رکھی ہے اس کی شہرت نے مجھے تمہاری طرف متوجہ کیا ہے اور میں حاضر ہو گیا۔"

اس نے میری بات سنی تو فخر سے کہنے لگا:

"اچھا! تم نے جو کچھ سنا ہے وہ بالکل ٹھیک ہے۔ میں اس (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کو ختم کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

اس کے بعد وہ چل پڑا۔ میں بھی اس کے ساتھ ساتھ تھوڑی دور تک چلتا رہا۔ جب میں نے محسوس کیا کہ وہ میری تلوار کی زد میں ہے تو میں نے اس پر ایک پھرتیلا حملہ کیا اور اسے قتل کر ڈالا۔ اسے قتل کر کے میں نے اپنی راہ لی اور اس کی بیویوں کو روتا اور بین کرتا ہوا چھوڑ کر ان کی آنکھوں سے غائب ہو گیا۔

جب میں مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا:

"تم نے فلاح اور کامیابی پالی۔"

میں نے عرض کیا:

"یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے اسے قتل کر دیا ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تو نے سچ کہا۔"

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنے گھر لے گئے اور ایک عصا عطا فرمایا اور فرمایا:

"اے عبداللہ بن انیس! یہ عصا پکڑ لو۔ اسے اپنے پاس رکھنا۔"

میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے وہ عصا لیے مسجدِ نبوی آیا تو لوگ منتظر تھے۔ مجھے دیکھتے ہی انہوں نے پوچھا:

"یہ عصا کیسا ہے؟"

میں نے کہا:

"یہ عصا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا ہے اور حکم دیا ہے کہ اسے اپنے پاس رکھوں۔"

انہوں نے کہا:

''کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس جا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نہیں پوچھے گا یہ یہ عصا کس لیے عطا کیا گیا ہے؟''

میں نے ان کی بات مان لی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس جا کر پوچھا:

''یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے مجھے یہ عصا کس لیے عطا فرمایا ہے؟''

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''یہ میرے اور تیرے درمیان قیامت کے دن نشانی ہوگا۔ اس دن بہت کم لوگوں کو ٹیک لگانے کے لیے کوئی سہارا ملے گا مگر تم اس عصا پر ٹیک لگا لیا کرو گے۔ قیامت کے دن مجھ سے ضرور ملنا۔''

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی تلوار کے ساتھ ساتھ اس عصا کو بھی ہمیشہ اپنے پاس رکھا کرتے تھے۔ موت کے وقت بھی یہ عصا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت فرمائی کہ عصا ان کے ساتھ کفن میں لپیٹ دیا جائے اور ان کے ساتھ ہی دفن کر دیا جائے۔ چنانچہ ان کی وصیت کو پورا کیا گیا اور عصا ان کے ساتھ ہی دفن کیا گیا۔

(طبقات ابن سعد، جلد 2، القسم الاول، عربی صفحہ 31) (سیرۃ ابن ہشام، القسم الثانی، عربی صفحہ 619) (البدایہ والنہایہ، جلد 4، عربی صفحہ 140) (المغازی اللواقدی، جلد 2، عربی صفحہ 533) (السنن البیہقی، جز 3، عربی صفحہ 256) (السنن البیہقی، جز 9، عربی صفحہ 38)

☆: حافظ ابوبکر البیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے روایوں کے طرق سے بنوسلیم کے ایک آدمی سے روایت کی ہے۔ یہ وہ آدمی تھا جسے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شرفِ ملاقات نصیب ہوا۔ ربذہ میں وہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں ایک روز بیٹھا تھا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر چھڑ گیا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چونکہ سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ سے ربذہ بھیج دیا تھا اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شکایات بھی تھیں، اس لیے حاضرین نے سوچا کہ وہ اس کا اظہار کریں مگر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں کلمۂ خیر کے سوا کچھ نہ کہیے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے ایسا منظر دیکھا تھا جسے میں مرتے دم تک نہیں بھول سکتا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بابرکت دور میں اس جستجو میں رہا کرتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تنہائی میں ملاقات کیا کروں اور سوالات پوچھا کروں۔ میں نے ایک روز گرمیوں کے موسم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دوپہر کے وقت پوچھا تو خدام نے بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فلاں مقام پر تشریف لے گئے ہیں۔

میں وہاں پہنچا تو دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تنہا بیٹھے تھے۔ مجھے خیال آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہو رہی ہے مگر میں نے پھر بھی سلام کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا اور مجھ سے پوچھا:

''تمہیں کون سی چیز کھینچ لائی ہے؟''

میں نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف اللہ اور اس کے رسول کی محبت ہی مجھے لے آئی ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بیٹھنے کا حکم فرمایا تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں بیٹھ گیا۔

میں خاموشی سے بیٹھا رہا۔ نہ میں نے کوئی سوال پوچھا نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کچھ فرمایا۔

تھوڑی دیر گزری تھی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیز تیز چلتے ہوئے وہاں آ پہنچے اور سلام کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دینے کے بعد ان سے بھی وہی سوال پوچھا جو مجھ سے پوچھا تھا کہ کس غرض سے آئے ہو۔

انہوں نے بھی میری طرح یہی جواب دیا کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت کھینچ لائی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ فرمایا اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے منڈیر پر بیٹھ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ارشاد فرمایا کہ وہ میرے ساتھ بیٹھ جائیں، چنانچہ وہ میری طرف دائیں جانب بیٹھ گئے۔ پھر تھوڑی دیر بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آ گئے اور ان سے بھی وہی سوال و جواب ہوئے جو مجھ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئے تھے۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کلمہ کہا جس کی مجھے سمجھ نہ آئی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تھوڑی ہی رہ جائیں گی یا تھوڑی ہی رہ گئی ہیں۔''

یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ میں کچھ کنکریاں اُٹھائیں۔ وہ سات تھیں یا نو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹھی بند کر لی اور کنکریوں نے تسبیح پڑھنا شروع کر دی۔ ہم سب نے ان سے اس طرح کی آواز سنی جس طرح شہد کی مکھیوں کے بھنبھنانے کی آواز آتی ہے۔ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل قریب بیٹھا تھا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے چھوڑ کر وہ کنکریاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پکڑا دیں۔ کنکریوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مٹھی میں بھی ویسی ہی تسبیح پڑھی جیسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں پڑھی تھی۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وہ کنکریاں لے کر زمین پر پھینک دیں۔ وہ بالکل خاموش ہو گئیں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی کنکریاں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیں تو ان کی مٹھی میں بھی

کنکریوں نے تسبیح پڑھی اور ہم نے سنی۔ پھر ان سے کنکریاں لے کر دوبارہ زمین پر پھینک دیں۔ وہ پھر خاموش ہوگئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کنکریاں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیں تو انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں بھی پہلے حضرات کی طرح تسبیح پڑھی۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کنکریاں لے کر زمین پر پھینک دیں اور پھر وہ خاموش ہوگئیں۔"

(البدایہ والنہایہ، جلد 6، عربی صفحہ 132-204) (تفسیر ابن کثیر، جلد 3، عربی صفحہ 42)

☆: واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے اہل علم کے حوالے سے بنی سعد بن ہذیم کے ایک شخص سے روایت کی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک میں ایک مقام پر تشریف فرما تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چھ ساتھی بھی تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساتویں تھے۔ میں وہاں پہنچا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بیٹھنے کا حکم دیا۔ میں بیٹھ گیا اور عرض کیا:

"میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم نے فلاح پالی۔"

پھر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آواز دی اور فرمایا:

"بلال! (بن رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہمیں کھانا کھلاؤ۔"

حضرت بلال بن رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زمین پر چمڑے کا ایک دستر خوان بچھا دیا اور ایک تھیلے میں سے کھجور، گھی اور پنیر کی بنی ہوئی پنجیری نکالی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا:

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھئے اور کھائیے۔"

ہم سب نے کھانا کھایا اور سیر ہوگئے۔

میں نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کھانا تو اتنا کم تھا کہ شروع میں میں نے سوچا کہ میں تنہا ہی یہ کھا جاؤں گا، مگر یہ ہم سب نے کھالیا اور پھر بھی بچ گیا۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اَلْكَافِرُ يَاْكُلُ فِيْ سَبْعَةِ مِعَاءٍ وَالْمُؤْمِنُ يَاْكُلُ فِيْ مِعَاءٍ"

"مومن ایک آنت کھاتا ہے جبکہ کافر ساتوں آنتوں کو بھر کر کھا جاتا ہے۔"

میں اگلے دن پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آج دو باتیں مقصود تھیں۔ ایک تو یہ کہ

کھانا کھاؤں اور دوسری یہ کہ مزید اطمینانِ قلب اور یقینِ صادق حاصل کروں کہ اللہ نے اپنے نبی کو کن مخصوص برکات سے نوازا ہے۔ میں نے دیکھا کہ کھانے کا وقت ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دس افراد موجود تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

''بلال! (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کھانا لاؤ۔''

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دسترخوان بچھایا اور ایک تھیلی سے کھجوریں نکالنے لگے۔ وہ مٹھیاں بھر بھر کر کھجوریں دسترخوان پر ڈال رہے تھے۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اَخْرِجْ وَلَا تَخَفْ مِنْ ذِی الْعَرْشِ اَقْتَادًا''

''(حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ! کھجوریں کھلے دل) نکالو اور عرش والے سے اس وجہ سے نہ ڈرو کہ وہ (نیکی کی راہ پر خرچ کرنے سے مال میں) کمی کرے گا (یعنی اللہ تعالیٰ خرچ کرنے سے مزید عطا فرماتا ہے کمی نہیں فرماتا)''

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ساری کی ساری کھجوریں دسترخوان پر ڈال دیں۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ کھجوریں دو مد (تقریباً ڈیڑھ کلو) ہوں گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک ان کھجوروں پر رکھا اور فرمایا:

''بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ۔''

سب لوگوں نے خوب کھایا اور میں نے بھی کھجوروں سے پیٹ بھر لیا۔ میں خود کھجوریں اُگایا کرتا تھا اور کھجوریں کھاتا بھی بہت تھا مگر اس دن میں نے اتنی کھالیں کہ مزید کھانے کی گنجائش نہ رہی۔ سب لوگ کھانے سے فارغ ہوئے تو میں نے دیکھا کہ دسترخوان پر کم وبیش اتنی ہی کھجوریں تھیں جتنی کھانے سے پہلے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ڈالی تھیں۔ ہم تو خوب سیر ہو گئے مگر کھجوریں اتنی کی اتنی باقی تھیں جیسے ان میں سے کچھ کھایا ہی نہ گیا ہو۔

اگلے روز پھر میں نے ایسا ہی معاملہ دیکھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

''کھانا لاؤ۔''

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کل جو کھجوریں باقی بچی تھیں وہ دسترخوان پر پھیلا دیں۔ دس یا اس سے زیادہ افراد نے سیر ہو کر کھایا، مگر کھجوریں پھر اتنی کی اتنی رہیں۔ ان میں سے کچھ بھی کم نہ ہوا۔ ایسا معاملہ تین دن تک ہوتا رہا۔ (مزید وضاحت کے لیے دیکھیے مترجم کی دوسری تصنیف: ''دنیائے اسلام کا پہلا مؤذن'')

(صحیح المسلم، جز1، عربی صفحہ 225) (المغازی للواقدی، جلد3، عربی صفحہ 1018-1038) (البدایہ

والنہایہ، جلد 6، عربی صفحہ 118)(الاصابہ، جلد 4، عربی صفحہ 54)

☆: واقدی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ بنوسعد بن ہذیم کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں تبوک کے مقام پر حاضر ہوا۔ انہوں نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں آئے ہیں اور اپنے اہل وعیال کو اپنے ایک کنوئیں کے پاس چھوڑ آئے ہیں۔ اس کنوئیں میں پانی بہت ہی قلیل ہے اور یہ شدید گرمیوں کا موسم ہے۔ ہمیں ڈر ہے کہ اگر ہم پانی کی تلاش میں اِدھر اُدھر منتشر ہوگئے تو ہم کسی مشکل میں مبتلا ہو جائیں گے۔ کیونکہ ہمارے گردونواح میں ابھی تک اسلام زیادہ نہیں پھیلا، آپ ہمارے لیے دعا کریں کہ ہمارے کنوئیں میں پانی کی کثرت ہو جائے۔ اگر ہمیں سیرابی مل جائے تو آس پاس کا کوئی قبیلہ ہمارے ساتھ مقابلہ کرنے کی حیثیت نہیں رکھتا۔ اس طرح مخالفینِ دین کا ہمارے مقابلے پر کوئی زور نہ چل سکے گا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''مجھے کچھ کنکریاں لا کردو۔''

انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین کنکریاں لا کر دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کنکریوں کو ہاتھ میں لے کر ملا اور فرمایا:

''یہ کنکریاں لے جاؤ اور بِسْمِ اللّٰہ پڑھ کر ایک ایک کنکری کنوئیں میں ڈالتے جانا۔''

وہ لوگ کنکریاں لے کر چلے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق کنوئیں میں ڈال دیں۔ کنکریاں ڈالنے سے کنوئیں کا پانی جوش مارنے لگا۔ (یعنی سوکھا کنواں پانی سے بھر گیا)۔

ان لوگوں نے اپنے آس پاس کے مشرکین کو وہاں سے نکال باہر کیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے مدینہ واپس پہنچے تو بنوسعد کے مسلمانوں کی کاوش سے پورا علاقہ اسلام سے روشناس ہو گیا اور اکثر لوگ مسلمان ہو گئے۔

(طبقات ابن سعد، جلد 1، القسم الثانی، عربی صفحہ 33)(المغازی للواقدی، جلد 2، عربی صفحہ 1034) (البدایہ والنہایہ، جلد 5، عربی صفحہ 84)(البدایہ والنہایہ، جلد 6، عربی صفحہ 101)

☆: واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپسی پر ایک پہاڑی راستے سے گزر رہے تھے تو منافقین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک گھاٹی سے نیچے گرانے کی سازش کی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس گھاٹی پر پہنچے تو سازشی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلنا چاہتے تھے مگر اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ارادوں کی خبر دے دی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ گھاٹی کو عبور کرنے کی بجائے بطنِ وادی سے

گزر جائیں کیونکہ وہ زیادہ آسان اور کشادہ راستہ ہے۔ لوگ تو اس راستے کی طرف مڑ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر سوار گھاٹی کو عبور کرنے کے ارادے سے چل پڑے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اُونٹنی کی نکیل پکڑ کر آگے آگے چلیں اور حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ وہ اونٹنی کو پیچھے سے ہانکتے چلیں۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھاٹی کے درمیان پہنچے تو دیکھا کہ ان کے پیچھے لوگ چلے آ رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے اور حذیفہ کو حکم دیا کہ ان لوگوں کو واپس لوٹا دیں۔

منافقین بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غصے سے خوب واقف ہو چکے تھے۔ چنانچہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ پیچھے پلٹے اور ان لوگوں کی سواریوں کے منہ پر لاٹھی مارنی شروع کر دی اور انہیں پیچھے دھکیل دیا۔ ان لوگوں کو خیال گزرا کہ ان کی سازش نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر عیاں ہو گئی ہے۔ چنانچہ وہ گھاٹی سے تیزی کے ساتھ نیچے اترے تا کہ جلد از جلد عامۃُ الناس میں گھل مل جائیں اور کوئی انہیں پہچان نہ سکے۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سازشیوں کو بھگانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور حسبِ سابق اونٹنی کو ہانکنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھاٹی سے باہر تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا اور لوگ بھی خیمہ زن ہو گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

''اے حذیفہ! جن لوگوں کو تو نے گھاٹی سے پیچھے لوٹایا تھا ان میں سے کسی کو پہچانتا ہے؟''

انہوں نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے فلاں فلاں شخص کی سواری پہچان لی تھی مگر لوگوں نے منہ پر کپڑے باندھ رکھے تھے اور رات کی تاریکی میں میں انہیں اچھی طرح نہ دیکھ سکا۔''

اس سفر کے دوران تیز رفتاری کی وجہ سے بعض لوگوں کی سواریوں سے کچھ سامان گر پڑا۔ حضرت حمزہ بن عمر اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (معجزہ کے طور پر) میری پانچوں انگلیاں روشن فرما دیں، جن کی روشنی سے میں نے اپنی چیزیں اکٹھی کیں حتیٰ کہ کوڑے، رسی، اور ان جیسی دیگر چیزوں کو بھی ہم نے دیکھا اور اٹھا لیا۔ ہمارے سامان میں سے کوئی چیز ایسی نہ تھی جو گری ہو اور ہم نے اسے نہ پا لیا ہو۔

(المغازی للواقدی، جلد 3، عربی صفحہ 1043) (البدایہ والنہایہ، جلد 5، عربی صفحہ 19) (البدایہ والنہایہ، جلد 6، عربی صفحہ 152-278) (تفسیر ابن کثیر، جلد 2، عربی صفحہ 372) (الاصابہ، جلد 1، عربی صفحہ 38)

☆: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ میری والدہ نے مجھ سے فرمایا کہ ان کے پاس ایک دودھ دینے والی بکری تھی جس کے دودھ سے وہ ایک ڈبے میں گھی جمع کرتی تھیں، یہاں تک کہ وہ ڈبہ

بھر گیا۔ ان کے پاس ایک لڑکی تھی جسے انہوں نے حکم دیا کہ گھی کا یہ ڈبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے آئے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے روٹی کھالیا کریں۔

وہ لڑکی گھی کا وہ ڈبہ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئی اور عرض کیا:

''یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ اُمِ سلیم نے بھیجا ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں سے فرمایا:

''ڈبہ خالی کر کے لڑکی کو دے دو۔''

انہوں نے ڈبہ خالی کر کے لڑکی کو دے دیا۔ لڑکی نے وہ خالی ڈبہ لا کر کھونٹی سے لٹکا دیا۔ اُمِ سلیم رضی اللہ عنہا جو کسی کام سے باہر گئی تھیں۔ واپس آئیں تو لڑکی سے پوچھا:

''کیا میں نے تجھے حکم نہیں دیا تھا کہ گھی کا یہ ڈبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں دے آؤ؟''

اس نے کہا:

''ہاں میں گھی دے آئی ہوں۔''

اُمِ سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا:

''ڈبے سے تو گھی کے قطرے ٹپک رہے ہیں؟''

لڑکی نے عرض کیا:

''آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں جا کر تصدیق کر لیں۔''

اُمِ سلیم رضی اللہ عنہا لڑکی کو ساتھ لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں گئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گھی کے متعلق پوچھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''لڑکی گھی دے گئی تھی اور ہم نے ڈبہ خالی کر کے اسے دے دیا تھا۔''

اس پر اُمِ سلیم رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

''اس ذات کی قسم! جس نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سچائی اور دینِ حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ وہ ڈبہ تو گھی سے بھرا پڑا ہے اور اس میں سے گھی کے قطرے گر رہے ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اُمِ سلیم! تجھے اس پر تعجب ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو رزق دیا۔ اس طرح تجھے بھی اپنی رحمت سے رزق عطا فرما دے؟ کھاؤ، پیو اور شکر ادا کرو۔''

اُمِ سلیم رضی اللہ عنہا کہا کرتی تھیں کہ اس ڈبے میں سے ہم نے فلاں فلاں گھر پیالے بھر بھر کر گھی بھیجا مگر گھی

ختم نہ ہوا بلکہ ہم بچے ہوئے گھی سے دو ماہ تک روٹی کھاتے رہے۔

(البدایہ والنہایہ، جلد 6، عربی صفحہ 103) (الصحیح المسلم، جز 15، عربی صفحہ 40)

☆: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ سے حضرت وابصہ اسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے آنے سے پہلے ہی اپنے دل میں سوچ رکھا تھا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے نیکی اور بدی کے بارے میں ہر سوال پوچھ کر رہوں گا تا کہ کوئی نیکی مجھ سے پوشیدہ اور کسی برائی کے بارے میں میں بے خبر نہ رہ جاؤں۔

جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد مسلمانوں کی ایک کثیر جماعت جمع تھی۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال پوچھ رہے تھے۔ میں نے لوگوں کی گردنوں کے اوپر سے آگے بڑھنا چاہا تو لوگوں نے مجھ سے کہا:

''یوں گردنیں پھلانگنا ٹھیک نہیں ہے۔''

میں نے کہا:

''خدا کے لیے! مجھے بھی راستہ دے دو۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچنا چاہتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے دنیا بھر کے انسانوں سے زیادہ محبوب اور عزیز ہیں۔''

یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کمالِ شفقت ومحبت سے فرمایا:

''وابصہ کو چھوڑ دو۔ وابصہ! میرے قریب آجاؤ۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات دو تین مرتبہ فرمائی۔ لوگوں نے میرے لیے راستہ بنا دیا اور میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل سامنے جا پہنچا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کیا تم خود پوچھو گے یا میں بتا دوں کہ کس ارادے سے آئے ہو؟''

میں نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ خود ہی بتا دیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم نیکی اور بدی کے بارے میں سوال کرنے آئے ہو۔''

میں نے عرض کیا:

''جی ہاں! یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم)''

اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیاں اکٹھی کر کے میرے سینے میں ٹھونکا دیا اور تین مرتبہ ارشاد فرمایا:

''اے وابصہ! اپنے دل سے اور اپنے نفس سے پوچھ لیا کر۔ نیکی وہ ہے جس پر تیرا دل مطمئن ہو جائے

اور برائی وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور تجھے تردد میں مبتلا کر دے۔ یہی اصول پیشِ نظر رکھنا اگر چہ لوگ تجھے فتویٰ دیتے رہیں۔ (غلط کہتے رہیں یا اس کے خلاف اور کوئی اصول بتاتے رہیں)۔"

(البدایہ والنہایہ، جلد 6، عربی صفحہ 181)

☆: عاصم بن کلیب سے ان کے والد نے اور ان سے ایک انصاری صحابی نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نمازِ جنازہ پڑھنے کے لیے نکلے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ قبر کے کنارے کھڑے تھے اور قبر کھودنے والے سے فرما رہے تھے:

"پاؤں کی جانب سے ذرا اور کھودو اور سر کی جانب سے بھی کشادہ کرو۔"

نمازِ جنازہ اور تدفین کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس مدینہ آئے تو ایک عورت کے قاصد نے اس کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت طعام دی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ تشریف لے گئے۔ کھانا پیش کیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا اور دوسرے حاضرین نے بھی ہاتھ بڑھائے۔ لوگ کھانے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لقمہ منہ میں ڈالا اور اسے منہ میں پھیرنے لگے۔ پھر فرمایا:

"محسوس کرتا ہوں کہ اس بکری کا گوشت اس کے مالک سے پوچھے بغیر پکا لیا گیا ہے۔"

یہ سن کر دعوت کا اہتمام کرنے والی عورت نے ایک آدمی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بتا کر بھیجا اور اس سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہنا۔

"یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے کسی ہمسائے کو بقیع کی طرف بھیجا کہ وہ مجھے ایک بکری خرید کر لا دے مگر بکری نہ مل سکی۔ میں نے پھر اپنے ہمسائے کے ہاں پیغام بھیجا کہ وہ مجھے رقم لوٹا دے مگر ہمسایہ گھر پر نہ تھا۔ میں نے اس کی بیوی سے مطالبہ کیا تو اس نے یہ بکری بھیج دی جو ہمسائے نے اپنے لیے خریدی تھی۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"(حاضرین میں سے یہ کھانا کوئی نہ کھائے بلکہ) یہ گوشت قیدیوں کو کھلا دو۔"

(البدایہ والنہایہ، جلد 6، عربی صفحہ 191) (الاصابہ، جلد 2، عربی صفحہ 249)

☆☆☆

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ پر جھوٹ باندھنے کی مذمت

کسی چیز کے متعلق خلاف حقیقت خبر دینے کو جھوٹ کہتے ہیں، خواہ یہ خبر لاعلمی کی وجہ سے غلط ہو یا جان بوجھ کر غلط دی گئی ہو۔ البتہ لاعلمی کی وجہ سے خبر غلط ہونے پر گناہ نہیں، جبکہ قصداً غلط خبر دینے پر انسان مجرم ہوگا۔

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ پر جھوٹ کی وعید...... آیات کی روشنی میں:

1: بلاشبہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ پر جھوٹ عام لوگوں پر جھوٹ بولنے سے بڑا گناہ اور گھناؤنا جرم ہے۔ اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے:

((''فمن اظلم ممن افترىٰ على الله كذبا ليضل الناس بغير علم ان الله لا يهدى القوم الظلمين''))(سورۃ الانعام، آیت نمبر :144)

''پھر اس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہے جو اللہ کی طرف منسوب کر کے جھوٹی بات کہے، تاکہ علم کے بغیر لوگوں کی غلط راہنمائی کرے۔ یقیناً اللہ ایسے ظالموں کو راہ راست نہیں دکھاتا۔''

2: اللہ سبحانہ نے فرمایا:

''ولا تتبع اهواء الذين كذبوا باياتنا والذين لا يومنون بالآخرة وهم بربهم يعدلون''(سورۃ الانعام، آیت نمبر :10)

''اور ہرگز ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چلنا جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور آخرت کے منکر ہیں اور جو دوسروں کو اپنے رب کا ہمسر بناتے ہیں۔''

3: ارشاد الٰہی ہے:

((''يا ايها الذين آمنوا لم تقولون ما لا تفعلون كبر مقتا عند الله ان تقولوا ما لا تفعلون''))(سورۃ الصف، آیت نمبر 2)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم کیوں وہ بات کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔ اللہ کے نزدیک یہ سخت ناپسندیدہ حرکت ہے کہ تم وہ بات کہو جو تم کرتے نہیں ہو۔''

4: اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

((''ومن اظلم ممن افترىٰ على الله كذبا او كذب باياته انه لا يفلح الظالمون''))(الانعام :21)

''اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہے جو اللہ پر جھوٹا بہتان لگائے یا اللہ کی نشانیوں کو جھٹلائے۔

یقیناً ایسے ظالم کبھی فلاح نہیں پاسکتے۔"

5: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(("فمن اظلم ممن کذب بایت اللہ وصدف عنھا سنجزی الذین عن آیاتنا سوء العذاب بما کانوا یصدفون"))(الانعام:158)

"اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہے جو اللہ کی آیات کو جھٹلائے اور ان سے منہ موڑے۔ جو لوگ ہماری آیات سے منہ موڑتے ہیں انہیں اس روگردانی کی پاداش میں ہم بدترین سزا دے کر رہیں گے۔"

6: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(("قل ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لا یفلحون"))

(الانعام:144)

"اے نبی! کہہ دو جو لوگ اللہ پر جھوٹے افتراء باندھتے ہیں وہ ہرگز فلاح نہیں پاسکتے۔"

7: اللہ ذوالجلال کا فرمان ہے:

(("انما یفتری الکذب الذین لا یومنون بایات اللہ واولئک ھم الکاذبون"))(النحل:105)

"جھوٹ وہی لوگ گھڑتے ہیں جو اللہ کی آیات کو نہیں مانتے۔ وہی حقیقت میں جھوٹے ہیں۔"

8: حکم الٰہی ہے:

(("ولا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب ھذا حلال وھذا حرام لتفتروا علی اللہ الکذب ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لا یفلحون متاع قلیل ولھم عذاب الیم"))(النحل:116,117)

"اور جو تمہاری زبانیں احکام لگایا کرتی ہیں کہ یہ چیز حلال ہے اور وہ حرام تو اس طرح کے حکم لگا کر اللہ پر جھوٹ نہ باندھو۔ جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ ہرگز فلاح نہیں پایا کرتے۔ دنیا کا عیش چندروزہ ہے، آخر کار ان کے لئے دردناک سزا ہے۔"

9: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(("ومن اظلم ممن افتری علی اللہ کذبا اوقال اوحی الی ولم یوح الیہ شیء ومن قال سانزل مثل ما انزل اللہ ولو تری اذ الظلمون فی غمرات الموت والملئکۃ باسطوا ایدیھم اخرجوا انفسکم الیوم تجزون عذاب الھون بما کنتم تقولون علی اللہ غیر الحق وکنتم عن آیاتہ تستکبرون"))(الانعام:93)

''اور اس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہے جو اللہ پر جھوٹا بہتان گھڑے یا کہے کہ مجھ پر وحی آئی ہے دراں حالانکہ اس پر کوئی وحی نازل نہ کی گئی ہو؟ یا جو اللہ کی نازل کردہ چیز کے مقابلہ میں کہے کہ میں بھی ایسی چیز نازل کر کے دکھادوں گا۔ کاش! تم ظالموں کو اس حالت میں دیکھ سکوں جب کہ وہ سکرات موت میں ڈبکیاں کھا رہے ہوتے ہیں اور فرشتے ہاتھ بڑھا بڑھا کر کہہ رہے ہوتے ہیں: لاؤ نکالو اپنی جان۔ آج تمہیں ان باتوں کی پاداش میں ذلت کا عذاب دیا جائے گا جو تم اللہ پر تہمت رکھ کر ناحق بکا کرتے تھے اور اس کی آیات کے مقابلے میں سرکشی دکھاتے تھے۔''

1) اللہ ذوالجلال نے فرمایا:

((''قل انما حرم ربی الفواحش ماظھر منھا ومابطن والاثم والبغی بغیر الحق وان تشرکوا باللہ مالم ینزل بہ سلطانا وان تقولوا علی اللہ مالا تعلمون'')) (الاعراف 33)

''اے نبی! ان سے کہو کہ میرے رب نے جو چیزیں حرام کی ہیں وہ تو یہ ہیں بے شرمی کے کام، خواہ کھلے ہوں یا چھپے اور گناہ اور حق کے خلاف زیادتی اور یہ کہ اللہ کے ساتھ تم کسی ایسے کو شریک کرو جس کے لئے اس نے کوئی سند نازل نہیں کی اور یہ کہ اللہ کے نام پر تم کوئی ایسی بات کہو جس کے متعلق تمہیں علم نہ ہو۔''

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ پر جھوٹ باندھنے کی وعید...... احادیث کی روشنی میں:

((''عن علی قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تکذبوا علی فانہ من کذب علی فلیلج النار''))

(صحیح بخاری: 35/1) (صحیح مسلم: 9/1)

''سیدنا علی سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میری طرف جھوٹ گھڑ کر منسوب نہ کرو، کیونکہ جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا وہ آگ میں داخل ہوگا۔''

سیدنا عبداللہ بن الزبیر فرماتے ہیں:

''میں نے اپنے والد زبیر بن العوام سے دریافت کیا کہ آپ رسول اللہ ﷺ سے اس قدر احادیث بیان نہیں کرتے جتنی فلاں فلاں صحابہ بیان کرتے ہیں' تو انہوں نے فرمایا: میں بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہا ہوں، لیکن آپ سے سنے ہوئے فرمان (کہ جس نے میرے اوپر جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم کی آگ میں بنالے) کی وجہ سے ڈرتا ہوں کہ کہیں کوئی غلط بات آپ کی طرف منسوب ہو جائے اور اس کی پاداش میں میں سزا کا مستحق بن جاؤں۔'' (صحیح بخاری: 35/1)

((" قال انس :انه لیمنعني ان احدثکم حدیثا کثیرا ان النبی صلی اللہ علیه وسلم قال :من تعمد علی کذبا فلیتبوا مقعده من النار")) (صحیح بخاری :35/1) (صحیح مسلم :10/1)

"سیدنا انس فرماتے ہیں کہ مجھے زیادہ احادیث بیان کرنے میں آپ ﷺ کا یہ فرمان رکاوٹ ہے کہ جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم کی آگ بنالے۔"

((" عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنه عن النبی صلی اللہ علیه واله وسلم قال :تسموا باسمی ولاتکتنوا بکنیتی ومن رانی فی المنام فقدرانی فان الشیطان لایتمثل فی صورتی ومن کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعده من النار")) (صحیح بخاری :36/1)

"سیدنا ابوہریرۃ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میرے نام کے مطابق اپنے نام رکھو، لیکن میری کنیت اختیار نہ کرو اور جس نے خواب میں مجھے دیکھا یقیناً اس نے مجھے ہی دیکھا ہے، کیونکہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کرسکتا اور جس نے عمداً میری طرف غلط بات منسوب کی تو وہ اپنا مقام جہنم کی آگ میں بنالے۔"

((" عن سلمة بن الاکوع قال سمعت النبی صلی اللہ علیه وسلم یقول من یقل علی مالم اقل فلیتبوا مقعده من النار"))
(صحیح بخاری :35/1)

((" وفی مسلم من حدث عني بحدیث یری انه کذب فهو احد الکاذبین")) (مقدمه صحیح مسلم :9/1)

"سیدنا سلمہ بن اکوع کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا کہ جس نے مجھ پر وہ بات کہی جو میں نے نہیں کہی تو اس کا مقام جہنم کی آگ ہے۔"

صحیح مسلم کی ایک روایت اس طرح ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:
"جو شخص مجھ سے کوئی ایسی بات نقل کرے جسے وہ جھوٹ سمجھتا ہے تو وہ خود بھی جھوٹوں میں سے ایک ہے۔"

((" عن المغیرۃ بن شعبة قال :سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقول :ان کذبا علی لیس ککذب علی احد فمن کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعده من النار"))
(صحیح بخاری :81/8) (مقدمہ مسلم :11/1)

"سیدنا مغیرہ بن شعبہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھ پر جھوٹ بولنا عام آدمی پر

جھوٹ بولنے کی طرح نہیں ہے، کیونکہ جس نے مجھ پر جھوٹ بولا تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔"

((''عن واثلة بن الاسقع رضی اللہ عنهما عن النبی صلی اللہ علیه وسلم انه قال: ان من اعظم الفری ان یدعی الرجل الی غیر ابیه اویری عینه مالم تراویقول علی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم مالم یقل")) (صحیح بخاری مع الفتح 540/6)

''سیدنا واثلہ بن الاسقع سے روایت ہے: سب سے بڑا جھوٹ یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کی بجائے کسی اور کی طرف اپنی نسبت کرے، خواب دیکھنے کا جھوٹا دعویٰ کرے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف وہ بات منسوب کرے جو آپ کا فرمان نہیں۔"

((''عن ابی هریرة رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ماسمع"))

(مقدمہ صحیح مسلم: 10/1)

''سیدنا ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات آگے بیان کردے۔"

سیدنا عبداللہ بن مسعود کا قول ہے:

''جو بات لوگوں کے فہم سے بالاتر ہو اس کو بیان نہ کرو، ورنہ وہ کچھ لوگوں کے لئے گمراہی کا ذریعہ بن جائے گی۔" (مقدمہ صحیح مسلم: 11/1)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

''ہر سنی ہوئی بات کو آگے بیان کردینا کسی شخص کے جھوٹا ہونے کی کافی دلیل ہے۔"

(مقدمہ صحیح مسلم: 11/1)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''جو شخص ہر سنی ہوئی بات آگے نقل کردے وہ بچ نہیں سکتا اور نہ ہی کبھی امام بن سکتا ہے۔"

امام عبدالرحمٰن بن معدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''کوئی شخص بھی اپنی سنی ہوئی کچھ باتوں کو بیان کرنے سے باز آئے بغیر امام نہیں بن سکتا۔"

رسول اللہ پر جھوٹ کا حکم اور اس کی سزا:

1: جمہور اہل علم کے نزدیک رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بولنا عظیم گناہ اور بڑی تباہی کا سبب ہے، لیکن جھوٹ بولنے والا جب تک اس کام کو جائز سمجھ کر نہ کرے دائرہ اسلام سے خارج نہ ہوگا۔

2: بعض اہل علم رسول اللہ ﷺ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولنے والے کو کافر قرار دیتے ہیں، کیونکہ کسی حرام چیز کو حلال کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بولنے کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ اس حرام کو حلال سمجھتا

ہے اور کسی حرام کو حلال کرنا کفر کا کام ہے، اس لئے کفر پر آمادہ کرنے والا کام بھی کفر ہے۔ امام نووی اور حافظ حجر نے جمہور اہل علم کی رائے کو ترجیح دی ہے۔

3: حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بولنا گناہ کبیرہ اور دوسروں پر جھوٹ بولنا صغیرہ گناہ ہے۔ خود نبی کریم ﷺ نے بھی ان دونوں میں فرق کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

(("ان کذبا علی لیس ککذب علی احد"))

"میری طرف جھوٹ منسوب کرنا عام آدمی پر جھوٹ بولنے سے مختلف ہے۔"

اس لئے ان دونوں کی سزا ایک نہیں ہو سکتی۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان:

"جس نے میری طرف جھوٹ منسوب کیا وہ اپنا مقام جہنم میں بنا لے۔"

اس بات کی دلیل یہ ہے کہ آپ پر جھوٹ بولنے والا لمبی مدت یا ہمیشہ کے لئے آگ میں رہے گا، جبکہ قوی دلائل سے یہ بات ثابت ہے کہ جہنم میں دائمی قیام صرف کفار کے لئے ہے، اس لئے آپ پر جھوٹ بولنے والا ابدی جہنمی نہ ہوگا، بلکہ لمبی مدت تک جہنم میں رہے گا۔ واللہ اعلم۔! (فتح الباری: 302/1)

4: جس شخص نے ایک حدیث میں بھی قصداً آپ ﷺ پر جھوٹ بولا وہ فاسق بن گیا اور اس کی تمام روایات مردود اور نا قابل احتجاج ہو جائیں گی۔

5: رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ در حقیقت اللہ تعالیٰ پر جھوٹ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(("وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی"))

(سورۃ النجم، آیت نمبر 3 اور 4)

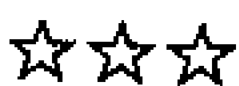
"اور وہ رسول اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کرتے، اس کی ہر بات وحی ہے جو اس پر اتاری جاتی ہے۔"

اس لئے رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ کا حکم اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق ہوگا:

(("قل یا ایھا الذین یفترون علی اللہ الکذب لا یفلحون"))

(یونس: 79)

"اے نبی! فرما دیجئے جو لوگ اللہ پر جھوٹے افتراء باندھتے ہیں وہ کامیاب نہ ہوں گے۔"



رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا دینا اور آپ کی معصیت سخت ترین جرم

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا دینا حرام ہے:

مطاع کی معصیت، اس کیلئے تکلیف ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ایذا کو حرام قرار دیا ہے۔ خواہ قولاً و فعلاً ہو یا اشارۃً، اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معصیت کو بھی حرام قرار دیا ہے، کیونکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا کا سبب بنتی ہے۔تو اہل ایمان کیلئے یہ کہاں جائز ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سبب ایذا بنیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینے والا ملعون اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہوتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر، احترام و اکرام لازم و واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا مبارک فرمان ہے:

((یایھا الذین امنوا لا تدخلوا بیوت النبی الا ان یوذن لکم الی طعام غیر نظرین انہ ولکن اذا دعیتم فادخلوا فاذا طعمتم فانتشروا و لا مستانسین لحدیث ان ذلکم کان یوذی النبی فیستحی منکم واللہ لا یستحی من الحق و اذا سالتموھن متاعاً فسئلوھن من وراء حجاب ذلکم اطھر لقلوبکم وقلوبھن وما کان لکم ان توذوا رسول اللہ ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابداً ان ذلکم کان عند اللہ عظیما))(الاحزاب:53)

"اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں نہ گھسو جب تک اذن نہ پاؤ۔ مثلاً: کھانے کیلئے بلائے جاؤ نہ یوں کہ خود اس کے پکنے کی راہ تکو۔ ہاں جب بلائے جاؤ تو حاضر ہو اور جب کھا چکو تو متفرق ہو جاؤ، نہ یہ کہ بیٹھے باتوں میں دل بہلاؤ۔ بے شک اس میں نبی کو ایذاء ہوتی تھی تو وہ تمہارا لحاظ فرماتے تھے اور اللہ حق فرمانے میں نہیں شرماتا اور جب تم ان سے برتنے کی کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر سے مانگو، اس میں زیادہ ستھرائی ہے تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کی اور تمہیں نہیں پہنچتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دو اور نہ یہ کہ ان کے بعد کبھی ان کی بیبیوں سے نکاح کرو۔ بے شک یہ اللہ کے نزدیک بڑی سخت بات ہے۔"

تو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو بغیر اجازت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں داخل ہونے سے منع فرمایا۔ جب کھانا کھا لیں تو پھر اہل بیت نبوی کا خیال رکھتے ہوئے طویل گفتگو کرنے نہ بیٹھ جائیں کیونکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایذاء کا سبب ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کمال حیاء کی وجہ سے منع نہیں فرماتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد نکاح نہ کریں وہ دنیا و آخرت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہیں اور اس پر اجماع ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس پر زیادہ سختی فرمائی:

((ان ذلکم کان عند اللہ عظیما))(الاحزاب:53)

"بے شک اللہ کے نزدیک بڑی سخت بات ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے اس ایذاء سے مطلع فرمایا جو منافقین آپ ﷺ کو دیا کرتے پھر حکم عام کر دیا کہ جو بھی اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کو ایذاء دے گا اس کیلئے عذاب الیم ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

((ومنھم الذین یوذون النبی ویقولون ھو اذن قل اذن خیر لکم یومن باللہ ویومن للمومنین ورحمۃ للذین امنوا منکم والذین یوذون رسول اللہ لھم عذاب الیم))(التوبہ:61)

"اور ان میں کوئی وہ ہیں کہ ان غیب کی خبریں دینے والے کو ستاتے ہیں اور کہتے ہیں وہ تو کان ہیں، تم فرماؤ تمہارے بھلے کیلئے کان ہیں، اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور مسلمانوں کی بات پر یقین کرتے ہیں اور جو تم میں مسلمان ہیں ان کے واسطے رحمت ہیں اور جو رسول اللہ کو ایذاء دیتے ہیں ان کیلئے دردناک عذاب ہے۔"

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنے رسول ﷺ کو ایذا دینے والوں کو وعید شدید سنائی خواہ وہ مخالفت آپ ﷺ کے حکم میں ہو یا جس سے آپ ﷺ نے منع فرمایا، اس کے ارتکاب کے ذریعے ہو یا آپ ﷺ کی ذات اقدس میں عیب نکالے، نقص نکالے یا آپ ﷺ پر طعن کرے یا کسی بھی ذریعہ سے آپ ﷺ کو تکلیف دے تو اللہ تعالیٰ اس پر دنیا و آخرت میں لعنت فرماتا ہے اور اس کے لئے رسوا کن عذاب ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی ایذاء اللہ تعالیٰ کی ایذاء ہے جیسا کہ آپ ﷺ کی اطاعت، اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور آپ ﷺ کی بیعت، اللہ تعالیٰ کی بیعت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((ان الذین یوذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاخرۃ واعدلھم عذابا مھینا)) (الاحزاب:57)

"بے شک جو ایذاء دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ نے ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

اس لیے حضور ﷺ نے اپنے اہل بیت اور صحابہ میں سے کسی کو بھی ایذاء پہنچانے سے منع فرمایا ہے، کیونکہ ان تمام کی ایذاء آپ ﷺ کی ایذاء ہے اور آپ ﷺ کی ایذا، اللہ تعالیٰ کی ایذاء ہے اور جس نے بھی اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول ﷺ کو ایذاء دی وہ ملعون ہے اور روز قیامت اس کیلئے رسوا کن عذاب ہے۔

آپ ﷺ کی اطاعت سے منہ موڑنا حرام ہے:

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر اپنی اطاعت اور اپنے رسول ﷺ کی اطاعت لازم فرمائی ہے اور ان پر ان

اطاعتوں کو چھوڑنا حرام قرار دیا ہے، جیسا کہ اس سے منہ موڑنا اور اس کو ترک کرنا حرام ہے کیونکہ آپ ﷺ سے منہ موڑنا اہلِ ایمان کی صفت نہیں بلکہ کفار وملحدین کی علامت ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے منہ موڑنے کو کفر فرمایا ہے۔ ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ اس منہ موڑنے کا نقصان آپ ﷺ کو نہیں بلکہ ان کی اپنی ذات کو ہے کیونکہ آپ ﷺ کا فریضہ تو اللہ کا پیغام پہنچانا تھا وہ آپ ﷺ نے پورا کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((یایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ ورسولہ ولا تولوا عنہ وانتم تسمعون ٥ ولا تکونوا کالذین قالوا سمعنا وھم لا یسمعون ٥ ان شر الدوآبّ عند اللہ الصم البکم الذین لا یعقلون ٥ ولو علم اللہ فیھم خیراً لا سمعھم ولو اسمعھم لتولوا وھم معرضون))(الانفال:20-23)

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور سن سنا کر اس سے نہ پھیرو اور ان جیسے نہ ہونا جنہوں نے کہا ہم نے سنا اور وہ نہیں سنتے۔ بے شک سب جانوروں میں بدتر اللہ کے نزدیک وہ ہیں جو بہرے گونگے ہیں جن کو عقل نہیں اور اگر اللہ ان میں کچھ بھلائی جانتا تو انہیں سنا دیتا اور اگر سنا دیتا جب بھی انجام کار منہ پھیر کر پلٹ جاتے۔''

اللہ تعالیٰ نے پہلے اہلِ ایمان کو اپنی اور اپنے حبیب ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا اور پھر انہیں آپ ﷺ کی مخالفت اور کفار کی مشابہت سے منع فرمایا۔ اسی لئے فرمایا:

((ولا تولوا عنہ))

''اس سے نہ پھیرو۔''

یعنی آپ ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری نہ ترک کرنا اور ان کفار ومنافقین کے مشابہ نہ ہونا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((ویقولون امنا باللہ وبالرسول واطعنا ثم یتولی فریق منھم من بعد ذلک وما اولئک بالمومنین ٥ واذا دعوا الی اللہ ورسولہ لیحکم بینھم اذا فریق منھم معرضون))(النور:47-48)

''اور کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ اور رسول پر اور حکم مانا، پھر کچھ ان میں سے اس کے بعد پھر جاتے ہیں اور وہ مسلمان نہیں اور جب بلائے جائیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف کہ رسول ان میں فیصلہ فرمائے تو جبھی ان کا ایک فریق منہ پھیر جاتا ہے۔''

یہ منافق کہتے تھے کہ ہم ایمان لے آئے ہیں، لیکن ان کے اعمال ان کے قول کی نفی کرتے، اپنی زبان سے

کہتے ہیں: ہم ایماندار ہیں مگر اپنے افعال سے اپنے اقوال کی تردید کرتے اور آپ ﷺ سے منہ موڑتے اور اعراض کرتے، اس لئے ان کے بارے میں فرمایا:

((وما اولئك بالمومنين))

"یہ لوگ مومن نہیں۔"

جب ان نازل شدہ تعلیمات میں اتباع نبوی ﷺ کا کہا جاتا ہے تو یہ اعراض کرتے ہوئے تکبر کرتے ہیں اور یہ فقط ان کے کفر وعناد کی وجہ سے ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے منہ موڑنے کی سزا بیان کی کہ یہ دنیا دار ہو چکے ہیں اور آپ ﷺ کے احکام کو ترک کر چکے ہیں۔ ان کے جہاد سے عذر بیان کرتے ہوئے فرمایا:

((ليس على الاعمى حرج ولا على الاعرج حرج ولا على المريض حرج ومن يطع الله ورسوله يدخله جنت تجرى من تحتها الانهر ومن يتول يعذبه عذابا اليما))(الفتح: 17)

"اندھے پر تنگی نہیں اور نہ لنگڑے پر مضائقہ اور نہ بیمار پر مواخذہ اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے اللہ اسے باغوں میں لے جائے گا اور جس نے منہ پھیر لیا اسے دردناک عذاب دے گا۔"

"ومن يطع الله ورسوله يدخله جنت" اور "من يتول يعذبه عذابا اليما"

میں مطابقت بھی ملاحظہ کیجئے۔ باقی عذاب دنیا میں بھی ہے اور آخرت میں بھی۔ ایک اور مقام پر فرمایا:

((قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله ويغفر لكم ذنوبكم والله غفور رحيم ○ قل اطيعوا الله والرسول فان تولوا فان الله لا يحب الكفرين))(آل عمران: 31-32)

"اے محبوب! تم فرما دو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ! اللہ تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ تم فرما دو کہ حکم مانو اللہ اور رسول کا، پھر اگر وہ منہ پھیریں تو اللہ کو پسند نہیں آتے کافر۔"

تو جس نے آپ ﷺ کے حکم کی مخالفت کی اللہ تعالیٰ اسے اپنا محبوب نہیں بناتا، یہ بات اس پر شاہد ہے کہ آپ ﷺ کے طریقہ اور مذہب میں مخالفت کفر ہے، اللہ تعالیٰ ایسی صفت والے کو پسند نہیں کرتا، اگرچہ وہ محبت اور تقرب کا مدعی ہو۔ ہاں اگر حضور ﷺ کی اتباع کرے تو پھر محبوب بن سکتا ہے، اس کے علاوہ تو گنجائش ہی نہیں۔ باقی جس نے منہ موڑا اس نے اپنے آپ کو ہلاک کیا، حضور ﷺ کو اس کا کیا نقصان؟ کیونکہ آپ ﷺ کی ذمہ داری پیغام الٰہی کا ابلاغ تھا وہ آپ ﷺ نے کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے شراب، جوا، انصاب اور ازلام کی حرمت بیان کرنے کے بعد فرمایا:

((واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول فان تولیتم فانما علی رسولنا البلغ المبین))(التغابن 12)

"اور اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو! پھر اگر تم منہ پھیر دتو جان لو کہ ہمارے رسول پر صرف صریح پہنچا دینا ہے۔"

رسالت (پیغام) اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، رسول پر ابلاغ اور ہم پر تسلیم واطاعت لازم ہے۔ جو اطاعت وعمل سے انکار کرے گا، اس کا بوجھ اسے اٹھانا ہوگا۔ بارگاہ خداوندی میں اسے پرسش ہوگی، وہ جو چاہے عذاب دے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا پیغام کامل طور پر پہنچا دیا۔

آپ ﷺ کی آواز پر بیٹھے رہنے والوں پر وعید

رسول اللہ ﷺ کے بلاوے کو جو بوجھ سمجھیں اور اس پر لبیک نہ کہیں اور بیٹھے رہیں ان پر اللہ تعالیٰ نے عتاب فرمایا ہے۔ کاش وہ آپ ﷺ کا فرمان سنتے ہی اطاعت واتباع کرتے تو یہ عمل ان کیلئے خیر، نفع بخش اور اجر کا ذریعہ بنتا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((ما کان لاھل المدینۃ ومن حولھم من الاعراب ان یتخلفوا عن رسول اللہ ولا یرغبوا بانفسھم عن نفسہ ذلک بانھم لا یصیبھم ظما ولا نصب ولا مخمصۃ فی سبیل اللہ ولا یطؤن موطئا یغیظ الکفار ولا ینالون من عدو نیلاً الا کتب لھم بہ عمل صالح ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین ○ ولا ینفقون نفقۃ صغیرۃ ولا کبیرۃ ولا یقطعون وادیاً الا کتب لھم لیجزیھم اللہ احسن ما کانوا یعملون))(التوبہ:120-121)

"مدینہ والوں اور اس کے گرد دیہات والوں کو لائق نہ تھا کہ رسول اللہ کے حکم کے باوجود بیٹھ رہیں اور نہ یہ کہ ان کی جان سے اپنی جان پیاری سمجھیں۔ یہ اس لئے کہ انہیں جو پیاس یا تکلیف یا بھوک اللہ کی راہ میں پہنچتی ہے اور جہاں ایسی جگہ قدم رکھتے ہیں جس سے کافروں کو غیظ آئے اور جو کچھ کسی دشمن کا بگاڑتے ہیں اس سب کے بدلے ان کیلئے نیک عمل لکھا جاتا ہے۔ بے شک اللہ نیکوں کا اجر ضائع نہیں کرتا اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں چھوٹا یا بڑا اور جو وادی بھی طے کرتے ہیں ان کے لئے اجر لکھا جاتا ہے تاکہ اللہ ان کے سب سے بہتر کاموں کا انہیں صلہ دے۔"

غزوہ تبوک کے موقعہ پر آپ ﷺ سے جو پیچھے رہے اور آپ ﷺ کے اعلان کو بوجھ محسوس کیا، آپ ﷺ کی اطاعت نہ کی، ان پر عتاب فرمایا کہ انہوں نے کس قدر اجر کھو دیا ورنہ انہیں جو پیاس لگتی، تھکتے، بھوکے رہتے، دشمن کا خوف لاحق ہوتا ان سب پر انہیں اجر ملتا، اسی طرح جو یہ خرچ کرتے خواہ صغیر یا کبیر، قلیل یا کثیر جو بھی یہ سفر میں

خرچ کرتے اللہ تعالیٰ ان کے عمل وجدوجہد پر جزا سے نوازتا، جیسے جیسے یہ اپنے اہل سے دور ہوئے، اپنے رب تعالیٰ کے قریب ہوجاتے، ان پیچھے رہنے والوں نے حد درجہ اجروثواب ضائع کردیا، اگر یہ رسول ﷺ کی اطاعت کرتے، آپ ﷺ کے ساتھ سفر میں نکل پڑتے تو انہیں تمام اجر ملتا، ثواب حاصل ہوتا اوران کے اعمال کو لکھ لیا جاتا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((الا تنصروه فقد نصره الله اذ اخرجه الذين كفروا ثاني اثنين اذهما في الغار اذ يقول لصاحبه لاتحزن ان الله معنا فانزل الله سكينة عليه وايده بجنود لم تروها ......))(التوبہ:40)

"اگر تم محبوب کی مدد نہ کروتو بے شک اللہ نے ان کی مدد فرمائی، جب کافروں کی شرارت سے انہیں باہر تشریف لے جانا ہوا۔ صرف دو جانیں، جب وہ دونوں غار میں تھے، جب اپنے یار سے فرماتے تھے: غم نہ کھا اللہ ہمارے ساتھ ہے تو اللہ نے اس پر اپنا سکینہ اتارا اوران فوجوں سے اس کی مدد کی جو تم نے نہ دیکھیں۔"

جب تم نے اللہ کے رسول ﷺ کی مدد نہ کی اللہ تو ان کا مددگار اور موید ہے اور وہ حفاظت کیلئے کافی ہے۔ اس کے بعد غارِ ثور کا واقعہ جو سیدنا صدیق اکبر کی معیت میں پیش آیا تھا، اس کا ذکر کیا تو جب آپ ﷺ کی بات کو بوجھ سمجھ کر بیٹھے رہنے والوں پر یہ عتاب ہے تو اعلانیہ اور بطورِ عناد نافرمانی کرنیوالے اور عملاً اطاعت نہ کرنے والے کا کیا حال ہوگا؟

رسول اللہ کی مخالفت ومعصیت سخت ترین حرام ہے:

اطاعت کا تقاضا عدمِ مخالفت ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا ہے تو یہ آپ ﷺ کے عدمِ مخالفت کا تقاضا کرتی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی مخالفت پر عذابِ الیم کی وعید سنائی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((لا تجعلوا دعا الرسول بينكم كدعاء بعضكم بعضا قد يعلم الله الذين يتسللون منكم لواذا فليحذر الذين يخالفون عن امره ان تصيبهم فتنة او يصيبهم عذاب اليم))(النور:63)

"رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے۔ بے شک اللہ جانتا ہے جو تم میں چپکے سے نکل جاتے ہیں کسی چیز کی آڑ لے کر تو ڈریں، وہ جو رسول کے حکم کے خلاف کرتے ہیں کہ انہیں کوئی فتنہ پہنچے یا ان پر دردناک عذاب پڑے۔"

پہلے اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کا بیان فرمایا کہ جب وہ آپ ﷺ کے پاس کسی معاملہ کیلئے جمع ہوں تو واپس اجازت کے بغیر نہ جائیں، جب اجازت طلب کریں تو آپ ﷺ جسے چاہیں اجازت دیں اوران کیلئے بخشش

مانگیں پھر تمام کو سمجھایا کہ آپ ﷺ کو اس طرح مخاطب نہ کیا کریں جیسے ایک دوسرے کو کرتے ہو۔ یا محمد، یا ابن عبد اللہ نہ کہو بلکہ عزت، تعظیم اور اکرام کرتے ہوئے یوں عرض کرو: یا رسول اللہ، یا نبی اللہ۔

یہ تمام ادب ہے جو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو سکھایا۔ اس کے بعد منافقین کا معاملہ چھیڑا جن پر گفتگو بوجھ بنتی ہے، وہ کوشش کرتے ہیں کسی بہانے مجلس رسول اللہ ﷺ سے نکل جائیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں متنبہ فرمایا کہ باز آ جاؤ ورنہ تمہیں کوئی فتنہ یا عذاب الیم گرفت میں لے لے گا یعنی دنیا میں قتل، حد، قہر اور آخرت میں جہنم کی آگ۔

پیچھے گزرا آپ ﷺ نے فرمایا:

((من احدث فی امرنا ما لیس منه فهو رد))

اسی لئے واضح کیا کہ جو شخص ظاہر و باطن میں آپ ﷺ کے طریق اور نہج کی مخالفت کرے گا وہ دنیا و آخرت میں ذلیل ہوگا۔ پیچھے حضرت ابو ہریرہ والی حدیث بھی گزری جس میں آپ ﷺ نے مثال دی تھی:

((فذلكم مثلی و مثلكم انا اخذ بحجز كم عن النار هلم عن النار هلم من النار فتغلبونی تقحمون فيها))

”یہ میری اور تمہاری مثال ہے میں تمہیں پیچھے سے پکڑ کر آگ سے دور کر رہا ہوں، آگ سے بچو تو تم مجھ سے چھڑا کر آگ میں گرنے کی کوشش میں ہو۔“

اللہ تعالیٰ نے ان مخالفین کو اس لئے ڈرایا ہے، کیونکہ جو کسی طریق پر زندگی بسر کرتا ہے اسے موت بھی اسی طریق پر آتی ہے، پھر اسے اس پر اٹھایا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ ہی ہے جو اپنی اطاعت وعبادت اور اپنے رسول ﷺ کی اطاعت واتباع کی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

اطاعت، مطاع کی بات تسلیم کرنے اور اس کی عدم مخالفت کا تقاضا کرتی ہے۔ اتباع تقاضا کرتی ہے کہ متبع متبوع کے پیچھے ہے، سمع تسلیم کی مقتضی ہوتی ہے، اس طرح مقتدا ہونا عدم تنازع کا تقاضا کرتا ہے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ جو فیصلہ دیں، جو حکم دیں یا منع فرمائیں ان میں آپ ﷺ سے تنازعت حرام ہے، عملاً اور قصداً آپ ﷺ کے طریق کے علاوہ طریق کو اختیار کرنا اور آپ ﷺ کی مخالفت کرنا، آپ ﷺ کے راستہ سے روکنا یہ تمام حرام ہے جس سے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔!

بنو نضیر یہود کے اخراج کا بیان کرتے ہوئے فرمایا:

((ولو لا ان كتب الله عليهم الجلاء لعذبهم فی الدنيا ولهم فی الاخرة عذاب النار ذلك بانهم شاقوا الله ورسوله و من يشاق الله فان الله شديد العقاب))(الحشر: 4,3)

”اور اگر نہ ہوتا کہ اللہ نے ان پر گھر سے اجڑنا لکھ دیا تھا تو دنیا ہی میں ان پر عذاب فرماتا اور ان کے لئے آخرت میں آگ کا عذاب ہے، یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے تو بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔“

غزوہ بدر میں حالت کفار بیان کرتے ہوئے اہل ایمان کو ملائکہ کے ذریعے استقامت کا تذکرہ فرمایا:

((اذ یوحی ربك الی الملٰئکة انی معکم فثبتوا الذین امنوا سالقی فی قلوب الذین کفروا الرعب فاضربوا فوق الاعناق واضربوا منھم کل بنان ○ ذلك بانھم شاقوا اللہ ورسولہ ومن یشاقق اللہ و رسولہ فان اللہ شدید العقاب ○ ذلکم فذوقوہ وان للکٰفرین عذاب النار))(الانفال:12-14)

''جب اے محبوب! تمہارا رب فرشتوں کو وحی بھیجتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم مسلمانوں کو ثابت رکھو۔عنقریب میں کافروں کے دلوں میں ہیبت ڈالوں گا تو کافروں کی گردنوں کے اوپر مارو اور ان کی ایک ایک پور (جوڑ) پر ضرب لگاؤ، یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اللہ کے رسول سے مخالفت کی اور جو اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کرے تو بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔ یہ تو چکھو اور اس کے ساتھ یہ ہے کہ کافروں کو آگ کا عذاب ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

((ومن یشاقق الرسول من بعد ماتبین لہ الھدی ویتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولی ونصلی جھنم وساء ت مصیرا))

(النساء:115)

''اور جو رسول کی مخالفت کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے، ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اس دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی۔''

اللہ تعالیٰ کا فرمان مبارک ہے:

((ان الذین کفروا وصدوا عن سبیل اللہ وشاقوا الرسول من بعد ماتبین لھم الھدی لن یضروا اللہ شیئا و سیحبط اعمالھم ○ یایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول ولا تبطلوا اَعما لکم))(محمد:32-33)

''بے شک وہ جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا اور رسول کی مخالفت کی بعد اس کے کہ ہدایت ان پر ظاہر ہو چکی تھی وہ ہرگز اللہ کا کچھ نقصان نہ پہنچا ئیں گے اور بہت جلد اللہ ان کا کیا دھرا اکارت کردے گا۔اے ایمان والو! اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور اپنے عمل باطل نہ کرو۔''

یہ کافر اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے، ہدایت کے بعد وہ ایمان سے بچھ

گئے، اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں، ان کی اپنی بربادی ہوگی، روز قیامت یہ خسارے والے بن گئے، ان کے اعمال رائیگاں ہوگئے، لہٰذا اے اہل ایمان! تم اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کو مضبوطی سے حاصل کرلو اور ڈرو اس سے کہیں تمہارے اعمال بھی اس طرح ضائع نہ ہوجائیں جیسے رسول ﷺ کی مخالفت کرنے والوں کے ہوگئے ہیں۔

ان مخالفت کرنے والوں نے آپ ﷺ کی راہ کو چھوڑ کر دوسری راہ کو اپنالیا، آپ ﷺ کے اس طریق سے نکل گئے جو آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے تھے، ان عام مسلمانوں کی راہ کو چھوڑ دیا جو انہوں نے اختیار کی اور سچے مومنین صادقین کے علاوہ راستے کی پیروی کرنے لگ گئے خواہ اہل ایمان کے اجماع کے خلاف ہو یا نص شریعت کے خلاف ہو تو جدھر یہ اپنی مرضی سے گئے، اللہ تعالیٰ نے انہیں ادھر ہی چھوڑ دیا اور یہ جہنم میں پہنچ گئے۔

رسول اللہ ﷺ کے مخالفت کی سزا جہنم ہے، اس میں اسے ذلیل کرکے ڈالا جائے گا، اس کے اعمال رائیگاں، آخرت میں اس کی عذاب الیم، کیونکہ حقیقی مخالفین کافر اور یہود تھے تو انہوں نے دنیا و آخرت میں اس کی سزا پائی۔ اہل ایمان کو چاہیے کہ وہ ان کی تقلید نہ کریں، ان کی مثل نہ بنیں تاکہ ان جیسی سزا ان کو نہ بھگتنا پڑے۔

آپ ﷺ سے مخالفت اور محاوت بھی حرام ہے کیونکہ یہ اہل ایمان کی صفات ہی نہیں بلکہ یہ کفار و منافقین کی صفات ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((ان الذین یحادون اللہ و رسولہ کبتوا کما کبت الذین من قبلھم وقد انزلنا ایت بینت وللکفرین عذاب مھین))(المجادلہ 5)

''بے شک وہ جو مخالفت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی ذلیل کیے گئے جیسے ان سے اگلوں کو ذلت دی گئی اور بے شک ہم نے روشن آیتیں اتاریں اور کافروں کیلئے خواری کا عذاب ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے مخالفت کرنیوالوں کو خوب ننگا کردیا کہ یہ لوگ ذلیل و رسوا، دنیا و آخرت میں تباہ حال اور بد بخت ہیں کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے عناد و مخالفت والا برتاؤ کیا:

((ان الذین یحادون اللہ ورسولہ اولئك فی الاذلین))

(المجادلہ:20)

''بے شک وہ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں وہ سب سے زیادہ ذلیلوں میں ہیں۔''

پھر ان کی آخرت کی سزا بیان کی کہ وہ دائمی جہنم و آگ ہے، منافقین کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا:

((یحلفون باللہ لکم لیرضوکم واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ ان کانوا مومنین الم یعلموا انہ من یحادد اللہ ورسولہ فان لہ

نار جهنم خالدا فيها ذلك الخزی العظيم))(التوبہ 63,62)

''تمہارے سامنے اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ تمہیں راضی کر لیں اور اللہ ورسول کا حق زائد تھا کہ اسے راضی کرتے اگر ایمان رکھتے تھے۔ کیا انہیں خبر نہیں کہ جو خلاف کرے اللہ اور اس کے رسول کا تو اس کیلئے جہنم کی آگ ہے کہ ہمیشہ اس میں رہے گا، یہی بڑی رسوائی ہے۔''

یہاں بھی نہایت ہی قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ ذکر دو ذاتوں کا ہے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا مگر ضمیر واحد ہے پڑھیں:

((و الله و رسوله احق ان يرضوه))

''اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ حق دار ہیں کہ انہیں راضی کیا جائے۔''

''یرضوہما'' نہیں فرمایا۔ اس کے بعد مخالفت کرنے والے کی سزا بیان کی کہ وہ آگ میں دائمی داخلہ ہے جو سب سے بڑی رسوائی ہے، ان آیات کا تعلق منافقین سے ہے ان پر یہ رد کیا گیا کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں جب وہ سچے ہیں تو سب سے زیادہ آپ ﷺ حقدار ہیں کہ انہیں راضی کیا جائے، ان کی مخالفت ومخاصمت انہیں جہنم میں لے جائے گی اور وہ سب سے بڑی ذلت ہے، پھر اہل ایمان کو متنبہ کیا کہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے مخالف ہیں ان کے ساتھ محبت نہ کرو اگر چہ وہ تمہارے کتنے عزیز واقارب ہی ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

((لا تجد قوما يومنون بالله واليوم الاخر يوآدون من حاد الله ورسوله ولو كانوا ابا هم او ابنا ء هم او اخوانهم او عشير تهم اولئك كتب في قلوبهم الايمان وايدهم بروح منه ويد خلهم جنت تجری من تحتها الانهر خلدين فيها رضی الله عنهم و رضوا عنه اولئك حزب الله الا ان حزب الله هم المفلحون))

(المجادلہ:22)

''تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور قیامت کے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی، اگر چہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں، یہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرمادیا اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد کی اور انہیں باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہیں، ان میں ہمیشہ رہیں، اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی، یہ اللہ کی جماعت ہے۔ بے شک اللہ کی جماعت کامیاب ہے۔''

حضرت ابوعبیدہ بن جراح نے بدر کے دن اپنے کافر والد کو قتل کیا۔ سیدنا صدیق اکبر نے بدر کے دن اپنے بیٹے کو قتل کرنے کا ارادہ فرمایا۔ حضرت مصعب بن عمیر نے بدر کے دن اپنے بھائی عبید بن عمیر کو قتل کر دیا۔ حضرت عمر فاروق نے قریبی رشتہ دار کو بدر کے دن قتل کر دیا۔ جیسا کہ حضرت علی، حضرت حمزہ اور حضرت عبیدہ بن حارث

نے عتبہ، شیبہ اور ولید بن عتبہ کو قتل کیا۔

یہ ہے سچے مومنوں کی شان، اللہ تعالیٰ ان پر رحمتوں کا نزول فرمائے اور انہیں اکرام واحترام سے جنات میں داخل فرمائے۔ وہ کامیاب ہوئے کیونکہ وہ اللہ کا لشکر تھے جبکہ شیطان کا لشکر کافر قتل ہو گئے تو جب آپ ﷺ کی مخالفت والے کافر ومنافق ہیں تو اہل ایمان کو ایسے احوال سے دور رہنا لازم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنی نبی وصفی ﷺ کی اطاعت، اقتداء اور اتباع کا حکم دیا ہے، اس طرح آپ ﷺ کی معصیت کو حرام قرار دیتے ہوئے واضح اور کھلی گمراہی فرمایا ہے۔ اگر عقیدہ میں معصیت ہو تو ایسے عاصی کیلئے عذاب شدید اور دائمی جہنم ہوتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کا اس پر ایسا عذاب مقرر فرمانا عاصی کے گناہ کی عظمت پر دال ہے اور اس لئے اہل ایمان کیلئے اثم، عدوان اور معصیت رسول ﷺ کے بارے میں سرگوشی کرنا حرام کر دیا کیونکہ یہ تمام چیزیں کفار ومنافقین کی صفات ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

((الم تر الی الذین نھوا عن النجوی ثم یعودون لما نھوا عنه ویتنجون بالاثم والعدوان و معصیت الرسول واذا جاء وك حیوك بما لم یحیك به الله و یقولون فی انفسھم لو لا یعذبنا الله بما نقول حسبھم جھنم یصلونھا فبئس المصیر ٥ یایھا الذین امنوا اذا تنا جیتم فلا تتنا جوا بالاثم والعدوان و معصیت الرسول و تناجوا بالبر والتقوىٰ واتقوا الله الذی الیه تحشرون)) (المجادلہ: 8-9)

''کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جنہیں بری مشاورت سے منع فرمایا گیا تھا۔ پھر وہی کرتے ہیں جس کی ممانعت ہوئی تھی اور آپس میں گناہ اور حد سے بڑھنے اور رسول کی نافرمانی کے مشورے کرتے ہیں اور جب تمہارے حضور حاضر ہوتے تو ان لفظوں سے تمہیں مجرا کرتے ہیں جو لفظ اللہ نے تمہارے اعزاز میں نہ کہا اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ اللہ عذاب کیوں نہیں کرتا ہمارے اس کہنے پر۔ انہیں جہنم کافی ہے، اس میں دھنسیں گے تو کیا ہی برا انجام۔ اے ایمان والو تم جب آپس میں مشاورت کرو تو گناہ اور حد سے بڑھنے اور رسول کی نافرمانی کی مشاورت نہ کرو اور نیکی اور پرہیزگاری کی مشاورت کرو اور اللہ سے ڈرو جس کی طرف اٹھائے جاؤ گے۔''

اللہ تعالیٰ نے یہود اور کفار کے بارے میں بتایا کہ وہ اثم، عدوان اور رسول کی معصیت کے بارے میں سرگوشیاں کرتے ہیں، ان کیلئے عذاب جہنم کافی ہے۔ اے اہل ایمان! تم ایسی سرگوشیوں سے بچو، تم کفار ومنافقین کی طرح نہ بنو بلکہ تم پر نیکی اور تقویٰ کی سرگوشیاں لازم ہیں۔

جب کسی مومن پر ایمان سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں۔

((بل الله يمن عليكم ان هدكم للايمان))

”بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمہیں اسلام کی ہدایت کی۔“

اور نعمت رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں۔

((لقد من الله على المومنين اذ بعث فيهم رسولا من انفسهم))

(آل عمران:164)

”بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا۔“

اسی لئے اہل ایمان پر آپ ﷺ کی معصیت حرام فرمادی۔ فرعون نے اپنے رسول (حضرت موسیٰ کلیم اللہ) کی معصیت کی تو اسے عذاب شدید کی سزا ہوئی، اسی طرح جو حضور ﷺ کی معصیت اختیار کرے اسے بھی ایسی ہی سزا ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

((انا ارسلنا اليكم رسولا شاهدا عليكم كما ارسلنا الى فرعون رسولا ○ فعصى فرعون الرسول فاخذنه اخذا وبيلا ○ فكيف تتقون ان كفر تم يوما يجعل الولدان شيبا))(المزمل 15-17)

”بے شک ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجے کہ تم پر حاضر ناظر ہیں جیسے ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجے تو فرعون نے اس رسول کا حکم نہ مانا تو ہم نے اسے سخت گرفت سے پکڑا، پھر کیسے بچو گے اگر کفر کرو اس دن جو بچوں کو بوڑھا کردے گا۔“

اگر تم نے بھی حضور ﷺ کی تکذیب کی تو تمہیں بھی وہی سزا ہوگی جو فرعون کو دی گئی اور اللہ تعالیٰ تمہیں سخت پکڑے گا، رسول اللہ ﷺ کی معصیت صرف مردوں سے مخصوص نہیں خواتین کو بھی شامل ہے۔ جس طرح مردوں سے سرزد ہوسکتی ہے خواتین سے بھی ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا: تم خواتین سے بیعت لو اس میں عدم معصیت رسول ﷺ کی شرط بھی لگاؤ۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((يايها النبى اذا جاء ك المومنت يبايعنك على ان لا يشركن بالله شيئا ولا يسرقن ولا يزنين ولا يقتلن اولادهن ولا ياتين ببهتان يفترينه بين ايدهن))(الممتحنه:12)

”اے نبی! جب تمہارے حضور مسلمان عورتیں حاضر ہوں اس پر بیعت کرنے کو کہ اللہ کا کچھ شریک نہ ٹھہرائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ وہ بہتان لائیں گی جسے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان یعنی موضع ولادت میں اٹھائیں اور کسی نیک بات میں تمہاری نافرمانی نہ کریں گی تو ان سے بیعت لو اور اللہ سے ان کی مغفرت چاہو، بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔“

تو آپ ﷺ ہمیشہ انہی شرائط پر بیعت لیا کرتے تھے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر مہاجرہ خاتون کے سامنے مذکورہ آیت رکھتے جو ان شرائط کو مان لیتی، فرماتے: میں نے تجھے بیعت کرلیا ہے۔

((ولا واللہ ما مست ید امراۃ قط فی المبایعۃ ما یبایعن الا بقولہ قد بایعتک علی ذلک))(بخاری، کتاب التفسیر)

''اللہ کی قسم! بیعت کرتے ہوئے آپ ﷺ کے ہاتھ نے عورت کے ہاتھ کو کبھی نہیں چھوا صرف زبان سے فرماتے: میں نے تمہیں بیعت کرلیا ہے۔''

حضرت امیمہ بنت رقیقہ کا بیان ہے کہ میں خواتین کے ساتھ آپ ﷺ سے بیعت ہونے کیلئے حاضر ہوئی۔ ہم نے عرض کیا:

''یارسول اللہ ﷺ! ہم آپ ﷺ کی اس پر بیعت کرتی ہیں، اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گی، چوری نہیں کریں گی، زنا اور اولاد کو قتل نہیں کریں گی، کسی پر بہتان نہیں لگائیں گی اور کسی بھی معروف میں آپ ﷺ کی معصیت نہیں کریں گی۔''

آپ ﷺ نے فرمایا: ساتھ کہو: جتنی ہم طاقت رکھتی ہیں۔ پھر میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ!

((اللہ ورسولہ ارحم لنا من انفسنا ھلم تبایعک یا رسول اللہ))

''اللہ ورسول ﷺ تو ہماری ذاتوں سے بھی بڑھ کر رحیم ہیں، آپ ﷺ ہاتھ دیجئے تاکہ ہم بیعت کریں۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

((انی لا اصافح النساء انما قولی لمائۃ امراۃ کقولی لا مراۃ واحدۃ))(الموطا، کتاب السیعۃ)

''میں خواتین سے مصافحہ نہیں کیا کرتا اور ایک سو خواتین کیلئے میرا قول اسی طرح ہے جیسے ایک کے لئے۔''

تو آپ ﷺ نے جب بھی بیعت لی تو مناسبت کے حوالے سے اپنی شرائط پر بیعت لی۔ اب آپ ﷺ کے آخری سالوں میں یہ بیعت کے بارے میں روایت ملاحظہ کیجئے۔

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ میں نے نماز عید رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ متعدد دفعہ ادا کی ہے۔ نماز پہلے اور خطبہ بعد میں ہوا کرتا، ایک موقعہ پر آپ ﷺ منبر سے نیچے تشریف لائے، میں آج بھی دیکھ رہا ہوں آپ ﷺ دست اقدس سے لوگوں کو بیٹھنے کا فرمارہے ہیں۔ پھر آپ ﷺ بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ خواتین میں تشریف لے گئے۔ یہ آیت تلاوت فرمائی:

((یایھا النبی اذا جاءک المومنت یبایعنک علی ان لا یشرکن

بِاللّٰہِ شَیْئًا وَّلَا یَسْرِقْنَ وَلَا یَزْنِیْنَ وَلَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَھُنَّ وَلَا یَاْتِیْنَ بِبُھْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَہٗ بَیْنَ اَیْدِیْھِنَّ وَاَرْجُلِھِنَّ)) (الممتحنہ:12)

''اے نبی ﷺ! جب تمہارے حضور مسلمان عورتیں حاضر ہوں اس پر بیعت کرنے کو کہ اللہ کا کچھ شریک نہ ٹھہرائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ وہ بہتان لائیں گی جسے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان یعنی موضع ولادت میں اٹھائیں۔''

اور پوچھا:

''تم سب کو یہ شرائط منظور ہیں۔؟''

ایک خاتون نے نمائندگی کرتے ہوئے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ منظور ہیں۔ فرمایا:

''صدقات دو۔''

حضرت بلال نے کپڑا اچھایا اور خواتین نے سونے کی بالیاں اور انگوٹھیاں اس میں پھینک دیں۔

(بخاری، کتاب التفسیر)

یہ روایت حیات کے آخری زمانے کی ہے، کیونکہ یہ مسلم ہے کہ حضرت ابن عباس مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد آئے تھے، بلکہ آپ ﷺ نے بعض بدری صحابہ سے بھی اسی طرح کی بیعت لی تھی ان میں بعض نقباء بھی تھے۔

حضرت عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے بیعت لی:

''تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ گے، چوری، زنا، اولاد کو قتل، بہتان بازی، نہیں کرو گے اور معروف میں میری نافرمانی نہیں کرو گے، جو ان شرائط کو پورا کرے گا اس کا اجر اللہ کے ذمے، جس نے کسی کا ارتکاب کیا دنیا میں اس کی سزا ہوگی، وہ اس کا کفارہ ہے اور جس پر اللہ تعالیٰ نے پردہ ڈال دیا وہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہے۔ چاہے معاف فرمادے، چاہے عذاب دے۔''

تو ہم نے ان شرائط پر آپ ﷺ کی بیعت کی۔

(بخاری، کتاب الایمان)

صحابہ کرام کا اپنے رسول اور اپنے محبوب ﷺ کی اطاعت اور عدم معصیت میں عظیم کردار ہے۔ اگر کوئی معاملہ ان پر دشوار ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اور اس امت پر رحمت و شفقت فرماتے ہوئے اس میں تخفیف فرمادی، جب ہم اس امت کو اور سابقہ امتوں کو دیکھتے تو فرق عظیم پاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہود کے بارے میں فرمایا:

((وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا وَیَکْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَہٗ وَھُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَھُمْ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْبِیَآءَ اللّٰہِ مِنْ قَبْلُ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۔ ○ وَلَقَدْ جَآءَکُمْ مُّوْسٰی بِالْبَیِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِہٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ○

واذ اخذنا میثاقکم ورفعنا فوقکم الطور خذوا ما اتینکم بقوہ واسمعوا قالوا سمعنا وعصینا واشربوا فی قلوبھم العجل بکفر ھم قل بئسما یا مر کم بہ ایمانکم ان کنتم مومنین))

(البقرہ:91-93)

''اور جب ان سے کہا جائے کہ اللہ کے اتارے پر ایمان لاؤ تو کہتے ہیں وہ جو ہم پر اترا اس پر ایمان لاتے ہیں اور باقی سے منکر ہوتے ہیں، حالانکہ وہ حق ہے، ان کے پاس والے کی تصدیق فرماتا ہوا۔ تم فرماؤ کہ پھر اگلے انبیاء کو کیوں شہید کیا اگر تمہیں اپنی کتاب پر ایمان تھا اور تمہارے پاس موسیٰ کھلی نشانیاں لے کر تشریف لائے، پھر تم نے اس کے بعد بچھڑے کو معبود بنالیا اور تم ظالم تھے اور (یاد کرو) جب ہم نے تم سے پیمان لیا اور کوہ طوز کو تمہارے سروں پر بلند کیا اور فرمایا: لو جو ہم تمہیں دیتے ہیں زور سے اور سنو۔ بولے ہم نے سنا اور نہ مانا اور ان کے دلوں میں بچھڑا رچ رہا تھا ان کے کفر کے سبب۔ تم فرمادو کیا برا حکم دیتا ہے تم کو تمہارا ایمان اگر ایمان رکھتے ہو۔''

دوسرے مقام پر انہی کے بارے میں فرمایا:

((من الذین ھادوا یحرفون الکلم عن مواضعہ ویقولون سمعنا و عصینا واسمع غیر مسمع وراعنا لیا بالسنتھم وطعنا فی الدین ولو انھم قالوا سمعنا واطعنا واسمع وانظرنا لکان خیرا لھم واقوم ولکن لعنھم اللہ بکفر ھم فلا یومنون الا قلیلا))

(النساء:46)

''کچھ یہودی کلاموں کو ان کی جگہ سے پھیرتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور نہ مانا اور سنئے آپ سنائے نہ جائیں اور راعنا کہتے ہیں زبانیں پھیر کر اور دین میں طعنہ کیلئے اور اگر وہ کہتے کہ ہم نے سنا اور مانا اور حضور ہماری بات سنیں اور حضور ہم پر نظر فرمائیں تو ان کیلئے بھلائی اور راستی میں زیادہ ہوتا لیکن ان پر تو اللہ نے لعنت کی ان کے کفر کے سبب تو یقین نہیں رکھتے مگر تھوڑا۔''

وہ کیسا ایمان تھا جس نے انہیں عدم اطاعت اور نافرمانی کی اجازت دی؟ انہوں نے معصیت اختیار کی بچھڑے کی عبادت کی۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کو شہید کیا، اپنی کتاب میں تحریف کر دی، تعلیمات حق کا انکار کیا، اپنے رب اور اپنے رسول علیہ السلام کی نافرمانی کی اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کے سبب ان پر لعنت فرمائی اور ان میں سے اکثریت ایمان نہ لائی، حضور ﷺ کا معاملہ بحمد اللہ ان کے برعکس ہے، اطاعت و فرمانبرداری، سمع و تسلیم میں یہ ضرب المثل ٹھہرے اور تو اور خود اللہ تعالیٰ نے ان کی گواہی دی۔

جب اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی نازل ہوا:

((للہ ما فی السموات وما فی الارض وان تبدوا ما فی انفسکم

او تخفوه يحاسبكم به الله فيغفر لمن يشاء و يعذب من يشاء والله على كل شيء قدير))(البقره 284)

''اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اگر تم ظاہر کرو جو کچھ تمہارے دل میں ہے یا چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا تو جسے چاہے گا بخشے گا اور جسے چاہے گا سزا دے گا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

صحابہ کرام پر یہ معاملہ گراں گزرا اور اس آیت سے خوف زدہ ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر بڑے اور چھوٹے عمل پر ہمارا محاسبہ ہوگا، یہ ان کے قوی ایمان اور صدق یقین اور حسن خیال کی علامت تھی تو وہ گھٹنوں کے بل رونے لگے تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم منسوخ فرما دیا۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت مذکورہ نازل ہوئی تو صحابہ آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں آئے گھٹنوں کے بل ہو کر عرض کرنے لگے:

''ہمیں پہلے ہی کافی احکام دیئے ہوئے ہیں، نماز، روزہ، جہاد اور صدقہ۔ اب آپ ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اس کی طاقت ہمارے اندر نہیں۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

کیا تم اہل کتاب کی طرح یہ کہنا چاہتے ہو؟

((سمعنا و عصينا بل قولوا سمعنا واطعنا غفرانك ربنا واليك المصير))

''ہم نے سنا اور ہم نے نافرمانی کی؟ بلکہ کہو: ہم نے سنا، اطاعت کی، اپنی بخشش عطا فرما اے ہمارے رب! اور تیری طرف ہی پلٹنا ہے۔''

صحابہ نے عرض کیا: ہم یہی کہیں گے:

((سمعنا واطعنا غفرانك ربنا واليك المصير))

''ہم نے سنا اطاعت کی اے ہمارے رب! تیری بخشش اور تیری طرف پلٹنا ہے۔''

تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمادی:

((امن الرسول بما انزل اليه من ربه والمومنون كل امن بالله وملئكته وكتبه و رسله لا نفرق بين احد من رسله و قالوا سمعنا واطعنا غفرانك ربنا واليك المصير))(البقره:285)

''رسول ایمان لائے اس پر جو ان کے رب کے پاس سے اس پر اترا اور ایمان والے سب نے مانا اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابیں اور اس کے رسولوں کو۔ یہ کہتے ہوئے کہ ہم اس کے کسی

رسول پر ایمان لانے میں فرق نہیں کرتے اور عرض کی کہ ہم نے سنا اور مانا تیری معافی ہو اے رب ہمارے اور تیری ہی طرف پلٹنا ہے۔''

جب صحابہ کرام نے اس کے مطابق کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم منسوخ فرماتے ہوئے یہ آیت نازل فرمادی:

((لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا لھا ما کسبت وعلیھا ما اکتسبت ربنا لا تواخذنا ان نسینا او اخطانا ربنا ولا تحمل علینا اصرا کما حملتہ علی الذین من قبلنا ربنا ولا تحملنا مالا طاقۃ لنا بہ واعف عنا واغفرلنا وارحمنا انت مولنا فانصرنا علی القوم الکفرین))(البقرہ:286)

''اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر، اس کا فائدہ ہے جو اچھا کمایا اور اس کا نقصان ہے جو برائی کمائی۔ اے رب ہمارے! ہمیں نہ پکڑ ہم بھولیں یا چوکیں۔ اے رب ہمارے! اور ہم پر بھاری بوجھ نہ رکھ جیسا تو نے ہم سے اگلوں پر رکھا تھا۔ اے رب ہمارے! اور ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہم میں برداشت نہ ہو اور ہمیں معاف فرمادے اور بخش دے اور ہم پر رحم فرما تو ہمارا مولیٰ ہے تو کافروں پر ہمیں مدد دے۔''

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

((وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ))

''اگر تم ظاہر کرو جو کچھ تمہارے جی میں ہے یا چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا۔''

صحابہ کے دل پریشان ہوئے تو آپ ﷺ نے انہیں فرمایا تم یہ کہو:

((سمعنا واطعنا وسلما))

''ہم نے سنا، قبول کیا اور تسلیم کیا۔''

تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایمان ڈال دیا اور یہ آیت نازل ہوئی:

((لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا لھا ما کسبت وعلیھا ما اکتسبت ربنا لا تواخذنا ان نسینا او اخطانا ربنا ولا تحمل علینا اصرا کما حملتہ علی الذین من قبلنا))(البقرہ:286)

''اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر اس کا فائدہ ہے جو اچھا کمایا اور اس کا نقصان ہے جو برائی کمائی۔ اے رب ہمارے! ہمیں نہ پکڑ اگر ہم بھولیں یا چوکیں۔ اے رب ہمارے! اور ہم پر بھاری بوجھ نہ ڈال جیسا تو نے ہم سے اگلوں پر رکھا تھا۔''

((واغفرلنا وارحمنا انت مولنا))(البقرہ:286)

''اور ہمیں معاف فرما دے اور بخش دے اور ہم پر رحم کر تو ہمارا مولیٰ ہے۔''
اللہ نے اس امت پر رحمت کرتے ہوئے دل کے تصورات سے درگزر فرما دیا۔
حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
((ان الله تجاوز لامتي ما حدثت به انفسها مالم يتكلموا او يعملوا به))(بخاری، کتاب الطلاق)
''اللہ تعالیٰ نے میری امت سے اس معاملہ میں درگزر کی ہے جو ان کے دل سوچتے ہیں جب تک اسے منہ پر نہ لائے یا اس پر عمل نہ کرے۔''
جب انہوں نے تسلیم کر لیا، سمع و اطاعت کا اعلان کر دیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر رحمت و شفقت کرتے ہوئے ان کے دلوں کے تصورات سے درگزر فرما لیا بخلاف سابقہ امتوں کے، انہوں نے تبرو انکار کر کے مخالفت کی۔
آپ ﷺ نے ہمیں ان دونوں آیات کی تلاوت کا حکم دیا ہے۔
حضرت ابو مسعود انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
((من قرا بالا يتين من آخر سورة البقرة في ليلة كفاته))
(بخاری، فضائل القرآن)
''جس نے رات کو سورۂ بقرہ کی آخری دو آیات پڑھ لیں اس کے لئے کافی ہیں۔''
مومن کو چاہیے وہ ان آیات میں بار بار غور کرے کہ تسلیم کرنے والے اور مطیع کو کیا کیا حاصل ہوتا ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ سے ثواب، عفو اور مغفرت حاصل کر سکے اور وہ تو غفور و رحیم ہے۔
رسول اللہ ﷺ کی معصیت کھلی گمراہی ہے کیونکہ مسلمان تو اطاعت و فرمانبرداری کرنے والا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:
((وما كان لمومن ولا مومنة اذا قضى الله ورسوله امرا ان يكون لهم الخيرة من امرهم ومن يعض الله و رسوله فقد ضل ضلا مبينا))(الاحزاب:36)
''اور نہ کسی مسلمان مرد نہ مسلمان عورت کو پہنچتا ہے کہ جب اللہ و رسول کچھ حکم فرما دیں تو انہیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار رہے اور جو حکم نہ مانے اللہ اور اس کے رسول کا وہ بے شک صریح گمراہی میں بہکا۔''
کبھی معصیت رسول ﷺ کفر ہوتی ہے جس کی سزا دائمی جہنم کا عذاب ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
((قل اني لن يجيرني من الله احد ولن اجد من دونه ملتحدا ٥

الا بلغا من اللہ ورسلتہ ومن یعص اللہ ورسولہ فان لہ نار جہنم خلدین فیھا ابدا ○ حتی اذا راوا ما یوعدون فیعلمون من اضعف ناصرا و اقل عددا))(الجن:22-24)

''تم فرماؤ ہرگز مجھے اللہ سے کوئی نہ بچائے گا اور ہرگز اس کے سوا کوئی پناہ نہ پاؤں گا مگر اللہ کا پیغام پہنچاتا اور اس کی رسالتیں اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم نہ مانے تو بے شک ان کیلئے جہنم کی آگ ہے جس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں، یہاں تک کہ جب دیکھیں گے جو وعدہ دیا جاتا ہے تو اب جان جائیں گے کہ کس کا مددگار کمزور اور کس کی گنتی کم۔''

جب وہ جہنم میں داخل ہوں گے وہاں وعدہ کے مطابق عذاب پائیں گے مگر مددگاروں کو کمزور دیکھیں گے بخلاف مومنین صادقین اور فرمانبرداروں کے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے دونوں فریقوں کا حال بیان فرمادیا ہے۔ سچے اہل ایمان مخلص فرمان برداروں کے لئے جنت ہے، وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ عاصی، مخالف کافروں کے لئے رسوا کن عذاب اور دائمی جہنم کی سزا ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا مبارک فرمان ہے:

((تلک حدود اللہ ومن یطع اللہ و رسولہ یدخلہ جنت تجری من تحتھا الانھر خلدین فیھا و ذلک الفوز العظیم ○ ومن یعص اللہ و رسولہ ویتعد حدودہ یدخلہ نارا خالدا فیھا ولہ عذاب مھین))(النساء:13-14)

''یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جو حکم مانے اللہ اور اللہ کے رسول کا، اللہ اسے باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں رواں، ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہی ہے بڑی کامیابی اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی کل حدوں سے بڑھ جائے اللہ اسے آگ میں داخل کرے گا جس میں ہمیشہ رہے گا اور اس کیلئے خواری کا عذاب ہے۔''

تو مطیع کی جزاء دائمی جنت اور عظیم کامیابی اور عاصی کی سزا دائمی جہنم اور رسوا کن عذاب۔ اگر آپ ﷺ کی اطاعت لازم وفرض نہ ہوتی تو مطیع دائمی جنت اور فوز عظیم کا مستحق کیسے بن گیا، اس طرح اگر آپ ﷺ کی معصیت کبیرہ نہ تھی تو عاصی دائمی جہنمی کیوں بن گیا؟ اس لئے روز قیامت معصیت کا مرتکب جب اپنا عذاب وعقاب دیکھے گا اور اہل اطاعت کیلئے ثواب وانعامات دیکھے گا تو نادم ہوگا مجھ سے غلطی ہوگئی کاش میں معصیت کا مرتکب نہ ہوتا لیکن اب سوائے افسوس کے کچھ نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید وجئنابک علی ھؤلاء شھیدا ○ یومئذ یود الذین کفروا وعصوا الرسول لو تسوی

بهم الارض ولا يكتمون الله حديثا))(النساء: 41-42)

''تو کیسا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں اور اے محبوب! تمہیں ان پر گواہ اور نگہبان بنا کر لائیں۔ اس دن تمنا کریں گے وہ جنہوں نے کفر کیا اور رسول کی نافرمانی کی، کہ انہیں مٹی میں دبا کر زمین برابر کر دی جائے اور کوئی بات اللہ سے نہ چھپا سکیں گے۔''

اس خوفناک منظر میں اللہ تعالیٰ نے کفر اور معصیت رسول کو متصل کر دیا ہے۔ اس دن اللہ تعالیٰ اہل ایمان گنہگاروں کو معافی دے گا اور کفار و مخالفین کو ذلیل فرمائے گا تو وہ تمنا کریں گے: کاش! ہم مٹی ہو جائیں، اگر انکار کریں تو ان کے جوارح بول کر گواہی دیں گے، حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ سے کچھ چھپا نہیں سکتے، اسی لئے وہ یہ کہیں گے:

((ويوم يعض الظالم على يديه يقول يليتنى اتخذت مع الرسول سبيلا ٥ يويلتى ليتنى لم اتخذ فلانا خليلا ٥ لقد اضلنى عن الذكر بعد اذ جاء نى و كان الشيطن للانسان خزولا))

''اور جس دن ظالم اپنے ہاتھ چبا لے گا کہ ہائے کسی طرح میں نے رسول کے ساتھ راہ لی ہوتی، ہائے خرابی میری! ہائے کسی طرح میں نے فلانے کو دوست نہ بنایا ہوتا، بے شک اس نے مجھے بہکا دیا میرے پاس آئی ہوئی نعمت سے اور شیطان آدمی کو بے مدد چھوڑ دیتا ہے۔''

کیا وہاں ندامت فائدہ دے گی؟ ہرگز نہیں۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو حکم دیا کہ اہل معصیت سے برأت کا اظہار کریں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((وانذر عشيرتك الا قربين ٥ واخفض جنا حك لمن اتبعك من المومنين ٥ فان عصوك فقل انى برى مما تعملون))

(الشعراء: 214-216)

''اور اے محبوب! اپنے قریب تر رشتہ داروں کو ڈراؤ اور اپنی رحمت کا بازو بچھاؤ اپنے پیرو مسلمانوں کیلئے تو اگر وہ تمہارا حکم نہ مانیں تو فرما دو میں تمہارے کاموں سے بے علاقہ ہوں۔''

یہاں ''انی بری مما تعملون'' کے الفاظ نہایت ہی قابل توجہ ہیں۔ آپ ﷺ اہل معصیت کے اعمال سے برأت کا اعلان فرما رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے جس یہودی، نصرانی یا کسی اور نے آپ ﷺ کو پایا مگر آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کی تعلیمات پر ایمان نہ لایا تو وہ کافر ہے اور جہنم کا مستحق ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''قسم ہے اس ذات اقدس کی مجھے اگر کسی یہودی یا نصرانی نے پایا مگر وہ مجھ پر ایمان نہ لایا تو وہ جہنمی ہے۔'' (مسلم، کتاب الایمان)۔

اسی لئے آپ ﷺ نے اپنی امت کو حسب طاقت اپنے احکام بجالانے اور تمام نواہی سے بچنے کا حکم دیا اور آپ ﷺ نے ایسا حکم ہی نہیں دیا جس کی طاقت نہ ہو، معصیت میں یہ شرط نہیں کہ قول ہی کی مخالفت ہو، وہ فعل کی مخالفت کی صورت میں بھی ہوسکتی ہے۔ کبھی آپ ﷺ کا عمل، نہی میں قول سے بلند وابلغ ہوسکتا ہے اس کا مخالف، عاصی ہوگا۔

حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان میں مکہ کی طرف سفر فرمایا، تمام نے روزہ رکھا ہوا تھا، جب مقام کراع الغمیم میں پہنچے تو روزہ کے شاق ہونے کے بارے میں آپ ﷺ سے عرض کیا گیا۔ آپ ﷺ نے پانی کا پیالہ منگوا کر بلند فرمایا تا کہ لوگ دیکھ لیں، پھر وہ پی لیا، اس کے بعد لوگوں نے افطار کرلیا، بعض نے نہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ عاصی ہیں یہ عاصی ہیں۔ (مسلم، کتاب الصیام)

سفر میں افطار وصوم دونوں جائز ہیں لیکن جب شاق ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ نے افطار فرمادیا اور آپ ﷺ کا افطار (فعل) آپ ﷺ کے امر سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے، جب بعض نے افطار نہ کیا تو وہ عاصی ٹھہرے کیونکہ آپ ﷺ ان کی مشقت کی وجہ سے افطار فرمایا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے نافرمان کے لئے دخول نار کی سزا رکھی ہے، جیسا کہ مطیع کے لئے دخول جنت کا انعام رکھا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"میری تمام امت جنت میں جائے گی مگر جس نے انکار کیا۔"

صحابہ نے عرض کیا:

یارسول اللہ ﷺ

((ومن یابی ؟))

"انکاری کون ہے؟"

آپ ﷺ نے فرمایا:

((من اطاعنی دخل الجنة ومن عصانی فقد ابی))(بخاری، کتاب الاعتصام)

"جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔"

اس طرح کی روایت ابن حبان اور طبرانی نے اوسط میں ثقہ رجال سے حضرت ابو سعید خدری سے اور امام احمد اور حاکم نے حضرت ابوامامہ سے بھی روایت کی ہے۔ (مسند احمد 5-258)

اور یہ اس لئے ہے کہ جس نے رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی وہ اللہ کا نافرمان ٹھہرا جس نے آپ ﷺ کو اپنا رسول بنایا ہے جیسا کہ آپ ﷺ کی اطاعت بجالانے والے نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جس نے آپ ﷺ کو بھیجا ہے۔

حضرت جبرائیل سے فرشتوں کی گفتگو گزری ہے۔ جس میں تھا:

((فمن اطاع محمدا ﷺ فقد اطاع الله و من عصى محمدا ﷺ فقد عصى الله و محمد ﷺ فرق بين الناس))

(بخاری، کتاب الاعتصام)

''جس نے حضرت محمد ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے حضرت محمد ﷺ کی نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ حضرت محمد ﷺ کی ذات گرامی لوگوں کے درمیان وجہ امتیاز ہے۔''

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من اطاعنی فقد اطاع الله و من عصانی فقد عصى الله))

(بخاری، کتاب الجہاد)

''جس نے میری اطاعت کی اس نے بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔''

معصیت کے اسباب:

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں پیدا کیا، فرشتوں کو حکم سجدہ دیا تو ابلیس کے علاوہ سبھی نے سجدہ کیا۔ اس نے تکبر کیا اور انہیں حقیر جانا تو وہ معصیت کی وجہ سے لعنتی اور دھتکار دیا گیا، اس کا دھوکہ حضرت آدم علیہ السلام کے جنت سے نکلنے کا سبب بنا، اس نے درخت کے بارے میں خیر خواہی کرتے ہوئے قسم اٹھائی! اللہ تعالیٰ نے تینوں کو جنت سے نکال دیا (حضرت آدم وحوا علیہما السلام اور ابلیس) ابلیس نے حضرت آدم کی اولاد سے انتقام کی ٹھانتے ہوئے یہ حلف اٹھایا:

''وہ کسی کو مطیع نہیں رہنے دے گا، کہیں وہ جنت میں نہ چلے جائیں اور حضرت آدم کے گروہ میں شامل نہ ہو جائے، اللہ تعالیٰ سے تاقیامت زندگی مانگی تاکہ آپ علیہ السلام کی اولاد کو بھٹکا سکے۔''

اللہ تعالیٰ نے اسے مہلت دے دی، اولاد آدم کو اس خبیث دشمن سے آگاہ کر دیا کہ یہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور انہیں اس کی اتباع سے ڈرایا، اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور اپنی نبی ﷺ کی زبان سے اس کے طریقے، ہتھکنڈے، وسائل گمراہی تفصیل کے ساتھ بیان فرمائی اور اس کی اتباع کا نتیجہ نار جہنم کی صورت میں بتا دیا، اب جو شخص ابلیس کی اطاعت کرے گا، اس کی راہ کو اپنا لے گا، اس کے پیچھے لگے گا وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا عاصی و نافرمان ہوگا۔

ابلیس کے مخلوق کو گمراہ کرنے کیلئے دو اہم وسائل ہیں:

1: شہوات۔

2: اتباع ہوا و خواہش۔

مرسلان کرام کی اطاعت اور شیطان کی اطاعت کبھی بھی کسی بندے کے دل میں جمع نہیں ہوسکتیں بلکہ ان میں سے ایک ہی ہوگی۔

((فمن یکفر بالطاغوت ویومن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقی))(البقرہ:256)

''تو جو شیطان کو نہ مانے اور اللہ پر ایمان لائے اس نے بڑی محکم گرہ تھامی۔''

ہم یہاں کچھ آیات قرآنی کا تذکرہ کرتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو شیطان سے متنبہ کیا ہے اور اس کا انسان کیلئے اعمال باطلہ کو مزین کرکے پیش کرنا بیان فرمایا ہے، تاکہ وہ اسے گمراہ کرسکے۔

اور ایک مقام پر فرمایا:

((ان الشیطن لکم عدو فاتخذوہ عدوا انما یدعوا حزبہ لیکونوا من اصحب السعیر))(فاطر:6)

''بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے تو تم بھی اسے دشمن سمجھو وہ تو اپنے گروہ کو اسی لئے بلاتا ہے کہ دوزخیوں میں ہوں۔''

اللہ تعالیٰ نے اتباع شیطان کو اس کی عبادت فرمایا ہے، انسان اپنے دشمن کی عبادت کیسے کرسکتا ہے؟ اس بات کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا:

((الم اعہد الیکم یبنی ادم ان لا تعبدوا الشیطن انہ لکم عدو مبین))(یٰسین:50)

''اے اولادِ آدم! کیا میں نے تم سے عہد نہ لیا تھا کہ شیطان کو نہ پوجنا بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔''

شیطان، انسان پر کئی راستوں سے حملہ آور ہوتا ہے، اسے مختلف رغبتیں دلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے دور لے جانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس سے شریعت کی مخالفت اور معاصی ومنکرات کا ارتکاب کرواتا ہے تاکہ وہ اس کے لشکر کا سپاہی بن جائے جو جہنمی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((استحوذ علیہم الشیطن فانسہم ذکر اللہ اولئک حزب الشیطن الا ان حزب الشیطن ہم الخسرون))(المجادلہ:19)

''ان پر شیطان غالب آگیا تو انہیں اللہ کی یاد بھلا دی۔ وہ شیطان کے گروہ ہیں۔ خبردار بے شک شیطان ہی کا گروہ خسارے میں ہے۔''

ایک مقام پر فرمایا:

((انما یرید الشیطن ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی

الخمرو المیسر ویصد کم عن ذکر اللہ وعن الصلوۃ فھل انتم منتھون))(المائدہ: 91)

''شیطان یہی چاہتا ہے کہ تم میں بیر اور دشمنی ڈلوادے شراب اور جوئے میں اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روکے تو کیا تم باز آئے۔؟''

صحابہ نے عرض کیا:

''ہاں! ہم باز آگئے۔''

فرمان باری تعالیٰ ہے:

((وزین لھم الشیطن اعمالھم))

(الانفال:48)(النمل:63)(النحل:24)(العنکبوت:38)(الانعام:43)

''اور شیطان نے ان کے اعمال ان کی نگاہ میں سنوارے۔''

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((واذ قلنا للملئکۃ اسجدوا لادم فسجدوا الا ابلیس قال اسجد لمن خلقت طینا ○ قال ارایتك ھذا الذی کرمت علی لئن اخرتنی الی یوم القیمۃ لا حتنکن ذریتہ الا قلیلا ○ قال اذھب فمن تبعك منھم فان جھنم جزاوکم جزاء موفورا ○ واستفزز من استطعت منھم بصوتك واجلب علیھم بخیلك ورجلك وشارکم فی الاموال والا ولا د وعدھم وما یعدھم الشیطن الا غرورا ○ ان عبادی لیس لك علیھم سلطن وکفی بربك وکیلا))(بنی اسرائیل: 61-65)

''اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ان سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، بولا: کیا میں اسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے بنایا، بولا: دیکھ تو جو یہ تو نے مجھ سے معزز رکھا اگر تو نے مجھے قیامت تک مہلت دی تو ضرور میں اس کی اولاد کو پیس ڈالوں گا مگر تھوڑے۔ فرمایا: دور ہو تو ان میں جو تیری پیروی کرے گا تو بے شک سب کا بدلہ جہنم ہے، بھرپور سزا اور وہ ان میں سے جس پر قدرت پاتا ہے اسے بہکاتا ہے اپنی آواز سے اور ان پر فوج چڑھالا اپنے سواروں اور پیادوں کا اور ان کا ساجھی ہو مالوں اور بچوں میں اور وعدہ دیتا ہے اور شیطان انہیں وعدہ نہیں دیتا مگر فریب سے۔ بے شک جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا کچھ قابو نہیں اور تیرا رب کافی ہے کارساز۔''

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((کمثل الشیطن اذ قال للانسان اکفر فلما کفر قال انی بری ء منك انی اخاف الله رب العالمین o فکان عاقبتهما انهما فی النار خالدین فیها و ذلك جزاء الظلمین))(الحشر 16-17)

''شیطان کی مثال جب اس نے آدمی سے کہا کہ کفر کر، پھر جب اس نے کفر کرلیا تو بولا: میں تجھ سے الگ ہوں۔ میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو سارے جہان کا رب ہے تو ان دونوں کا انجام یہ ہوا کہ وہ دونوں آگ میں ہیں ہمیشہ اس میں رہیں گے اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

((ان الشیطن لکم عدو فاتخذوه عدوا انما یدعوا حزبه لیکونوا من اصحب السعیر))(فاطر 6)

''بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے، بے شک وہ اور اس کا گروہ اس لئے بلاتا ہے کہ تاکہ لوگ دوزخیوں میں ہوں۔''

دوسرے مقام پر فرمایا ہے:

((یٰبنیٓ آدم لا یفتننکم الشیطن کما اخرج ابویکم من الجنة ینزع عنهما لباسهما لیریهما سواتهما انه یرکم هو و قبیله من حیث لا ترونهم انا جعلنا الشیطن اولیآء للذین لا یؤمنون))

(الاعراف:27)

''اے آدم کی اولاد! خبردار! تمہیں شیطان فتنہ میں نہ ڈالے جیسا تمہارے ماں باپ کو بہشت سے نکالا۔ اتروادی ان کی شرم کی چیزیں تاکہ وہ انہیں دیکھیں۔ بے شک وہ اور اس کا کنبہ تمہیں وہاں سے دیکھتے ہیں کہ تم انہیں نہیں دیکھتے۔ بے شک ہم نے شیطانوں کو ان کا دوست کیا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔''

شیطان کی تین راہیں: شیطان کے انسان پر حملہ آور ہونے کی تین اہم راہیں ہیں:

1: نفس۔ 2: شہوات۔ 3: ھویٰ۔

اللہ تعالیٰ نے ان تینوں سے انسان کو متنبہ فرمایا ہے۔

نفس برائی کا حکم دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((ان النفس لا مارة بالسوء الا مارحم ربی))(یوسف:53)

''بے شک نفس تو برائی کا بڑا حکم دینے والا ہے مگر جس پر میرا رب رحم کرے۔''

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((ونفس وما سوها ○ فالهمها فجورها وتقوها ○ قد افلح من زكها وقد خاب من دسها))(الشمس:7-10)

''اور قسم جان کی اور اس کی جس نے اسے ٹھیک بنایا، پھر اس کی بدکاری اور اس کی پرہیز گاری دل میں ڈالی، بے شک مراد کو پہنچایا جس نے اسے ستھرا کیا اور نامراد ہوا جس نے اسے معصیت میں چھپایا۔''

نفس لوامہ وہ ہے جو اپنے صاحب کو خطا، تقصیر وعصیان پر ملامت کرتا ہے:

((ولا اقسم بالنفس اللوامة))(القیمہ:2)

''اور اس جان کی قسم جو اپنے اوپر ملامت کرے۔''

نفس مطمئنہ، پھر راضیہ، پھر مرضیہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

((يايها النفس المطمئنة ○ ارجعي الى ربك راضية مرضية ○ فادخلي في عبادي ○ وادخلي جنتي))

''اے اطمینان والی جان! اپنے رب کی طرف واپس ہو یوں کہ تو اس سے راضی، وہ تجھ سے راضی پھر میرے خاص بندوں میں داخل ہو اور میرے جنت میں آ۔''

جب نفس اس کامل مرتبہ کو پالیتا ہے تو اب وہ اللہ کے بندوں ''عبادی'' میں شامل ہو جاتا ہے۔ اب شیطان اس پر حملہ آور نہیں ہو سکتا، اب اس کا کوئی کنٹرول اس پر نہیں جیسا کہ فرمایا:

((ان عبادی لیس لك علیهم سلطن))(بنی اسرائیل65، الحجر 62)

''بے شک جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا کچھ قابو نہیں۔''

اور ایک جگہ فرمایا:

((انه ليس له سلطن على الذين امنوا وعلى ربهم يتوكلون))
(النحل:99)

''بے شک اس کا کوئی قابو ان پر نہیں جو ایمان لائے اور اپنے رب ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔''

خود ابلیس کی زبانی بتایا:

((فبعزتك لا غوينهم اجمعين ○ الا عبادك منهم المخلصين))
(ص:82-83)

''تیری عزت کی قسم! ضرور میں ان سب کو گمراہ کر دوں گا مگر جو ان میں تیرے چنے ہوئے بندے ہیں۔''

خود باری تعالیٰ نے اس کی زبان سے نقل فرمایا:

((رب فانظرني الى يوم يبعثون ○ قال فانك من المنظرين ○ الى يوم الوقت المعلوم ○ قال رب بما اغويتني لا زينن لهم في

الارض ولا غوینهم اجمعین ٥ الا عبادك منهم المخلصین ٥ قال هذا صراط علی مستقیم ٥ ان عبادی لیس لك علیهم سلطن الا من اتبعك من الغوین ٥ وان جهنم لموعدهم اجمعین))

''اے میرے رب! تو مجھے مہلت دے اس دن تک کہ وہ اٹھائے جائیں۔ فرمایا تو ان میں سے ہے جن کو اس معلوم وقت کے دن تک مہلت ہے۔ بولا: اے رب میرے! قسم اس کی کہ تم نے مجھے گمراہ کیا! میں انہیں زمین میں بھلاوے دوں گا اور ضرور میں ان سب کو بے راہ کروں گا مگر جو ان میں تیرے چنے ہوئے بندے ہیں۔ فرمایا: یہ راستہ سیدھا میری طرف آتا ہے، بے شک میرے بندوں پر تیرا کچھ قابو نہیں، سوا ان گمراہوں کے جو تیرا ساتھ دیں اور بے شک جہنم ان سب کا وعدہ ہے۔''

جو پہلے تین نفوس والے لوگ ہیں ان پر شیطان کا تسلط اور کنٹرول ہوتا ہے، لیکن جب نفس کامل ہو جاتا ہے تو پھر شیطان حملہ آور نہیں ہو سکتا ہاں جب غفلت ہو جائے۔

((ان الذین اتقوا اذا مسهم طٰئف من الشیطن تذکروا فاذا هم مبصرون))(الاعراف: 201)

''بے شک وہ جو ڈر والے ہیں جب انہیں کسی شیطانی خیال کی ٹھیس لگتی ہے ہوشیار ہو جاتے ہیں، اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔''

اس لئے ہر نفس کے اعمال کا محاسبہ رکھا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

((لیجزی الله کل نفس ما کسبت))(ابراهیم :51)

''اس لئے کہ اللہ ہر جان کو اس کی کمائی کا بدلہ دے۔''

دوسرے مقام پر ہے:

((ان الساعة اتیة اکاد اخفیها لتجزی کل نفس بما تسعی))(طه:15)

''بے شک قیامت آنے والی ہے، قریب تھا کہ میں اسے سب سے چھپاؤں کہ ہر جان اپنی کوشش کا بدلہ پائے۔''

جب نفس، اطاعت کرنیوالوں کا اجر و ثواب دیکھے گا اور اپنی عقوبت و سزا کو تو پھر پچھتائے گا مگر اب کیا فائدہ؟

((ان تقول نفس یحسرتی علی ما فرطت فی جنب الله وان کنت من السخرین))(الزمر: 56)

''کہیں کوئی جان یہ نہ کہے کہ ہائے افسوس! ان تقصیروں پر جو میں نے اللہ کے بارے میں کیں اور بے شک میں ہنسی بنایا کرتا تھا۔''

انسان کو جو پریشانیاں اور سزائیں ملتی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس نفس کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

((وما اصابك من سيئة فمن نفسك))(النساء:79)

''اور جو برائی پہنچے وہ تیری اپنی طرف سے ہے۔''

حضرت ابو سعید اور حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ما يصيب المسلم من نصب ولا وصب ولا هم ولا حزن ولا اذى ولا غم حتى الشوكة يتالها الا كفر الله بها من خطايا))

(بخاری)

''مسلمان کو جو تکلیف، پریشانی، تنگی، غم اور حزن حتیٰ کہ کانٹا چبتا ہے اس کی جگہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔''

جس نے اپنے نفس کو کنٹرول کر لیا اور اپنے رب سے ڈرتا رہا اس کا ٹھکانہ جنت ہے۔

خواھشات: انسان کیلئے مختلف اشیاء دنیوی مزین کی گئیں، اگر وہ انہیں اطاعت الٰہی میں خرچ کرے تو وہ خیر ہوتی ہیں اور اگر تکبر، فخر وغرور، اللہ تعالیٰ سے دوری اور اس کی نافرمانی میں خرچ کرے تو شر بن جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا مبارک ارشاد ہے:

((زين للناس حب الشهوت من النساء والبنين والقناطير المقنطرة من الذهب والفضة والخيل المسومة والانعام والحرث ذلك متاع الحيوة الدنيا والله عنده حسن الماب قل او نبكم بخير من ذلكم للذين اتقوا عند ربهم جنت تجرى من تحتها الانهر خالدين فيها وازواج مطهرة و رضوان من الله والله بصير بالعباد))(آل عمران:14-15)

''لوگوں کیلئے آراستہ کی گئی ان خواہشوں کی محبت عورتیں اور بیٹے اور ڈھیر لگے سونے چاندی سے اور نشان کیے ہوئے گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی سے۔ یہ سب دنیا کی پونجی ہے اور اللہ ہے جس کے پاس اچھا ٹھکانا۔ تم فرماؤ کیا میں تمہیں اس سے بہتر چیز بتا دوں؟ پرہیزگاروں کیلئے ان کے رب کے پاس جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں رواں، ہمیشہ ان میں رہیں گے اور ستھری بیویاں اور اللہ کی خوشنودی اور اللہ بندوں کو دیکھتا ہے۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

((فخلف من بعدهم خلف اضاعوا الصلوة واتبعوا الشهوت فسوف يلقون غيا))(مريم:59)

''تو ان کے بعد ان کی جگہ وہ ناخلف آئے جنہوں نے نمازیں گنوائیں اور اپنی خواہشوں کے پیچھے ہوئے تو عنقریب وہ دوزخ میں غی کا جنگل پائیں گے۔''

شہوات کی اتباع، شیطان کا حکم ہوتا ہے کیونکہ برائی کا حکم وہی دیتا ہے وہ اطاعت کا حکم نہیں دیتا، ورنہ وہ بڑی اطاعت کیوں نہ کرتا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((يايها الذين امنوا لا تتبعوا خطوت الشيطن ومن يتبع خطوت الشيطن فانه يأمر بالفحشاء والمنكر))(النور:21)

''اے ایمان والو! شیطان کے قدموں پر نہ چلو اور جو شیطان کے قدموں پر چلے تو وہ تو بے حیائی اور بری ہی بات بتائے گا۔''

((يايها الناس كلوا مما في الارض حلالا طيبا ولا تتبعوا خطوت الشيطن انه لكم عدو مبين انما يامركم بالسوء والفحشاء وان تقولوا على الله ما لا تعلمون))(البقره:168-169)

''اے لوگو کھاؤ جو کچھ زمین میں حلال پاکیزہ ہے اور شیطان کے قدم پر قدم نہ رکھو۔ بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ وہ تو تمہیں حکم دے گا بدی اور بے حیائی کا اور یہ کہ اللہ کی طرف منسوب کرو جس کی تمہیں خبر نہیں۔''

اس بارے میں بہت سی آیات ہیں کہ شیطان فواحش اور منکرات کا حکم دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ ایسا کوئی حکم نہیں دیتا۔

اھواء (خواھشیں): اس پر بھی بہت سی نصوص ہیں مگر بعض کا تذکرہ کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((افمن كان على بينة من ربه كمن زين له سوء عمله واتبعوا اهواء هم))(محمد:14)

''تو کیا جو اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہو اس جیسا ہوگا جس کے برے عمل اسے بھلے دکھائے گئے اور وہ اپنی خواہشوں کے پیچھے چلے۔''

آگے فرمایا:

((ومنهم من يستمع اليك حتى اذاخرجوا من عندك قالوا

للذین اوتوا العلم ماذا قال انفا اولئك الذین طبع الله علی قلوبھم واتبعوا اھواء ھم))(محمد:16)

''اور ان میں سے بعض تمہارے ارشاد سنتے ہیں یہاں تک کہ جب تمہارے پاس سے نکل کر جائیں علم والوں سے کہتے ہیں ابھی انہوں نے کیا فرمایا؟ یہ ہیں وہ جن کے دلوں پر اللہ نے مہر کردی اور اپنی خواہشوں کے تابع ہوئے۔''

تو اتباع خواہش وہی لوگ کرتے ہیں جو گمراہ اور اپنے نفوس پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اتباع خواہش سے منع فرمایا ہے، سب سے سخت خواہش کا بندہ وہ ہوتا ہے جو اسے اپنا معبود بنا کر اس کی اتباع کرتا ہے اور کبھی اس کی مخالفت نہیں کرتا، اسی لئے ایسے لوگوں کی اقتداء اور اتباع سے منع کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ کا مبارک فرمان ہے:

((واتل علیھم نبأ الذی اتینه ایاتنا فانسلخ منھا فاتبعه الشیطن فکان من الغوین ○ ولو شئنا لرفعنه بھا ولکنه اخلد الی الارض واتبع ھواہ))(الاعراف:175-176)

''اور اے محبوب! انہیں اس کا احوال سناؤ جسے ہم نے اپنی آیتیں دیں تو وہ ان سے صاف نکل گیا تو شیطان اس کے پیچھے لگا تو گمراہوں میں ہوگیا اور ہم چاہتے تو آیتوں کے سبب اسے اٹھا لیتے مگر وہ تو زمین پکڑ گیا اور اپنی خواہش کا تابع ہوا۔''

اللہ تعالیٰ کا یہ بھی فرمان ہے:

((بل اتبع الذین ظلموا اھواء ھم بغیر علم فمن یھدی من اضل الله وما لھم من نصرین))(الروم:29)

''بلکہ ظالم اپنی خواہشوں کے پیچھے ہو لئے بے جانے، تو اسے کون ہدایت کرے جسے خدا نے گمراہ کیا اور ان کا کوئی مددگار نہیں۔''

مشرکین کے بارے میں فرمایا:

((ان یتبعون الا الظن وما تھوی الانفس))(النجم 23:)

''وہ تو نرے گمان اور نفس کی خواہشوں کے پیچھے ہیں۔''

اتباع ھوی سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

((یایھا الذین امنوا کونوا قوّٰمین بالقسط شھداء لله ولو علی انفسکم اوالوالدین والا قربین ان یکن غنیا او فقیرا فالله اولی بھما فلا تتبعوا الھوی ان تعدلوا وان تلوٗا او تعرضوا فان الله

کان بما تعملون خبیرا))(النساء:135)

''اے ایمان والو! انصاف پرخوب قائم ہوجاؤ اللہ کیلئے گواہی دیتے، چاہے اس میں تمہارا نقصان ہو یا ماں باپ کا یا رشتہ داروں کا، جس پر گواہی دو وہ غنی ہو یا فقیر ہو بہر حال اللہ کو اس کا سب سے زیادہ اختیار ہے تو خواہش کے پیچھے نہ جاؤ کہ حق سے الگ پڑو اور اگر تم ہیر پھیر کرو یا منہ پھیرو تو اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بیان فرمادیا کہ اتباع ھوا گمراہ کردیتی ہے:

((یا داوٗد انا جعلنٰك خلیفة فی الارض فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الھوی فیضلك عن سبیل اللہ ان الذین یضلون عن سبیل اللہ لھم عذاب شدید بما نسوا یوم الحساب))

(ص:26)

''اے داؤد! بے شک ہم نے تجھے زمین میں نائب کیا تو لوگوں میں سچا حکم کر اور خواہش کے پیچھے نہ جانا کہ تجھے اللہ کی راہ سے بہکا دے گی، بیشک وہ جو اللہ کی راہ سے بہکتے ہیں ان کیلئے سخت عذاب ہے اس پر کہ وہ حساب کے دن کو بھول بیٹھے۔''

سب سے بدتر یہ ہے کہ انسان ھوا کو خدا بنالے اور اس کی سمع واطاعت اختیار کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

((ارایت من اتخذ الٰھه ھواہ افانت تکون علیه وکیلا))

(الفرقان:43)

''کیا تم نے اسے دیکھا جس نے اپنی جی کی خواہش کو اپنا خدا بنالیا تو کیا تم اس کی نگہبانی کا ذمہ لو گے۔''

((افرایت من اتخذ الٰھه ھوٰہ واضله اللہ علیٰ علم وختم علیٰ سمعه وقلبه وجعل علیٰ بصرہ غشوۃ فمن یھدیه من بعد اللہ افلا تذکرون))(الجاثیه:23)

''بھلا دیکھو تو وہ جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا ٹھہرالیا اور اللہ نے اسے باوصف علم کے گمراہ کیا اور اس کے کان اور دل پر مہر لگادی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈالا اور اللہ کے بعد اسے کون راہ دکھائے تو کیا تم دھیان نہیں کرتے۔''

جب انسان خواہش کو خدا بنالے تو اب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اسے ہدایت نہیں دے سکتا۔ اس لئے اللہ نے اصحاب ھوا کی اتباع سے منع فرمار کھا ہے، کیونکہ وہ تو راستوں میں متفرق ہوکر ہر وادی میں ٹھوکریں کھارہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

((ولا تتبعوا اھواء قوم قدضلوا من قبل واضلوا کثیرا وضلوا

عن سواء السبيل))(المائدہ:77)

''اور ایسے لوگوں کی خواہش پر نہ چلو جو پہلے گمراہ ہو چکے اور بہت سارے لوگوں کو گمراہ کیا اور سیدھی راہ سے بہک گئے۔''

اپنے نبی ﷺ کی زبان اقدس سے کہلوایا:

((قل انی نهيت ان اعبد الذين تدعون من دون الله قل لا اتبع اهواء كم قد ضللت اذا وما انا من المهتدين))(الانعام:56)

''تم فرماؤ مجھے منع کیا گیا ہے کہ انہیں پوجوں جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو۔ تم فرماؤ میں تمہاری خواہش پر نہیں چلتا یوں ہو تو میں بہک جاؤں۔''

پھر فرمایا:

((ولا تتبع اهواء الذين كذبوا بايتنا))(الانعام:150)

''اور ان کی خواہش کے پیچھے نہ چلنا جو ہماری آیتیں جھٹلاتے ہیں۔''

ایسی بہت سی آیات ہیں۔

(البقرہ145,129، المائدہ49,48، الرعد37، المومنون71، الشورہ15، الجاثیہ18، القمر3)

اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات میں اپنے نبی ﷺ کو کفار کی عدم اتباع کا فرمایا کیونکہ وہ اتبع اھواء کے بندے ہیں اور اس کی اتباع کی وجہ سے راہ گم کر چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا مبارک فرمان ہے:

((فان لم يستجيبوا لك فاعلم انما يتبعون اهواء هم ومن اضل ممن اتبع هواه بغير هدى من الله ان الله لا يهدى القوم الظلمين))(القصص:50)

''پھر اگر وہ یہ تمہارا فرمانا قبول نہ کریں تو جان لو کہ بس وہ اپنی خواہشوں ہی کے پیچھے ہیں اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون جو اپنی خواہش کی پیروی کرے؟ اللہ کی ہدایت سے جدا۔ بے شک اللہ ہدایت نہیں فرماتا ظالم لوگوں کو۔''

دوسری جگہ فرمایا:

((وقالوا ان نتبع الهدى معك نتخطف من ارضنا اولم نمكن لهم حرما امنا يجبى اليه ثمرت كل شيء رزقا من لدنا ولكن اكثر هم لا يعلمون))(القصص:57)

''اور کہتے ہیں اگر ہم تمہارے ساتھ ہدایت کی پیروی کریں تو لوگ ہمارے ملک سے ہمیں اچک لے

جائیں گے۔ کیا ہم نے انہیں جگہ نہ دی امان والی حرم میں جس کی طرف ہر چیز کے پھل لائے جاتے ہیں، ہمارے پاس کی روزی لیکن ان میں اکثر کو علم نہیں۔"

ہم دیکھتے ہیں عدم اطاعت اور ارتکاب معصیت کا سبب شیطان کا نفوس کو خواہشات کی طرف متوجہ کر کے گمراہ کرنا ہے۔ جس کی وجہ سے نفس، اطاعت سے بھاگتا اور معصیت کا مرتکب ہوتا ہے، انسان سے وہ حسد اور انتقام لیتا ہے کیونکہ ابوالبشر اس کے جنت سے نکلنے کا سبب بنے تھے تو انسان کو اپنے دشمن اول اور اس کی شہوات و اھواء کے شر سے بچنے کی ہمیشہ تدبیر کرتے رہنا چاہیے اور اپنے نفوس کو اس سے اس قدر بچایا جائے کہ اس پر حملہ آور نہ ہو سکے۔

((ان عبادی لیس لك علیهم سلطن))(الحجر:42)

"بے شک میرے بندوں پر تیرا کچھ قابو نہیں۔"

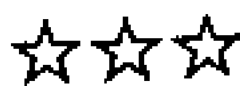
اور اس سے قلعہ و حفاظت میں چلا جائے۔

((الا عبادك منهم المخلصین))(الحجر:40)

"مگر جو ان میں تیرے چنے ہوئے بندے ہیں۔"

تاکہ اس کے شر سے بچا جا سکے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت بجالا کر دارین کی سعادتوں کو پایا جا سکے۔ اس فصل کو ختم کرنے سے پہلے ہم چاہتے ہیں کہ اس چیز کو واضح کر دیں کہ معصیت و نافرمانی کی سزا کیا ہے؟ اور اطاعت و فرمانبرداری کا انعام کیا ہے؟

احسن اللہ تعالیٰ ختامنا جمیعا بفضلہ و کرمہ



معصیت رسول کی سزا

ہم یہاں صرف اخروی سزا پر اکتفاء نہیں کر رہے بلکہ معصیت پر جو بھی دنیوی و اخروی نقصانات، سزائیں اور مذمتیں وارد ہوئیں ہیں ان کو بیان کرتے ہیں، ان میں سے کچھ کا تعلق دنیا سے، کچھ کا آخرت سے ہے، کچھ ان میں سے عقائد سے متعلق ہیں اور کچھ مادی ہیں۔

معصیت دو طرح کی ہوتی ہے مکفرہ (کافر بنا دینے والی) اور غیر مکفرہ۔ ہماری گفتگو عمومی ہو گی کیونکہ اس امت کے عاصی کی سزا اور کافر اور مرتد کی سزا کے درمیان فرق کبیر ہے۔ واللہ تعالیٰ ھو المعین۔

رسول اللہ کے نافرمان کی سزا...... جنت میں پہلے داخل ہونے والوں میں نہ ہو گا:

معصیت کی دو اقسام ہیں:

1: مکفرہ۔ 2: غیر مکفرہ۔

معصیت مکفرہ اپنے مرتکب کو دائمی دوزخی بنا دیتی ہے اور معصیت غیر مکفرہ اپنے مرتکب کو پہلے دوزخ میں لے جائے گی، پھر حساب پر یا شفاعت مصطفیٰ ﷺ یا اس امت کے کسی اور شفیع کی شفاعت یا رحمت الٰہی (کہ اس کا گناہ یہودی یا نصرانی پر ڈال کر) سے وہاں سے نکال کر جنت میں لے جایا جائے گا۔

تو دونوں فریق جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔ پہلا کفر کی وجہ سے کبھی بھی جنت میں داخل نہ ہو گا، دوسرا فریق ابتدائی جنتیوں کے ساتھ داخل نہ ہو گا، بلکہ دوزخ میں داخل ہو گا، وہاں بقدر معصیت عذاب بھگت کر پھر شفاعت اور رحمت الٰہی کی وجہ سے دوزخ سے نکل کر جنت میں داخل ہو گا، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے یہی وعدہ فرمایا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میری ساری امت جنت میں داخل ہو گی مگر جس نے انکار کیا۔''

صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! انکار کرنے والا کون ہے؟ فرمایا:

''جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہو گا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔''

آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بھی حضرت ابو ہریرہ کے حوالے سے گزرا:

((انا اخذ بحجز کم عن النار هلم عن النار هلم عن النار فتغلبونی تقحمون فیها))(بخاری و مسلم)

''میں تمہیں پیچھے سے پکڑ کر دوزخ سے یہ کہتے ہوئے دور کرنے کی کوشش کروں گا: اس سے بچو اس سے بچو اور تم مجھ سے چھڑا کر اس میں پڑنے کی کوشش کرو گے۔''

صحیح مسلم میں حضرت جابر سے بھی اسی طرح کی روایت مروی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا مبارک ارشاد ہے:

((وان منکم الا واردھا کان علی ربك حتما مقضیا ثم ننجی الذین اتقوا ونذر الظلمین فیھا جثیا))(مریم: 71-72)

''اور تم میں کوئی ایسا نہیں جس کا گزر دوزخ پر نہ ہو! تمہارے رب کے ذمہ پر یہ ضرور ٹھہری ہوئی بات ہے، پھر ہم ڈر والوں کو بچا لیں گے اور ظالموں کو اس میں چھوڑ دیں گے گھٹنوں کے بل گرے۔''

پل صراط جہنم کی پشت پر بچھایا گیا ہے، وہاں تمام جنوں اور انسانوں نے گزرنا ہے۔ وہاں سے ہر کوئی اپنے اپنے اعمال صالحہ کے مطابق گزرے گا۔ کوئی بجلی کی چمک کی طرح، کوئی تیز ہوا کی طرح اور کوئی تیز رفتار گھوڑے کی طرح گزرے گا، اسی طرح جہنم میں بھی لوگ حسب ذنوب واثام گریں گے۔ سب سے اوپر والے طبقہ میں اس امت کے عاصی ہوں گے۔ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی امت کے صلحاء، متقین اور شہداء ان عاصیوں کی شفاعت کریں گے۔ یہ عاصی ابتداء جنت میں داخل نہیں، بلکہ دوزخ میں جائیں گے، ان کو گناہوں سے پاک کر کے جنت میں منتقل کیا جائے گا۔ اس لئے کثرت کے ساتھ آپ ﷺ سے منقول ہے کہ والدین کا نافرمان، ہمیشہ شراب پینے والا، رحم منقطع کرنے والا اور چغل خور جنت میں داخل نہ ہوں گے۔

حضرت ثوبان سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((انما مدلجون فلا یدلجن مصعب ولا مضعف))

''ہم پانی نکالنے والے ہیں، نہ سرکش اونٹ کے ذریعہ سے نکالو اور نہ کمزور سے۔''

ایک آدمی نے سرکش اونٹنی پر پانی لادھا اور وہ گر پڑا، اس کی ہڈی ٹوٹ گئی اور فوت ہو گیا۔ آپ ﷺ نے اس پر جنازہ پڑھنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد تین دفعہ اعلان فرمایا:

((ان الجنة لا تحل لعاص))

''عاصی جنت میں داخل نہ ہوگا۔''

اسے امام احمد، طبرانی اور حاکم نے روایت کیا۔

آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بھی گزر چکا ہے کہ جس نے انکار کیا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''امت کا حشر تین گروہوں میں ہوگا۔ ایک تو وہ ہوں گے جو بلا حساب جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے، دوسرے وہ جن کا تھوڑا حساب ہوگا، پھر جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے، تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو اپنی پشتوں پر پہاڑوں جیسے گناہ لے کر آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: یہ کون ہے؟ حالانکہ وہ انہیں سب سے بہتر جانتا ہے۔ عرض کریں گے: تیرے بندوں میں سے کچھ بندے ہیں۔ فرمائے گا: ان سے یہ بوجھ اتار کر یہود و نصاریٰ پر لاد دو۔''

((ادخلو هم برحمتی الجنة))(المستدرك: 1-58)

''اور انہیں میری رحمت سے جنت میں داخل کر دو۔''

اسے حاکم نے روایت کر کے صحیح کہا اور ذہبی نے اس حکم کو ثابت رکھا۔

اور اس صحابی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((یجئی یوم القیامة ناس من المسلمین بذنوب امثال الجبال فیغفرها الله لهم ویضعها علی الیهود والنصاری))(مسلم، کتاب التوبه)

''روز قیامت مسلمانوں میں سے کچھ لوگ پہاڑوں کی طرح گناہ لائیں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمادے گا اور انہیں یہود ونصاری پر ڈال دے گا۔''

ان پہاڑوں جیسے گناہوں کی مسلمانوں سے بخشش، شفاعت کے ذریعہ ہوگی۔

حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((یخرج قوم من النار بعد ماسهم منها سفع لیدخلون الجنة فیسمیهم اهل الجنة الجهنمیین))(بخاری، کتاب الرقاق)

''دوزخ سے کچھ لوگ نکلیں گے، انہیں آگ نے چھوا ہوگا۔ انہیں اہل جنت، جہنمی کا نام دیں گے۔''

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جن کے دل میں رائی کے برابر ایمان ہے، اسے دوزخ سے نکال لو۔ انہیں نکال کر نہر حیات میں ڈالا جائے گا۔

((فینبتون کما تنبت الحبة فی حمیل السیل))(بخاری و مسلم)

''وہ اُگیں گے جیسے کہ دانہ سیلاب کے کوڑے میں اگتا ہے۔''

حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((یخرج قوم من النار بشفاعة محمد ﷺ فید خلون الجنة یسمون الجهنمین))(بخاری، کتاب الرقاق)

''دوزخ سے کچھ لوگ حضور ﷺ کی شفاعت سے نکلیں گے اور جنت میں داخل ہوں گے۔ انہیں جہنمی کہا جائے گا۔''

حدیث شفاعت میں حضرت انس سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر مجھے کہا جائے گا:

((ارفع رأسك وسل تعطه وقل یسمع واشفع تشفیع فارفع رأسی فاحمد ربی بتحمید یعلمنی ثم اشفع فیحدلی حدا ثم اخرجهم من النار وادخلهم الجنة ثم اعود فاقع ساجداً مثله

فی الثالثة او الرابعة فی ما یبقی فی النار الا من حبسه القرآن))

(بخاری، کتاب الرقاق)

''سر اٹھاؤ اور مانگو عطا کیا جائے گا، شفاعت کرو قبول کی جائے گی، میں سر اٹھا کر اپنے رب کی حمد کروں گا جو مجھے سکھائی جائے گی۔ پھر میں شفاعت کروں گا، میرے لئے حد مقرر کر دی جائے گی، پھر میں انہیں دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کروں گا، پھر حاضر ہو جاؤں گا، سجدہ کروں گا، اسی طرح تیسری یا چوتھی دفعہ ہوگا، حتیٰ کہ دوزخ میں وہی رہے گا جسے قرآن روک لے گا۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((انی لا علم اخر اهل النار خروجا منها واخر اهل الجنة دخولا رجل یخرج من النار حبوا فیقول الله اذهب فادخل الجنة))

(بخاری، کتاب الرقاق، مسلم، کتاب الایمان)

''دوزخ سے آخری نکلنے والے اور جنت میں آخری داخل ہونے والے کو بھی جانتا ہوں، ایک شخص گھٹنوں کے بل دوزخ سے نکلے گا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ۔''

رسول اللہ کے نافرمان کی سزا...... اللہ تعالیٰ اس سے محبت نہیں فرماتا:

اللہ تعالیٰ جیسے بندوں سے کفر پسند نہیں فرماتا اسی طرح وہ فسق اور عصیان کو پسند نہیں فرماتا، کیونکہ فسق، ذنوب کبار اور عصیان، تمام معاصی کو شامل ہے۔ کتاب اللہ میں بہت سی آیات ہیں جن میں معاصی سے ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ان میں کفر اور فسوق اور اللہ کی ناپسندیدگی کا تذکرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا مقدس فرمان ہے:

((واعلموا ان فیکم رسول الله لو یطیعکم فی کثیر من الامر لعنتم ولکن الله حبب الیکم الایمان وزینه فی قلوبکم وکره الیکم الکفر والفسوق والعصیان اولئك هم الرشدون))

(الحجرات:7)

''اور جان لو کہ تم میں اللہ کے رسول ہیں، بہت معاملوں میں اگر تمہاری بات مانیں تو تم ضرور مشقت میں پڑو، لیکن اللہ نے تمہیں ایمان پیارا کر دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ کر دیا اور کفر اور حکم عدولی اور نافرمانی تمہیں ناگوار کر دی، ایسے ہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔''

یہاں اللہ کی ناپسندیدگی میں عصیان کو کفر و فسوق کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور اہل ایمان پر لازم قرار دیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم و توقیر کریں، آپ ﷺ کا ادب بجالائیں، آپ ﷺ کے حکم کے سامنے سرخم کریں، کیونکہ آپ ﷺ ان کے فوائد، ان سے زیادہ جانتے ہیں، ان پر ان کی ذوات سے بھی بڑھ کر شفیق ہیں، آپ ﷺ کی مبارک رائے، ان کی ذوات کے بارے میں ان کی اپنی رائے سے کہیں بڑھ کر ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کیلئے کفر و فسوق اور عصیان کو مبغوض قرار دیا (عصیان، تمام معاصی کو شامل ہے) ہاں ان کے دلوں کو ایمان

سے مزین، ایمان کو محبوب اور حسین بنا دیا۔
جب اللہ تعالیٰ معاصی کو پسند نہیں فرماتا تو اسے اہل ایمان کیلئے مبغوض اور ناپسند بنا دیا، اللہ تعالیٰ معاصی کے مرتکب کو محبوب نہیں بناتا، اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات کریمہ میں مختلف معاصی پر اپنی عدم محبت کا ذکر فرمایا ہے:

((ان الله لا يحب المفسدين))
''بے شک اللہ فسادیوں کو پسند نہیں کرتا۔'' (القصص:77)

((و الله لا يحب المفسدين))
''اللہ فسادیوں کو پسند نہیں کرتا۔'' (المائدہ:64)

((لايحب الله الجهر بالسوء من القول))
''اللہ پسند نہیں کرتا بری بات کا اعلان کرنا۔'' (النساء:148)

((ان الله لا يحب الخائنين))
''بے شک دھوکہ دینے والے اللہ کو پسند نہیں۔'' (الانفال:58)

((انه لا يحب المستكبرين))
''بے شک وہ مغروروں کو پسند نہیں فرماتا۔'' (النحل:23)

((ان الله لا يحب كل خوان كفور))
''اللہ دوست نہیں رکھتا ہر بڑے دغاباز ناشکرے کو۔'' (الحج:38)

((ان الله لا يحب من كان خوانا اثيما))
''اللہ پسند نہیں کرتا کسی بڑے دغاباز گنہگار کو۔'' (النساء:107)

((ان الله لا يحب الفرحين))
''اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں رکھتا۔'' (القصص:76)

((فان الله لا يرضى عن القوم الفاسقين))
''تو بے شک اللہ تو فاسق لوگوں سے راضی نہ ہوگا۔'' (التوبہ:96)

((و لا يرضى لعباده الكفر))
اور اپنے بندوں کی ناشکری اسے پسند نہیں۔ (الزمر 7)

((فان الله لا يحب الكفرين))
''اللہ کو پسند نہیں کافر۔'' (آل عمران:32)

((و الله لا يحب الظلمين))
''اللہ ظالم کو پسند نہیں کرتا۔'' (آل عمران:57)

((ان اللہ لا یحب من کان مختالاً فخورًا))

''اللہ کو پسند نہیں کوئی اترانے والا، بڑائی کرنے والا۔'' (النساء:36)

رسول اللہ کے نافرمان کی سزا......روز قیامت افسوس:

جب قیامت قائم ہوگی کفار اپنے اعمال کے مطابق آئیں گے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے اوامر کی مخالفت کی ہوگی، انہوں نے اطاعت نہ کی ہوگی، اب اپنی معصیت پر شرمندہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((ان اللہ لعن الکفرین واعدلھم سعیرا o خلدین فیھا ابدا لا یجدون ولیا ولا نصیرا o یوم تقلب وجوھھم فی النار یقولون یلیتنا اطعنا اللہ و اطعنا الرسولا o وقالوا ربنا انا اطعنا سادتنا وکبراء نا فاضلونا السبیلا o ربنا اٰتھم ضعفین من العذاب والعنھم لعنا کبیرا)) (الاحزاب: 68,64)

''بے شک اللہ نے کافروں پر لعنت فرمائی اور ان کیلئے بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے، اس میں ہمیشہ رہیں گے، اس میں نہ کوئی حمایتی پائیں گے نہ مددگار۔ جس دن ان کے منہ الٹ الٹ کر آگ میں تلے جائیں گے۔ کہتے ہوں گے: ہائے کسی طرح ہم نے اللہ کا حکم مانا ہوتا اور رسول کا حکم مانا ہوتا اور کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کے کہنے پر چلے تو انہوں نے ہمیں راہ سے بہکا دیا۔ اے ہمارے رب! انہیں آگ کا دونا عذاب دے اور ان پر بڑی لعنت کر۔''

جب کفار دوزخ میں داخل ہوں گے تو وہ اس تمنا کا اظہار کریں گے:

''کاش! ہم نے دنیا میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی ہوتی تو آج دوزخ میں داخل نہ ہوتے۔''

انہوں نے نافرمانی کی ہوئی تھی، اس لئے جہنم میں داخل ہوں گے۔ اب افسوس اور حسرت کوئی نفع نہیں دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

((ویوم یعض الظالم علی یدیہ یقول یلیتنی اتخذت مع الرسول سبیلا o یویلتی لیتنی لم اتخذ فلانا خلیلا o لقد اضلنی عن الذکر بعد اذ جاء نی وکان الشیطن للانسان خذولا))

(الفرقان: 29,27)

''اور جس دن ظالم اپنے ہاتھ چبا لے گا کہ ہائے کسی طرح سے میں نے رسول کے ساتھ راہ لی ہوتی۔ وائے خرابی میری! ہائے کسی طرح میں نے فلانے کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ بے شک اس نے مجھے بہکا دیا میرے پاس آئی ہوئی نصیحت سے اور شیطان آدمی کو بے مدد چھوڑ دیتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے یہاں ان ظالموں کی پریشانی کی خبر دی ہے جنہوں نے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی حق تعلیمات کو چھوڑ دیا تھا اور انہوں نے غیر رسول ﷺ کا راستہ اپنایا، روز قیامت انہیں ندامت، حسرت اور افسوس کچھ نفع نہیں دے گا، اللہ تعالیٰ نے اس ظالم کا یہی افسوس یہاں ذکر کیا کہ وہ کہے گا: کاش! میں رسول ﷺ کی راہ کو اپنا لیتا اور اس کی راہ پر نہ چلتا جس نے مجھے اس سے گمراہ ومنحرف کیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ مبارک ہے:

((فکیف اذا جئنا من کل امة بشھید وجئنا بك علی ھولاء شھیدا o یومئذ یود الذین کفروا وعصوا الرسول لو تسوی بھم الارض ولا یکتمون اللہ حدیثا))(النساء: 41-42)

’’تو کیسی حالت ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں اور اے محبوب! تمہیں ان سب پر گواہ اور نگہبان بنا کر لائیں، اس دن تمنا کریں گے وہ جنہوں نے کفر کیا اور رسول کی نافرمانی کی کہ کاش! انہیں مٹی میں دبا کر زمین برابر کر دی جائے اور کوئی بات اللہ سے نہ چھپا سکیں گے۔‘‘

یعنی جب ان احوال کا ظہور ہوگا، کفار و نافرمانوں کی ذلت، رسوائی اور عذاب دیکھیں گے تو وہ کفار جنہوں نے رسول ﷺ کی نافرمانی کی ہوگی، اتباع واطاعت کو قبول نہ کیا تھا، وہ آج تمنا کریں گے: کاش! زمین پھٹ جائے اور ہمیں نگل جائے لیکن ایسا کہاں ہوگا؟ غیر صالح انسان موت کے بعد ہی افسوس وحسرت کا اظہار شروع کر دے گا۔ چہ جائیکہ وقوعِ قیامت کے بعد۔

حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

’’جب میت کو لوگ اٹھاتے ہیں اگر صالح ہو تو کہتی ہے: مجھے جلدی لے چلو اور اگر بد ہو تو کہتی ہے: افسوس! مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟ انسان کے علاوہ اس کی آواز ہر کوئی سن رہا ہوتا ہے، اگر انسان سن لے تو بے ہوش ہو جائے۔‘‘ (بخاری، کتاب الجنائز)

فاسق، فاجر، کافر کو ندامتِ اصل کے علاوہ ندامت ہوگی۔ آپ ﷺ سے مروی ہے، فرمایا:

’’جو بھی فوت ہوتا ہے پریشان ونادم ہوتا ہے۔‘‘

عرض کیا گیا: یا رسول اللہ ﷺ!

((وما ندامته؟))

’’’’اس کی ندامت کیسی؟‘‘

فرمایا:

((ان کان محسنا ندم ان لا یکون اذداد وان کان مسیا ندم ان یکون مزع))(ترمذی، کتاب الزھد)

’’اگر اچھا ہوا تو اس پر نادم ہوگا کاش! اس میں اضافہ کرتا اور اگر برا ہوا تو اس پر نادم ہوگا کاش! میں یہ

کام نہ کرتا۔"

قیامت کے ناموں میں سے ایک نام "یوم الحسرت" بھی ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((وانذر هم یوم الحسرة اذقضی الامر وهم فی غفلة وهم لا یومنون))(مریم:39)

"اور انہیں ڈرسناؤ پچھتاوے کے دن کا، جب کام ہو چکے گا اور وہ غفلت میں ہیں اور نہیں مانتے۔"

یعنی دوزخ میں کفار حسرت کریں گے لیکن ان کی حسرت کسی قسم کا انہیں نفع نہیں دے گی۔حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"روز قیامت موت کو مینڈھے کی صورت میں لایا جائے گا، پھر اہل جنت کو آواز دی جائے گی، وہ دیکھیں گے، پوچھا جائے گا: اسے پہچانتے ہو۔عرض کریں گے: ہاں یہ موت ہے۔تمام نے اسے دیکھ لیا ہے، پھر اہل دوزخ کو آگاہ کا جائے گا۔وہ کہیں گے: یہ موت ہے، اسے سب نے دیکھ لیا ہے، پھر اسے ذبح کر دیا جائے گا۔پھر فرمایا جائے گا:

((یااهل الجنة خلود فلا موت و یا اهل النار خلود فلا موت))

"اے اہل جنت! اب یہاں ہمیشہ رہو! اب موت نہیں! اے اہل جہنم! یہاں ہمیشہ رہو! اب موت نہیں۔"

پھر آپ ﷺ نے یہ آیت فرمائی:

((وانذرهم............))

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں یہ اضافہ ہے: (بخاری، کتاب التفسیر)

((فیزداد فرحا ال فرحهم ویزداد اہل النار حزنا الی حزنهم))

"اہل جنت کی خوشی میں مزید اضافہ اور اہل نار کے غم میں مزید غم کا اضافہ ہوگا۔"

باقی یہ حدیث ان کفار کے بارے میں ہے جو دائمی جہنمی ہوں گے، اس امت کے عاصیوں کا یہ معاملہ نہیں کیونکہ اس امت کے عاصی عذاب نار کے بعد وہاں سے نکل کر جنت میں داخل ہو جائیں گے اور جو ہمیشہ نار میں رہیں گے وہ کفار و مشرک ہوں گے، یہی وجہ ہے کہ ان کے غم میں مزید اضافہ ہوگا، یہ آپ ﷺ کی ظاہری حیات کے کافر اور بعد کے کافر ہیں جو آپ ﷺ پر نہ ایمان لائے اور نہ آپ ﷺ کی اطاعت کی وہ دائماً جہنم میں رہیں گے۔

رسول اللہ کے نافرمان کی سزا......نیک اعمال کی توفیق چھن جاتی ہے:

اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے خیر و بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے صحیح راہ کی رہنمائی فرماتا ہے، اطاعت کی اور عمل صالح کی توفیق دیتا ہے، اسے اپنے صالحین بندوں میں شامل فرمالیتا ہے اور جب بھلائی کا ارادہ نہ ہو تو اسے اطاعت کی توفیق نہیں دیتا اور نہ ہی عمل صالح کی طرف اس کی توجہ دلاتا ہے، مومن مطیع جان رہا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ

کی توفیق ہے۔

((وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب))(ھود: 88)

''اور میری توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے! میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔''

تو عاصی سے توفیق چھین لی جاتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ عاصی سے اپنی مدد دور فرمالیتا ہے، لہٰذا وہ حق تک نہیں پہنچ پاتا اور مطیع کا معاملہ اس کے برعکس ہے، عاصی کیلئے اتنی سزا، ذلت اور اہانت کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے اپنی مدد اور توفیق دور کردی ہے۔

رسول اللہ کے نافرمان کی سزا......لعنت کا مستحق:

لعنت، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہوجانا ہے تو جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ایسی سخت نافرمانی کی جس پر عتاب مرتب ہوگا تو ایسا شخص رحمت الٰہی سے دور اور دھتکار دیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((ان الذین یؤذون اللہ و رسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاخرۃ واعدلھم عذابا مھینا))(الاحزاب: 57)

''بے شک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ نے ان کیلئے ذلت کا عذاب تیار کررکھا ہے۔''

جس نے اللہ تعالیٰ کی مخالفت کی اس کے نواہی کا ارتکاب کیا، اس کے اوامر کو ترک کیا، اس کے رسول ﷺ کو کسی عیب یا نقص یا کسی اور ذریعہ سے اذیت دی (اور یہ تمام کبائر ہیں) تو ایسا شخص دنیا و آخرت میں لعنت کا اور روز قیامت عذاب کا مستحق ہوگا۔

اسی لئے حضور ﷺ نے نافرمانوں پر لعنت کی تھی، کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی تھی۔ (بخاری، کتاب المغازی)

انہوں نے عہد کرکے بے وفائی کی، عقد کرکے خلاف کیا اس طرح آپ ﷺ نے رعل، ذکوان اور بنولحیان پر بھی لعنت فرمائی۔

رسول اللہ کے نافرمان کی سزا......وہ شیطان کا سپاہی ہے:

اللہ تعالیٰ نے اپنی مبارک کتاب میں دو لشکروں کا ذکر فرمایا ہے:

(1): حزب اللہ، اور وہ اہل ایمان و تقویٰ اور اطاعت کرنے والوں کا گروہ ہے۔

(2): حزب الشیطان، یہ کفار، منافقین اور فاسقین کا گروہ ہے۔ ہر عاصی، شیطان کا سپاہی ہے، ہر عاصی کی نسبت اس سے گناہ کی مقدار ہے، مثلاً: فاسق کا درجہ کافر و منافق جیسا نہیں، شیطان کا تمام گروہ خائب و خاسر اور جہنمی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حزب اللہ کے بارے میں فرمایا:

((انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویوتون الزکوٰۃ وھم رکعون ○ ومن یتول اللہ ورسولہ والذین امنوا فان حزب اللہ ھم الغلبون))(المائدہ:55-56)

''تمہارے دوست نہیں مگر اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے۔ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کو اپنا دوست بنائے تو بے شک اللہ ہی کا گروہ غالب ہے۔''

حزب الشیطان کے بارے میں فرمایا:

((استحوذ علیھم الشیطن فانسھم ذکر اللہ اولئک حزب الشیطن الا ان حزب الشیطن ھم الخسرون))(المجادلہ:19)

''ان پر شیطان غالب آ گیا تو انہیں اللہ کی یاد بھلا دی۔ وہ شیطان کے گروہ ہیں۔ خبردار! بے شک شیطان ہی کا گروہ خسارے میں ہے۔''

حزب شیطان کے عذاب اور ٹھکانے کے بارے میں فرمایا:

((ان الشیطن لکم عدو فاتخذوہ عدوا انما یدعوا حزبہ لیکونوا من اصحب السعیر))(فاطر:6)

''بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے تو تم بھی اسے دشمن سمجھو، وہ تو اپنے گروہ کو اسی لئے بلاتا ہے کہ دوزخیوں میں ہوں۔''

رسول اللہ کے نافرمان کی سزا......اعمال ضائع:

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا عاصی، اللہ کے غضب کی جگہ ہوتا ہے۔ دنیا و آخرت میں اس کی سزا ہے۔ ایک سزا یہ ہے کہ اس کے تمام اعمال ضائع ہیں۔ اس کا کوئی عمل مقبول نہیں خصوصاً جب وہ معصیت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی کبیر معصیت ہو۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((ان الذین کفروا وصدوا عن سبیل اللہ وشاقوا الرسول من بعد ما تبین لھم الھدی لن یضروا اللہ شیئا و سیحبط اعما لھم ○ یایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول ولا تبطلوا اعما لکم))(محمد:32-33)

''بے شک وہ جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا اور رسول کی مخالفت کی بعد اس کے کہ ہدایت

ان پر ظاہر ہو چکی تھی، وہ ہرگز اللہ کو کچھ نقصان نہ پہنچائیں گے اور بہت جلد اللہ ان کا کیا دھرا اکارت کرے گا، اے ایمان والو! اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور اپنے عمل باطل نہ کرو۔"

یہاں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا، تاکہ ان کے اعمال کہیں باطل نہ ہو جائیں جیسے کہ وہ شخص جو مرتد ہو گیا، وہ شخص جس نے اللہ کی راہ سے کسی کو روکا، رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی تو اللہ تعالیٰ اس کے سابقہ تمام اعمال باطل فرما دے گا اور اس کا کوئی عمل قبول نہیں فرمائے گا اور اس مخالفت اور ارتداد میں فقط اسی کا نقصان ہے۔

اللہ تعالیٰ کا مبارک فرمان ہے:

((یایھا الذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون))

"اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانیوالے (نبی) کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔"

اللہ تعالیٰ نے اس امت کو اپنے نبی ﷺ کی آوز سے اپنی آواز بلند کرنے سے منع فرمایا ہے، کیونکہ آپ ﷺ کے سامنے یا آپ ﷺ کی آواز پر بلند آواز معصیت کبیرہ ہے۔ اس طرح بلا تکلف کلام سے بھی منع فرمایا کیونکہ یہ معصیت کبیرہ ہے اور دونوں انسان کے اعمال باطل ہونے کا ذریعہ ہیں حالانکہ اسے شعور ہی نہ ہو۔

رسول اللہ کے نافرمان کی سزا......وہ اللہ تعالیٰ کا نافرمان بن جاتا ہے:

حضور ﷺ کا نافرمان اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہوتا ہے۔ جیسے کہ مصطفیٰ ﷺ کا مطیع اللہ تعالیٰ کا مطیع ہوتا ہے، کیونکہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہی آپ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا اور آپ ﷺ کی معصیت کو حرام فرمایا ہے تو جس نے آپ ﷺ کی نافرمانی کی اس نے آپ ﷺ کے بھیجنے والے کی نافرمانی کی جیسے کہ آپ ﷺ کی اطاعت کرنے والے نے آپ ﷺ کے بھیجنے والے کی اطاعت کی۔ حضرت ابو ہریرہ کی حدیث پیچھے گزری ہے۔

((من اطاعنی فقد اطاع اللہ ومن عصانی فقد عصی اللہ))

(بخاری ومسلم)

"جس نے میری اطاعت کر لی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔"

حضرت جابر سے روایت ہے:

((فمن اطاع محمدا ﷺ فقد اطاع اللہ ومن عصی محمد

ﷺ فقد عصی اللہ محمد فرق بین الناس))(بخاری)

''جس نے محمد ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے محمد ﷺ کی نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ حضرت محمد ﷺ لوگوں کے درمیان وجہ امتیاز ہیں۔''

رسول اللہ کے نافرمان کی سزا......عاصی سے جہاد:

جب معصیت، شعائر اسلام میں سے کسی کی ہو مثلاً: اہل شہر ترک اذان پر یا زکوٰۃ نہ دینے پر اتحاد کر لیتے ہیں تو ان کے خلاف قتال کیا جائے گا، اس پر صحابہ کرام کا اجماع ہے۔ سیدنا صدیق اکبر کے دور میں جیسے مرتدین کے خلاف جنگ کی گئی، اس طرح مانعین زکوٰۃ کے خلاف بھی۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کا وصال ہوا، حضرت ابو بکر خلیفہ بنے، عربوں میں سے کچھ لوگوں نے کفر اختیار کیا، حضرت عمر فاروق نے حضرت ابو بکر سے کہا: جو شخص لا الہ الا اللہ کہتا ہے، اس کے خلاف ہم جنگ کیسے کریں؟ تو انہوں نے فرمایا:

''جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا اس کے خلاف میں جنگ کروں گا کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے۔ اللہ کی قسم! اگر انہوں نے اونٹ کی نکیل کی مقدار بھی زکوٰۃ روکی جو رسول اللہ ﷺ کو ادا کرتے تھے تو ان سے قتال کروں گا۔''

حضرت عمر کہتے ہیں:

''مجھ پر اس سے شرح صدر ہو گیا۔''

تو زکوٰۃ اسلام کا رکن ہے، یہ ہر صاحب نصاب خواہ مرد ہو یا خاتون اس پر لازم ہے، جو اسے ادا نہ کرے اس کے خلاف سیدنا ابو بکر نے جہاد جاری رکھا۔ بعض صحابہ نے ایک ارشاد نبوی کی وجہ اس پر اعتراض اٹھایا مگر حضرت ابو بکر نے انہیں اس کا صحیح مفہوم سمجھایا تو وہ بھی مطمئن ہو گئے تو ترک زکوٰۃ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی معصیت ہے، کیونکہ اس کا انہوں نے حکم دے رکھا ہے۔

امام خطاب فرماتے ہیں:

''اذان اسلام کا شعار ہے، اس کا ترک ناجائز ہے۔ اگر اہل شہر اس کے ترک پر اتحاد کر لیں تو حاکم پر ان کے خلاف جہاد لازم ہے۔''

رسول اللہ کے نافرمان کی سزا......کفر کا ثبوت:

معاملہ اس وقت اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے جب اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرمادیا: جس نے اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی، جس نے آپ ﷺ کے طریق، مذہب، نہج اور سلوک میں مخالفت کی وہ کافر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم

ذنوبكم والله غفور رحيم ○ قل اطيعوا الله والرسول فان تولوا فان الله لايحب الكفرين))(آل عمران: 31-32)

''اے محبوب! تم فرمادو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ، اللہ تمہیں دوست رکھے گا، تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ تم فرمادو کہ حکم مانو اللہ اور رسول کا، پھر اگر وہ منہ پھیریں تو اللہ کو پسند نہیں کافر۔''

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں:

''یہ آیت واضح کر رہی ہے کہ آپ ﷺ کے طریقہ کی مخالفت کرنے والے اور جو اپنے اندر یہ برائی رکھتا ہوا سے اللہ تعالیٰ پسند ہی نہیں کرتا، اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کے محب ہونے اور قریبی ہونے کا دعویٰ کرتا پھرے۔ ہاں آپ ﷺ کی اتباع کرے، آپ ﷺ نبی امی اور خاتم الرسل ہیں، آپ ثقلین جن وانس کے رسول ہیں، انبیاء ورسول ہی نہیں اولوالعزم پیغمبر بھی ہوتے اور آپ ﷺ کی بعثت ہوتی تو انہیں بھی آپ ﷺ ہی کی اتباع کرنا ہوتی، آپ ﷺ کی اطاعت اور آپ ﷺ کی شریعت کی اتباع میں داخل ہونا پڑتا تو جو یہ کہتا ہے کہ میں اللہ کا محب ہوں اس پر اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ومتابعت لازم ہے، اگر اس نے آپ ﷺ کی اتباع چھوڑی اور اس پر ڈٹا رہا تو وہ کافر ہے اور اللہ تعالیٰ کافر سے محبت نہیں کرتا۔''

پیچھے حدیث حضرت ابو ہریرہ گزری ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میری ساری امت جنت میں جائے گی مگر جس نے انکار کیا۔''

صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! انکار کرنیوالا کون ہے۔؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

((من اطاعني دخل الجنة ومن عصاني فقد ابى))(بخاری)

''جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں ہے اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔''

حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((فمن اتبعه كان في الجنة ومن لم يتبعه عذب))

''جس نے اتباع کر لی وہ جنتی ہے اور جس نے اتباع نہ کی اسے عذاب دیا جائے گا۔''

اسے امام احمد، ابن خزیمہ، ترمذی نے (صحیح کہا اور) روایت کیا۔

رسول اللہ کے نافرمان کی سزا......اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہوتا ہے:

جو معاصی کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کی سزا دنیوی (مادی یا جسمانی) ہوگی یا پھر وہ خصوصی توجہ کی محتاج ہوگی یا عام توبہ اور فعل خیرات کے تحت آئے گی، کیونکہ:

((ان الحسنت یذھبن السیات))

''نیکیاں، برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں۔''

تو جس نے بھی معاصی کا ارتکاب کیا وہ دنیوی سزا کا محتاج ہوگا تا کہ وہ اس گناہ کا کفارہ بن سکے اور جب اسے سزا نہیں ہوئی تو اب اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہو گیا، چاہے روز قیامت اسے عذاب دے یا اسے معاف فرما دے، اسی طرح معاملہ ہے اس گناہ کا جس کیلئے خصوصی توبہ ضروری ہوتی ہے، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت ہے، چاہے اسے معاف فرمادے یا عذاب دے، اگر چہ ہم یہ حسن ظن رکھنے کے پابند ہیں کہ تمام گناہ معاف فرما دینے والا ہے۔

سود کھانے والے کے بارے میں فرمایا:

((فمن جاءہ موعظة من ربه فانتھی فله ما سلف وامرہ الی الله))(البقرہ:275)

''تو جسے اس کے رب کے پاس سے نصیحت آئی اور وہ باز رہا تو اسے حلال ہے جو پہلے لے چکا اور اس کا کام خدا کے سپرد ہے۔''

تو سود کھانے والے کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، چاہے وہ اسے عذاب دے یا معاف فرمادے۔ پیچھے حضرت عبادہ بن صامت سے گزرا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((من اصاب من ذلك شیئا فعوقب فی الدنیا فھو کفارۃ له ومن اصاب من ذلك شیئا ثم سترہ الله فھو الی الله ان شاء عفا عنه وان شاء عاقبه))

''جس نے بھی کسی معاصی کا ارتکاب کیا اور دنیا میں اسے سزا دے دی گئی وہ اس کے لئے کفارہ بن گئی اور جس نے ارتکاب کیا پھر اللہ تعالیٰ نے اسے چھپا دیا اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، چاہے اسے معاف فرمادے اور چاہے اسے عذاب دے۔''(بخاری ومسلم)

رسول اللہ کے نافرمان کی سزا...... عاصی گمراہ ہے:

جب سرور عالم ﷺ کی سنت کا (عملاً) ترک گمراہی ہے تو آپ ﷺ کی نافرمانی گمراہی کیوں نہ ہوگی؟ بلکہ یہ تو کھلی گمراہی اور بھٹک جانا ہے، اس پر متعدد نصوص ہیں کہ ترک سنت سراپا گمراہی ہے اور گمراہی سے نجات، سنت کا تمسک ہے، آپ ﷺ کی معصیت گمراہی اور بھٹک جانا ہے، اس پر یہ آیت گواہ ہے:

((ومن یعص الله ورسوله فقد ضل ضللا مبینا))

''اور جو حکم نہ مانا اللہ اور اس کے رسول کا بے شک صریح گمراہی میں بہکا۔''(الاحزاب:36)

حضرت عدی بن حاتم سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ کے سامنے خطبہ دیا اور کہا جس نے اللہ و

رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے ہدایت پائی۔

((ومن یعصمھما فقد غوی))

''اور جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی وہ گمراہ ہوگیا۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

((بئس الخطیب انت قل من یعص اللہ و رسولہ))

''تو اچھا خطیب نہیں یوں کہو: جس نے اللہ کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔'' (مسلم، کتاب الجمعہ)

کیونکہ اللہ تعالیٰ کی معصیت ہی گمراہی کیلئے کافی ہے، اس طرح رسول اللہ ﷺ کی معصیت بھی گمراہی کیلئے کافی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے:

((من سرہ ان یلقی اللہ غدا مسلما فلیحافظ علی ھؤلاء الصلوات حیث ینادی بھن فان اللہ شرع لنبیکم سنن الھدی وانھن من سنن الھدی ولوانکم صلیتم فی بیوتکم کما یصلی ھذا المنافق فی بیتہ لترکتم سنة نبیکم ولو ترکتم سنة نبیکم لضللتم))

''جو کل اپنے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا آرزومند ہے وہ ان نمازوں کی اذان کے وقت حفاظت کرے، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے لئے سنن ھدی جاری فرمائی ہیں، یہ نمازی ان میں سے ہیں، اگر تم نے گھروں میں پڑھ لیں تو تم نے نبی ﷺ کی سنت کو ترک کیا اور اگر تم نے اپنے نبی ﷺ کی سنت ترک کردی تو تم گمراہ ہوجاؤ گے۔'' (مسلم، کتاب المساجد)

حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((فمن رغب عن سنتی فلیس منی))

''جس نے میرے طریقے سے اعراض کیا اس کا مجھ سے تعلق نہیں۔'' (بخاری، کتاب النکاح)

حضرت جابر نے آپ ﷺ کا خطبہ منقول ہے، جس میں فرمایا حمد وصلوۃ کے بعد سب سے بہتر کلام، کتاب اللہ ہے:

((خیر الھدی ھدی محمد ﷺ و شر الامور محدثاتھا و کل بدعة ضلالة))

''سب سے اچھا راستہ حضور ﷺ کا ہے اور تمہارے اپنے پیدا کردہ امور بدتر ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔'' (بخاری، کتاب الجمعہ)

حضرت ابوبکر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا:

((الا فلا ترجعوا بعدی ضلالا یضرب بعضکم رقاب بعض الا یبلغ الشاھد الغائب))

''سنو! میرے بعد گمراہ نہ ہونا ایک دوسرے کو قتل نہ کرنا، سنو، حاضر غائب کو میرے ارشادات پہنچا دے۔''

آپ ﷺ نے امت کو گمراہی سے بچنے کیلئے کتاب وسنت سے تمسک کی تعلیم دی، حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ان قد ترکت فیکم ما ان اعتصمتم بہ فلن تضلوا کتاب اللہ و سنۃ نبیہ ﷺ))

''میں تمہارے درمیان ایسی چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں اگر تم نے ان کے ساتھ تمسک کیا تو تم گمراہ نہیں ہو سکتے، وہ اللہ کی کتاب اور اس کے نبی ﷺ کی سنت ہے۔'' (مستدرک:1-93)

کتاب وسنت اس امت کو گمراہی سے کیوں نہیں بچائیں گے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے واسطہ سے ہی اس امت کو گمراہی سے نکالا ہے۔

حضرت عبداللہ بن زید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یوم حنین کو انصار سے فرمایا:

((الم اجد کم ضلالا فھدا کم اللہ بی))

''کیا تم گمراہ نہ تھے اللہ تعالیٰ نے میرے سبب تمہیں ہدایت دی۔'' (بخاری، کتاب المغازی)

جب اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو ابتداء آپ ﷺ کے سبب سے گمراہی سے ہدایت بخشی تو اب اور بعد میں آپ ﷺ کے طریقہ وسنت سے تمسک اسے گمراہی سے کیوں نہیں نکال سکے گا، آپ ﷺ کی راہ کو چھوڑنا، اطاعت نہ کرنا اور آپ ﷺ کی سنت سے اعراض یقیناً گمراہی بلکہ کھلی گمراہی ہے۔

رسول اللہ کے نافرمان کی سزا...... پکا منافق:

اللہ تعالیٰ نے جس طرح لوگوں کو اپنی مقدس کتاب قرآن کی طرف بلایا ہے۔ اسی طرح اپنے نبی ﷺ کی طرف بھی بلایا ہے، لیکن اہل نفاق اعراض کرتے ہیں اور آنے سے روکتے ہیں، ہاں جب اس کے نتیجہ میں انہیں مصیبت پہنچتی ہے تو پھر جھوٹی قسمیں اٹھا اٹھا کر کہتے ہیں: ہم صالح اور نیک ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((الم تر الی الذین یزعمون انھم امنوا بما انزل الیک وما انزل من قبلک یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت وقد امروا ان یکفروا بہ ویرید الشیطٰن ان یضلھم ضلالا بعیدا ۝ واذا قیل



لھم تعالوا الی ما انزل اللّٰہ والی الرسول رایت المنفقین یصدون عنک صدودا))

”کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جن کا دعویٰ ہے کہ وہ ایمان لائے اس پر جو تمہاری طرف اترا اور اس پر جو تم سے پہلے اترا پھر چاہتے ہیں کہ شیطان کو اپنا حاکم بنائیں اور ان کو تو حکم یہ تھا کہ اسے اصلاً نہ مانیں اور ابلیس یہ چاہتا ہے کہ انہیں دور کی گمراہی میں ڈال دے اور جب ان سے کہا جائے کہ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب اور رسول کی طرف آؤ تو تم دیکھو گے کہ منافق تم سے منہ موڑ کر پھر جاتے ہیں۔“ (النساء:60-61)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی عظمت بیان کی ہے جو اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت اختیار کرتے ہیں۔

((یایھا الذین اٰمنوا اطیعوا اللّٰہ و الرسول و اولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللّٰہ و الرسول ان کنتم تؤمنون باللّٰہ والیوم الاخر ذلک خیر واحسن تاویلا))

(النساء:59)

”اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں، پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اللہ اور رسول کے حضور رجوع کرو۔ اگر اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو تو یہ بہتر ہے اور اس کا انجام سب سے اچھا۔“

تو اہل ایمان، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے مطیع و فرمانبرداری ہوتے ہیں اور اگر ان کے درمیان کوئی اختلاف و جھگڑا پیدا ہو جائے تو اسے اللہ کی طرف (اس کی کتاب کی طرف) اور اس کے رسول ﷺ (ظاہری حیات میں) کی طرف اور بعد از وصال آپ ﷺ کی سنت کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ رہے منافقین تو وہ مطیع نہیں ہوتے اور اگر انہیں کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی طرف بلایا جائے تو وہ اعراض کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی آپ ﷺ کی طرف آنے سے منع کرتے ہیں، یہی حال کفار کا ہے۔ ارشاد فرمایا:

((واذا قیل لھم تعالوا الی ما انزل اللّٰہ والی الرسول قالوا حسبنا ما وجدنا علیہ اباء نا اولو کان اباؤھم لا یعلمون شیئا ولا یھتدون)) (المائدہ:104)

”جب ان سے کہا جائے: آؤ اس طرف جو اللہ نے اتارا رسول کی طرف تو وہ کہتے ہیں ہمیں وہ بہت ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا، کیا اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ جانیں اور نہ راہ پر ہوں۔“

تو منافق اور کفار اعراض میں اور اس پر اکتفاء میں جو ان کے پاس ہے اگرچہ وہ باطل ہے، مشترک ہی ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو آپ ﷺ کی معصیت سے اور آپ ﷺ کے حکم سے اعراض سے ڈرایا ہے تاکہ کہیں ان کا حال بھی اہل نفاق جیسا نہ ہو جائے۔

رسول اللہ کے نافرمان کی سزا......شفاعت مصطفیٰ سے محروم:

حضور ﷺ کو بہت سی شفاعتیں عطا کی گئی ہیں اوران کا تذکرہ احادیث میں ہے۔کچھ کا تذکرہ ملاحظہ کر لیجیے۔

1: مخلوق کوسختی محشر سے بچانے کیلئے شفاعت۔

2: کچھ امتیوں کو جنت میں بلاحساب داخل کروانے کیلئے شفاعت۔

3: امت کے کچھ لوگ جن کا حساب ہوگا اور وہ عذاب کے مستحق ٹھہریں گے ان کو عذاب سے بچانے کیلئے شفاعت۔

4: اپنی امت کے عاصی لوگوں کو دوزخ سے نکالنے کیلئے شفاعت۔

5: جنت میں بلندی درجات کیلئے شفاعت۔

6: اہل مدینہ منورہ کیلئے خصوصی شفاعت۔

7: امت کے اہل کبائر کیلئے شفاعت۔

8: ان لوگوں کیلئے جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی، دخول جنت کی شفاعت اور راجح قول کے مطابق انہیں اہل اعراف کہا جاتا ہے۔

9: تمام لوگوں سے پہلے اپنی امت کے لیے دخول جنت کی شفاعت۔

10: اپنے چچا ابوطالب کیلئے شفاعت۔

11: اس شخص کیلئے شفاعت جس نے کلمہ توحید پڑھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لیکن کارِ خیر کوئی نہ کیا۔

12: ان قبور والوں کی شفاعت جن پر آپ ﷺ نے کھجور کی شاخیں گاڑی تھیں۔

13: آپ ﷺ کی امت کی بعض کی بعض کے حوالے سے شفاعت۔

حدیث انس میں جوالفاظ گزرے: ''الا من حبسہ القرآن '' (مگر جسے قرآن روک لے) سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا دوزخی ہونا دائمی ہے۔آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ''**فیحد لی حدا** ''(میرے لئے حد مقرر کی جائے گی) اس کی تفسیر دوسری روایات میں ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے کہا جائے گا جاؤ:

((فمن کان فی قلبہ مثقال حبۃ من برا و شعیرۃ من ایمان فاخرجہ منہا))

''جس کے دل میں گندم یا جو کے برابر ایمان ہے اسے دوزخ سے نکال دو۔''

مجھے کہا جائے گا:

((فمن کان فی قلبہ مثقال حبۃ من خردل من ایمان فاخرجہ منہا))

''جس کے دل میں رائی کے برابر ایمان ہے اسے دوزخ سے نکال لو۔''

پھر مجھے کہا جائے گا:

((فمن كان في قلبه ادنى ادنى ادنى من مثقال حبة من خردل من ايمان فاخرجه من النار فانطلق فا فعل))

(بخاری، کتاب التوحید، مسلم، کتاب الایمان)

"جس کے دل میں رائی سے کم اس سے بھی کم اس سے بھی کم مقدار ایمان ہے، اسے بھی دوزخ سے نکال لو۔ میں جاؤں گا اور ایسا ہی کروں گا۔"

نبی اکرم ﷺ ہی صرف اپنی امت کیلئے شفاعت نہیں فرمائیں گے، بلکہ آپ ﷺ کی امت کے صلحاء و متقی بھی اپنی نجات کے بعد اپنے دوزخی بھائیوں کی شفاعت کریں گے۔ اس پر بھی متعدد احادیث شاہد ہیں، ہم صرف دو کا تذکرہ کرتے ہیں:

1: حضرت ابو سعید خدری سے دیدار الٰہی اور حساب و کتاب میں جو روایت مروی ہے اس کا آخری حصہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ثم يضرب الجسر على جهنم و تحل الشفاعة ويقولون اللهم سلم سلم))

"پھر جہنم پر پل بچھایا جائے گا اور شفاعت حلال کر دی جائے گی، وہ کہیں گے: اے اللہ! سلامتی سلامتی۔"

عرض کیا گیا: یا رسول اللہ ﷺ! جسر کیا ہے؟ فرمایا:

((دحض مزلة فيه خطا طيف وكلا ليب وحسك فيمر المومنون نكطرف العين وكالبرق وكالريح وكالطير وكاجاويه الخيل والركاب))

"وہ وحشت کرنا، اس میں کڑک ہے، کتے اور کانٹے۔ اہل ایمان آنکھ جھپکنے کی طرح یا بجلی، ہوا، پرندے یا گھوڑے یا سوار کی طرح گزریں گے۔"

جس کی حفاظت کی گئی وہ نجات پا جائے گا، جس کو چھوڑ دیا گیا وہ جہنم میں گر جائے گا۔ حتیٰ کہ اہل ایمان جہنم سے خلاصی پالیں گے۔ قسم اس ذات اقدس کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم میں سے ہر کوئی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں روز قیامت اپنے دوزخی بھائیوں کیلئے التجائیں کر رہا ہوگا، کچھ کہیں گے:

((ربنا كانوا يصومون معنا ويصلون ويحجون))

"اے ہمارے رب! انہوں نے ہمارے ساتھ روزے رکھے، نمازیں پڑھیں اور حج کیے۔"

تو ان سے کہا جائے گا:

((اخرجوا من عرفتم فتحرم صورهم على النار))

''جنہیں تم پہچانتے ہو انہیں نکال لو ان کے اجسام پر آگ حرام کر دی گئی ہے۔''
اسی طرح دوزخ سے کثیر مخلوق کو نکال لیا جائے گا۔ اب دوزخ نصف ساق اور گھٹنوں تک رہ جائے گی، پھر وہ عرض کریں گے:

((ربنا ما بقي فيها احد ممن امر تنا به))

''اے ہمارے رب! جس کا تم نے حکم دیا تھا اب ان میں سے یہاں کوئی نہیں رہا۔''
حکم ہوگا: تم پھر جاؤ:

((فمن وجدتم في قلبه مثقال دينار من ايمان فاخر جوه))

''جس کے دل میں مثقال دینار کے برابر ایمان پاؤ اسے دوزخ سے نکال لو۔''
اب دوبارہ کثیر مخلوق نکال لی جائے گی۔ عرض کریں گے:
''یا اللہ! جن کے بارے میں آپ نے حکم دیا تھا ہم نے وہ تمام نکال لئے۔''
حکم ہوگا پھر جاؤ:

((فمن وجدتم في قلبه مثقال نصف دينار من خير فاخر جوه))

''جس کے دل میں مثقال نصف دینار کے برابر ایمان پاؤ اسے نکال لو۔''
پھر خلق کثیر جہنم سے نکال لی جائے گی اور عرض کریں گے:
''اے ہمارے رب! جس جس کے بارے میں آپ نے ارشاد فرمایا انہیں نکال لیا گیا ہے۔''
حکم ہوگا، پھر جاؤ:

((فمن وجد تم في مثقال ذرة من خير فاخر جوه))

''جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہے، اسے نکال لو۔''
پھر خلق کثیر باہر لائی جائے گی اور عرض کریں گے:
''ہمارے پروردگار! آپ نے جس جس کے بارے میں فرمایا تھا ہم نے کسی کو وہاں نہیں چھوڑا۔''
(مسلم، کتاب الایمان، بخاری، کتاب التوحید)

یہ حدیث اس امت کا حال بیان کر رہی ہے کہ اس کی تین اقسام ہوں گی:

1: محفوظ و سالم جسے کوئی تکلیف عارض نہ ہوگی۔
2: مخدوش، خدشہ کے بعد عذاب وغیرہ سے نجات پائے گی۔
3: نار جہنم میں گر جائے گی، پہلے نجات کے بعد ان کی شفاعت کریں گے، اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت قبول فرمائے گا۔

پھر ارحم الراحمین ذات کی رحمت کا اظہار ہوگا، جیسا کہ حدیث کے آخری الفاظ ہیں:

((حیث یقبض قبضة من النار فیخرج من قال لا اله الا الله ولم یعمل خیرا قط فی حیاته و یلقیهم فی نهر الحیاة فاذا خرجوا وختم فی رکابهم، یعرفون بعتقاء الله تعالیٰ))

''پھر اللہ تعالیٰ مٹھی بھرے گا اور نکال لے گا، ہر اس شخص کو جس نے لا الہ الا اللہ کہا اور پوری زندگی میں ایک نیکی بھی نہ کی ہوگی، انہیں نہر حیات میں ڈال دے گا، ان کی گردنوں پر یہ مہر ہوگی یہ اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ ہیں۔''

2: حضرت عبداللہ ابی الجدعا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

((یدخل الجنة بشفاعة رجل من امتی اکثر من بنی تمیم))

''میری امت کے ایک آدمی کی شفاعت سے بنو تمیم سے زیادہ لوگ جنت میں جائیں گے۔''

ہم نے عرض کیا:

((سواك یا رسول الله ﷺ))

''یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کی شفاعت کے علاوہ؟''

آپ ﷺ نے فرمایا:

((نعم سوای))

''ہاں! یہ میری شفاعت کے علاوہ ہے۔''

اسے امام احمد، حاکم، ابن حبان نے صحیح کہا، ابن ماجہ، ابو یعلی اور دارمی نے نقل کیا ہے۔

(مسند احمد 3-469)

ان نصوص میں دو اہم امور ہیں:

1: حضور ﷺ کی امت سے لوگ دوزخ میں داخل ہوں گے، کیونکہ ان کا نمازی ہونا اور روزہ دار ہونا وغیرہ بتا رہا ہے کہ وہ اہل ایمان ہیں اور اللہ تعالیٰ مشرک کے علاوہ جس کو چاہے معاف فرما دے۔

2: یہ لوگ جنت میں ابتداً داخل نہ ہوں گے، بلکہ پہلے دوزخ میں جائیں گے، وہاں عذاب ہوگا، پھر شفاعت وغیرہ کے ذریعہ سے جنت آئیں گے۔

اگر یہ سوال اٹھایا جائے کہ انہوں نے اعمال صالح کیے، مثلاً: نماز، روزہ اور حج ادا کئے ایمان بھی تھا، پھر دوزخ کیسے چلے گئے؟ اس کا جواب حدیث مفلس ہے۔

چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: مفلس کون ہے؟ عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ

((المفلس فینا من لا درھم لا ولا متاع))

"ہمارے ہاں مفلس وہ ہے جس کے پاس رقم اور سامان نہ ہو۔"

آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں:

((المفلس من امتی یاتی یوم القیامة بصلاة وصیام و زکاة))

"روز قیامت میرا وہ امتی مفلس ہوگا جو نماز، روزہ اور زکوٰۃ لے کر آئے گا۔"

لیکن اس کے ساتھ ساتھ:

((قد شتم ھذا وقذف ھذا واکل مال ھذا و سفك دم ھذا و ضرب ھذا فیعطی من حسناته وھذا من حسناته فان فنیت حسناته قبل ان یقضی ما علیه اخذ من خطایا ھم فطرحت علیه ثم طرح فی النار))(مسلم، کتاب البر)

"اس نے کسی کو گالی دی، کسی پر تہمت لگائی، کسی کا مال کھایا، کسی کا خون بہایا، کسی کو مارا ہوگا تو اس کی نیکیاں دوسرے کو دے دی جائیں گی۔ اگر حقوق ادا ہونے سے پہلے نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو دوسرے لوگوں کے گناہ اس پر ڈال دیے جائیں گے اور اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔"

تو یہ اس امت سے دوزخ میں جانے والے ہیں یا تو انہوں نے نیک عمل نہیں کئے کہ وہ جنت میں جائیں، یا انہوں نے عمل کئے مگر وہ فاسد تھے، ان سے نیکیاں لے لی گئیں اور ان کے پاس سوائے گناہوں کے کچھ نہ رہ گیا۔ تو وہ دوزخ میں چلے گئے، پھر اللہ کی رحمت سے شفاعت نصیب ہوئی۔

جو بھی حال ہو یہ عاصی لوگ پہلے دوزخ میں پھر وہاں سے حضور ﷺ کی شفاعت، آپ ﷺ کے کسی امتی کی شفاعت سے جنت میں آئیں گے۔ تو ابتداً جنت میں داخل تو نہ ہوئے بلکہ شفاعت موخر ہوگی، باقی کتنی دیر عذاب میں رہیں گے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اسال اللہ السلامۃ والتوفیق۔

رسول اللہ کے نافرمان کی سزا......دائمی دوزخ میں:

ہم نے ذکر کیا معصیت دوطرح کی ہوتی ہے۔ایک مکفرہ اور ایک غیر مکفرہ۔غیر مکفرہ یعنی وہ جس کا مرتکب پہلے دوزخ میں داخل ہوگا، پھر وہاں سے عذاب بھگت کر جنت میں آئے گا۔دوسری قسم ہے مکفرہ (کافر بنانے والی) اس کی انواع ہیں۔ایک یہ کہ اسلام وایمان لائے ہی نہیں، ساری زندگی کفر وگمراہی پر رہے۔انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی اور یہ دائمی جہنم کے مستحق قرار پائے۔دوسرے یہ کہ اسلام تو لائے مگر مرتد ہو گئے تو یہ بھی دائمی جہنمی ٹھہرے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((ومن يعص الله ورسوله و يتعد حدوده يدخله نارا خالدا فيها وله عذاب مهين))(النساء:14)

''اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرانی کرے اور اس کی حدوں سے بڑھ جائے اللہ اسے آگ میں داخل کرے گا جس میں ہمیشہ رہے گا اور اس کیلئے خواری کا عذاب ہے۔''

دوسرے مقام پر فرمایا:

((الم يعلموا انه من يحادد الله ورسوله فان له نار جهنم خالدا فيها ذلك الخزى العظيم))(التوبه:63)

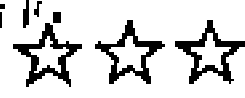
''کیا انہیں خبر نہیں کہ جو خلاف کرے اللہ اور اس کے رسول کے تو اس کیلئے جہنم کی آگ ہے کہ ہمیشہ اس میں رہے گا، یہی بڑی رسوائی ہے۔''

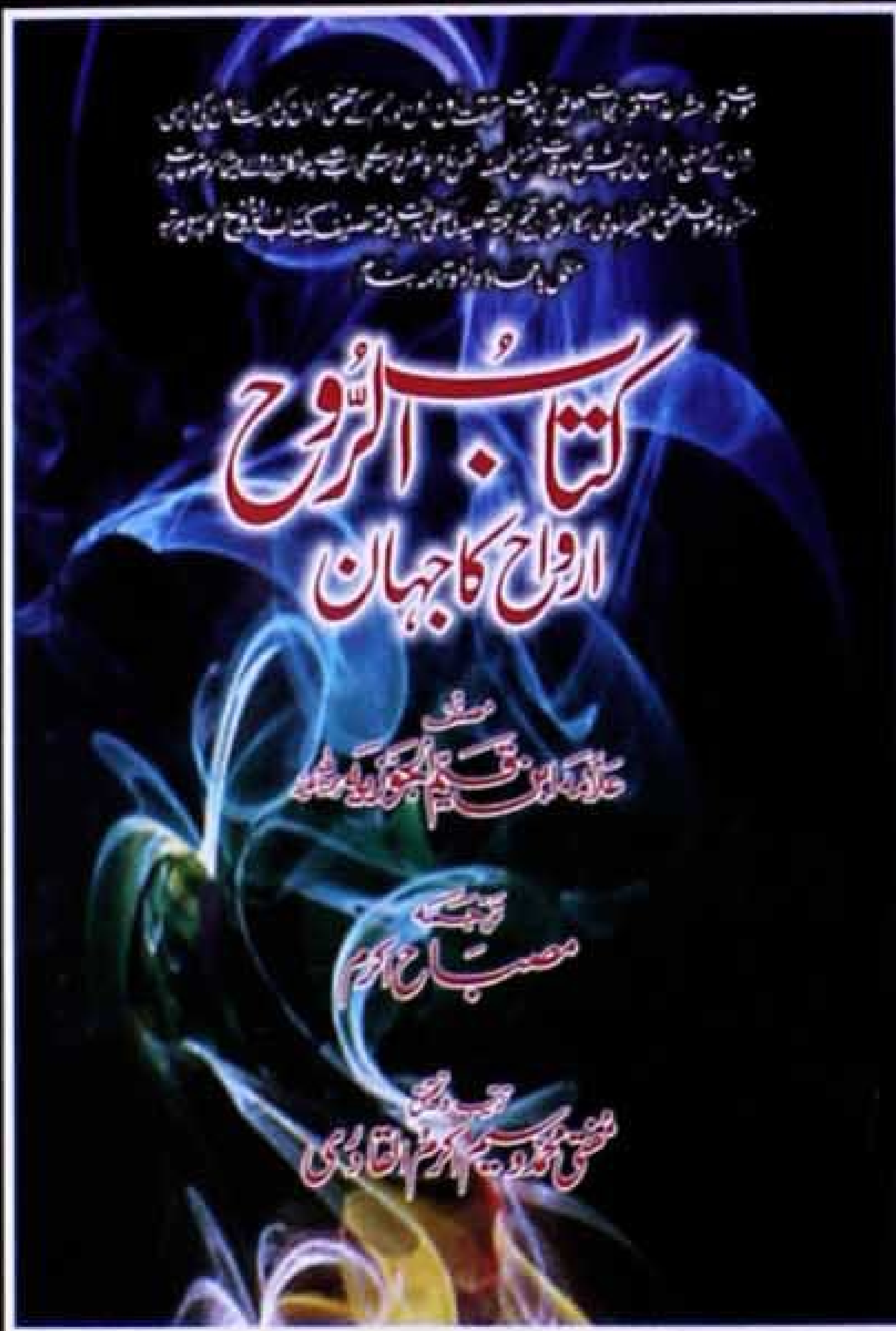
تو جس نے بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی معصیت کی ان کی حدود سے تجاوز کیا، آپ ﷺ کی مخالفت کی تو اس کیلئے رسوائی اور عظیم ذلت کے ساتھ دائمی جہنم ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

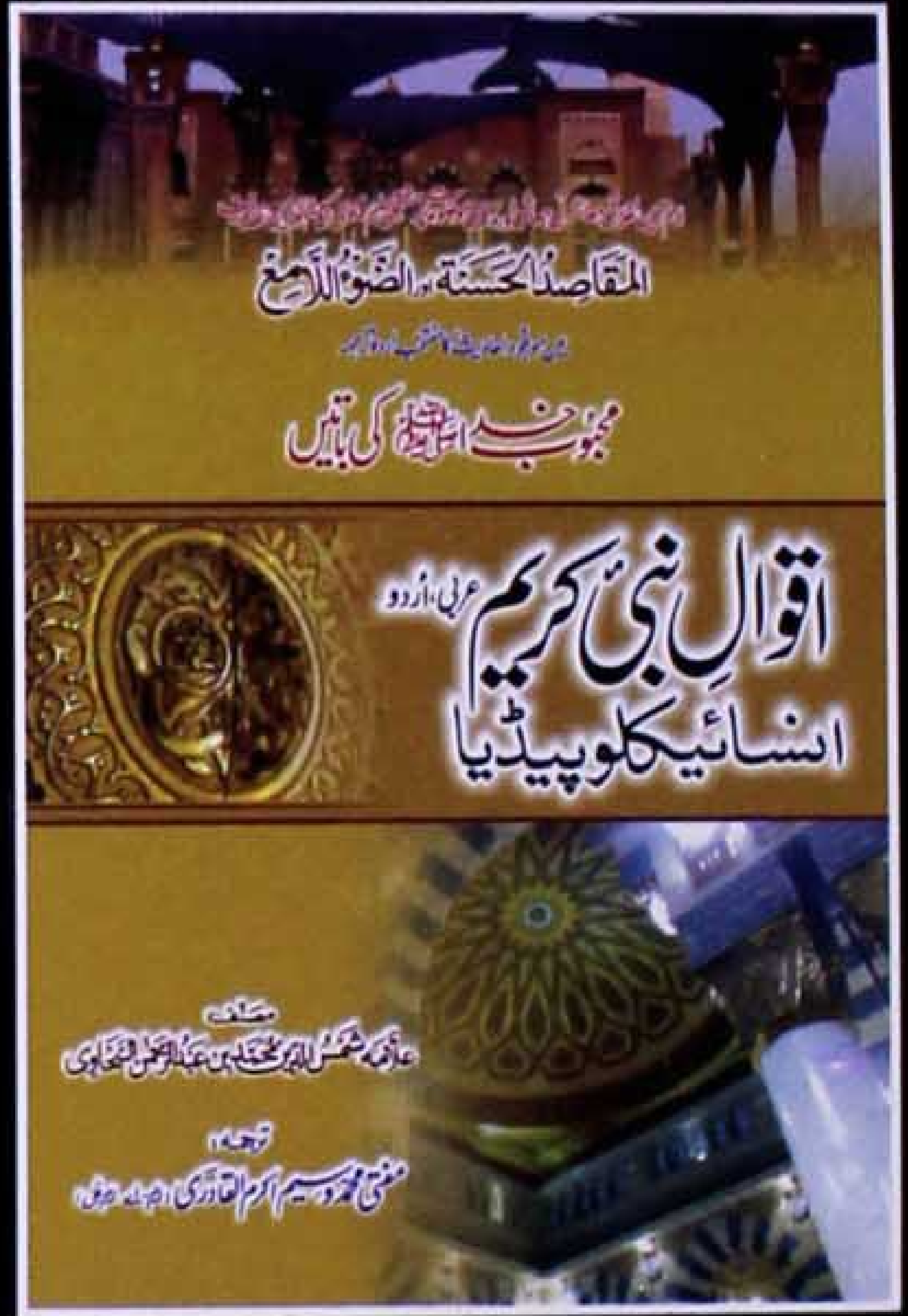
((ومن يعص الله و رسوله فان له نار جهنم خلدين فيها ابدا ○ حتى اذا رأوا ما يودون فسيعلمون من اضعف ناصرا و اقل عددا))(الجن:24,23)

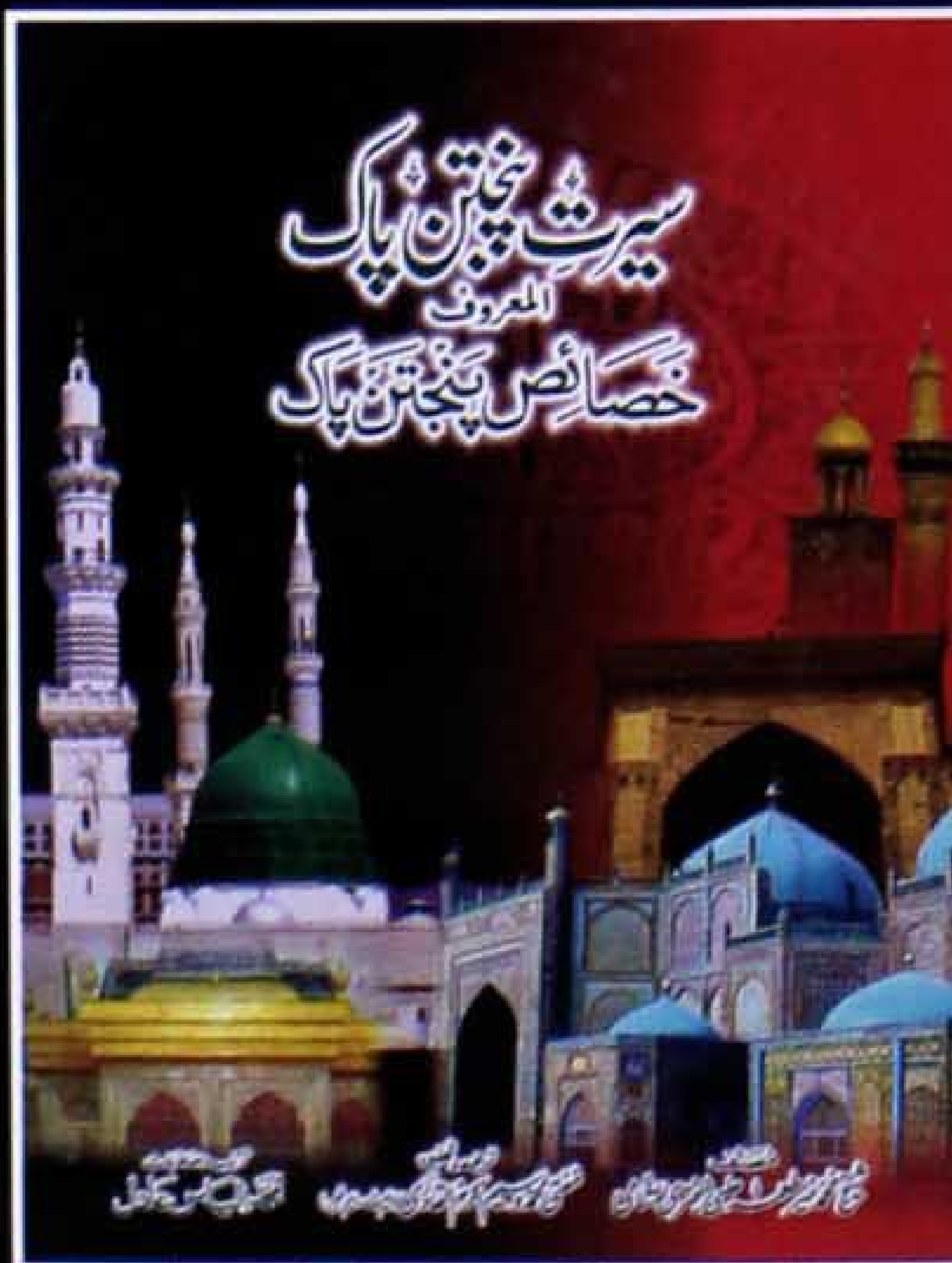
''آگ ہے جس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں، یہاں تک کہ جب دیکھیں گے جو وعدہ دیا جاتا ہے تو اب جان جائیں گے کہ کس کا مددگار کمزور اور کس کی گنتی کم۔''

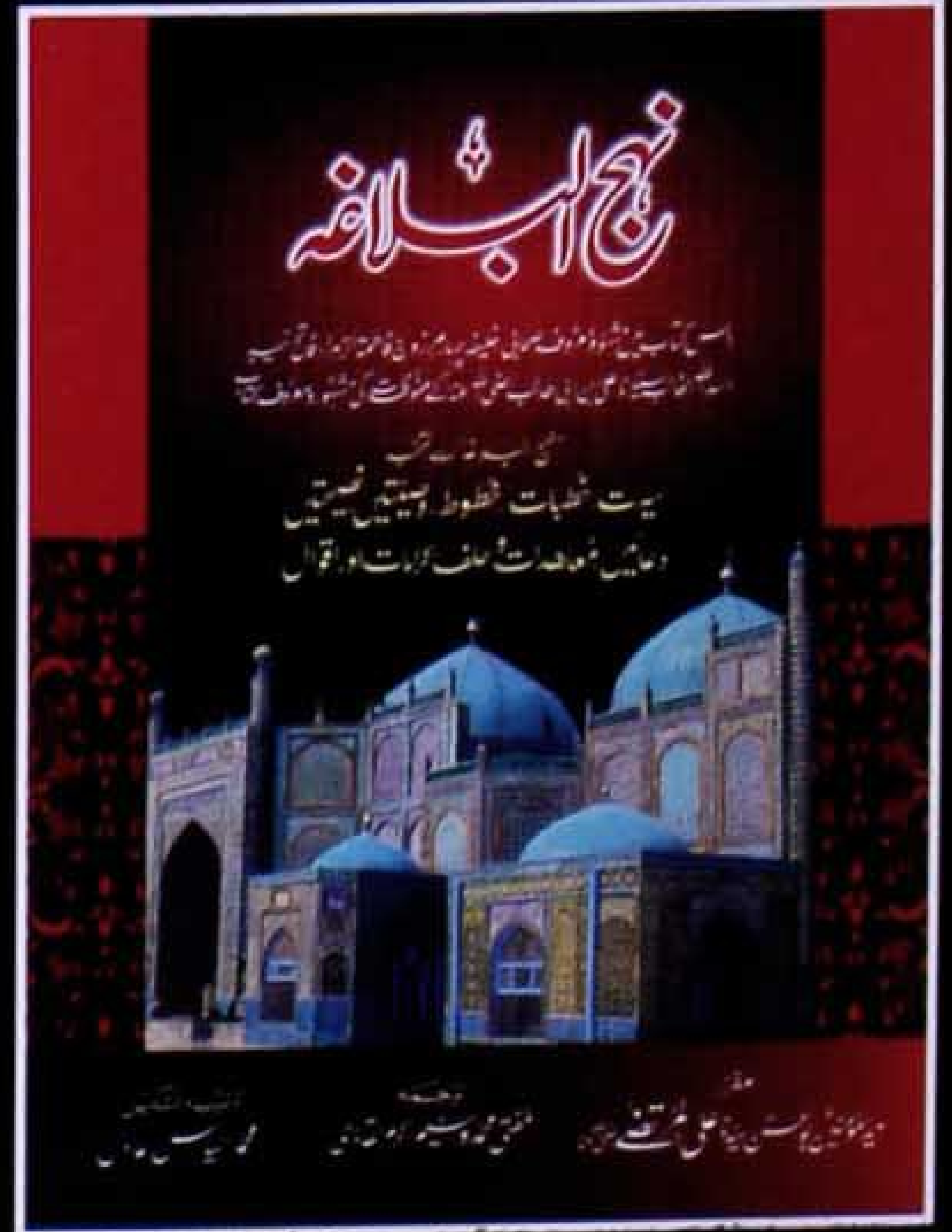
تو کافر معاند جب روز قیامت دیکھیں گے ان کا ہرگز کوئی مددگار نہیں اور اللہ تعالیٰ کے لشکر (جنہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سوا کوئی نہیں جانتا) کے مقابلہ میں بہت ہی کم ہیں اور اس کے علاوہ دیگر سزائیں، عقوبات اور ذلتیں اٹھائیں گے۔ خواہ وہ معصیت غیر مکفرہ ہو یا مکفرہ، غیر مکفرہ معصیت پر سزا مکفرہ معصیت جیسی نہ ہوگی، پہلی مسلمان مؤمن سے بھی سرزد ہو سکتی ہے۔ جبکہ دوسری صرف کافر، معاند یا مرتد سے ہو سکتی ہے۔ مومن کو دونوں سے ڈرنا چاہیے کیونکہ وہ غیب نہیں جانتا، کیا علم کیا لکھ دیا جائے اس لئے ڈرتے رہنا چاہیے۔ کسی عمل واعتقاد پر کوئی بھروسہ نہیں تاکہ دھوکہ نہ ہو جائے۔











مشتاق بک کارنر
الکریم مارکیٹ۔ اردو بازار، لاہور